جلد ٦ — نمبر ٢ — ازماہ [illegible] ۱۹۱[illegible]

قیمت سالانہ ۵ر

نظام المشائخ

تمام سلسلوں کے صوفیہ مشائخ کی دینی و دنیاوی اغراض کا حامی اُردو زبان کا ماہوار رسالہ

ایڈیٹر ✽ حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی خواجہ زادہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی رح

نائب مدیر ✽ خادم الفقرا سید محمد ارتضٰی واحدی دہلوی ✽

فہرست مضامین

(دنیا کی آبادی تین چوتھائی حصہ صوفی مشرب لوگوں کا ہے)

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک قسم اول پانچ روپیہ فی پرچہ ۸ر قسم دوم سالانہ مع محصول ۲ر فی پرچہ ۴ر

[illegible] دہلی میں چھپکر سید محمد ارتضٰی واحدی مدیر منتظم و نائب مدیر نے دفتر رسالہ نظام المشائخ سے شائع کیا

سید الشہدا سے التجا

[illegible] امام حسین مولانا حسین الشہید علیک الصلوٰۃ والسلام

[illegible] الشان سے یہ چند اوراق آپکی شہادت کی بابت مرتب کئے گئے ہیں
[illegible] ہے اور انپر اپنی ابدی حیات کا پرتو ڈالیئے کہ [illegible]
[illegible] بہت اُنسے فیضیاب ہو۔

سرکار [illegible] مسلمانوں کی خاطر آپنے جان قربان کردی [illegible] و شیعہ [illegible]
[illegible] باہم کشت و خون کرتے ہیں [illegible] دونوں فریق [illegible]
[illegible] کے ساتھ بسر کریں۔

علی اکبر کے سینہ کا جسنے دشمن کی برچھی کو اپنے دلمیں جگہ دی صدقہ علی اصغر کے
[illegible] جو تیر ستم سے گلے ملا صدقہ اس گلوئے پاک کا جو آپ کی رگ جان سے
[illegible] تعالیٰ تک [illegible] وصل ہوا صدقہ ان زخموں کا جنہوں نے اعدا کے نیزہ و شمشیر
[illegible] دیکھا یا صدقہ عابد بیمار کی نازک کلائی کا جسنے ظلم کی رسی کے ارمان
[illegible] پورا کیا۔

یا حسین رسول اللہ۔ اب ان نادان شیعوں اور سنیوں کی صلح کسی ظاہری تدبیر سے ممکن
[illegible] اسلئے آپ سے فریاد ہے جب تک حضور کی باطنی توجہ نہ ہوگی [illegible] مسلمان
ہرگز راہ راست پر نہ آئینگے۔

آپکے گھر کے غلام صوفیہ کرام شیعہ سنی کے تمام نازیبا جھگڑوں سے پاک ہیں آپکی اور
آپکے خاندان کی محبت ان کا دین و ایمان ہے۔ دعا فرمائیے کہ وہ ہمیشہ اسی عقیدے
پر ثابت و برقرار رہیں۔ آمین۔

خانہ زاد۔ حسن نظامی

سلام

[illegible] شبیر و شبر آفتاب و ماہتاب
پنجتن کا [illegible] گھر ہے آفتاب و ماہتاب

کرتے ہیں سجدہ چار آفتاب و ماہتاب
کرتے ہیں [illegible] آفتاب و ماہتاب

کربلا کا واقعہ دیکھے ہوئے ہیں آنکھ سے
داغ کیوں رکھتے [illegible] آفتاب و ماہتاب

یوم عاشور کو جب حضرت کا سر کاٹا گیا
ہوگئے دونوں [illegible] آفتاب و ماہتاب

[illegible] لاشیں [illegible] کہتے [illegible]
خون میں ہیں [illegible] آفتاب و ماہتاب

[illegible] حضرت شبیر [illegible]
عرش کرسی [illegible] آفتاب و ماہتاب

[illegible]
کہتے ہیں یہ آسماں [illegible] آفتاب و ماہتاب

[illegible]
[illegible] آفتاب و ماہتاب

[illegible] شہیدوں کے لیے
[illegible] آفتاب و ماہتاب

[illegible] آپ کے [illegible]
کیوں نہوں [illegible] آفتاب و ماہتاب

[illegible]
[illegible] آفتاب و ماہتاب

[illegible]
پانچ تن [illegible] آفتاب و ماہتاب

آب کوثر [illegible]
[illegible] روز محشر آفتاب و ماہتاب

[illegible] جو [illegible] بیشمار
[illegible] آفتاب و ماہتاب

[illegible]
[illegible] اکثر آفتاب و ماہتاب

[illegible] کہتے تھے [illegible]
دونوں ہیں اللہ اکبر آفتاب و ماہتاب

اہل بیت مصطفیٰ کے آستانے کے غلام
[illegible] قنبر آفتاب و ماہتاب

آپ کی زلف [illegible]
آپ کا [illegible] آفتاب و ماہتاب

کافر و دنیا پر ہیں آپ کے مہر و کرم
جس طرح ہیں ذرہ پرور آفتاب و ماہتاب

[illegible] شائق شمس العلما [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظام المشائخ

درویشی شہادت نامہ

تمہید

غم و الم کا زمانہ آگیا۔ آنکھیں رونا چاہتی ہیں۔ دل تڑپنے کو آمادہ ہے۔ آنسو پلک رخسار پر بہنے کے لیئے ساز و سامان درست کر رہے ہیں ؀

محرم الحرام کا چاند دکھائی دیتے ہی ایشیا کے اکثر حصے میں شہادت سیدنا امام حسین علیہ السلام کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کے سب فرقے اپنے اپنے دستور کے موافق اس غمگین یاد میں حصہ لیتے ہیں اور ہندوستان میں تو کروڑوں غیر مسلم آدمی غم حسین میں ماتم کی صفیں آراستہ کرتے ہیں **لہذا** رسالہ نظام المشائخ بھی صوفیہ کرام کے تمام سلسلوں کا ہندوستان میں اکیلا آرگن ہے محرم کے دینی و قومی امتیاز کو مشائخ کے مذاق و تخیل کے مطابق حاصل کرنا چاہتا ہے ؀

چونکہ صوفیوں کے تمام سلسلے سوائے بعض کے امیر المؤمنین مولے علی کرم اللہ وجہہ کی ذات

سے وابستہ ہیں۔ اس لئے نظام المشائخ کا شہادت کے معاملہ میں زیادہ دلچسپی لینا نہایت ضروری اور موزوں ہے۔ اس پرچہ کا نام **شہید نمبر** رکھا جاتا ہے جس میں تمام مضامین شہادت کے متعلق ہونگے۔ اور دکھایا جائے گا کہ جس طرح اولیاء اللہ نبیوں اور رسولوں کی صفات کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ اسی طرح مدارج شہادت میں بھی وہی سید الشہداء امام العالم مولانا حسین الشہیدؓ کے خوشہ چیں ہیں +

اس تمہید کے بعد شہادت کے مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالی جاتی ہے جس سے معلوم ہوگا کہ شہادت کیا چیز ہے۔ اور دین ہی کے نہیں دنیا کے کاروبار میں اسکی کتنی ضرورت ہے +

شہادت کیا چیز ہے

اصطلاح میں شہادت ایک قسم کی قربانی کو کہتے ہیں جو مذہبی یا ملکی یا معاشرتی امور کی حمایت میں ظاہر ہو۔ یعنی اگر کوئی شخص مذہب یا ملک یا رسم و رواج کی حفاظت میں جان دیدے تو اُسکو شہید کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ دیگر ممالک اور مذاہب میں بھی شہادت کے لفظ کا کوئی مفہوم یا قاعدہ موجود ہو مگر ہمکو جہانتک اس مسئلہ میں گفتگو کرنی ہے اسکا تعلق صرف اسلام سے ہے +

اسلام نے ظاہر ہوکر جو زبردست اور زلزلہ انگیز چیز پیدا کی وہ شہادت کا عقیدہ تھا۔ ہر شخص جسنے اپنے سر کو اسلام کے آگے جھکایا تھا اپنے وجود کو شہادت کی قربان گاہ میں فنا کر دینے کا متمنی اور طلبگار نظر آتا تھا۔ مسلمانوں کو یقین آگیا تھا کہ

ایک وجود کی فنا دوسرے وجود کی بقا

کے لیئے لازمی ہے۔ جبتک ہم یہ اجسام اسلام پر نثار اور فدا نہ کرینگے جسد اسلام مستحکم کائنات نہیں بن سکتا۔ لہذا اُنکے بچوں بوڑھوں اور عورتوں تک میں شوقِ

شہادت کا جذبہ موجیں مارا کرتا تھا۔ اور بارہا دیکھا گیا کہ اُن ہولناک میدانوں میں جہاں بڑے بڑے شیروں۔ جوانمردوں کا کلیجہ کانپ جاتا ہی وہاں مسلمانوں کی خانہ نشین نازک کلائیوں والی عورتیں دلیری و بیباکی سے تلوار چلاتی تھیں۔ انسانی خون کے رنگ کی مہندی لگاتی تھیں۔ خاک و خون سے لتھڑے ہوئے کپڑے انکو اطلسی و حریری لباس کا لطف دیتے تھے۔ اور عرصۂ کارزار کی جگر خراش آہ و بکا اُنکے کانوں میں قمیریں نغمے بن کر چلتی تھی یہی وجہ تھی کہ تکبیروں کے نعرے مارتی ہوئی برچھیوں اور تلواروں کی نوکوں سے رزمگاہ کو درہم برہم کر ڈالتی تھیں +

یہ ذوقِ شہادت جس گھرانے کا عطیہ تہا خدا تعالیٰ نے اسی خاندان کو نمونہ بناکر دکھایا۔ جس سے شہادت کی اصلی شان نظر آگئی۔ مگر ہم پہلے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس کائنات ہستی میں ہر اشیاء کا ظہور دوسری اشیاء کی شہادت یعنی فنا سے ہوتا ہی جنس آدم سے قطع نظر کرکے عناصر اربعہ کے اجزا کو علیحدہ علیحدہ دیکھئے کہ جب ایک وجود فنا نہیں ہوتا دوسرا وجود موجود و ہستی پذیر نہیں ہو سکتا۔ آگ کی ہستی کو معدوم کرنا ہو تو پانی کا وجود قربان کیجئے۔ پانی کا نشان مٹانا ہو تو آگ کی زندگی خرچ کیجئے +

بھاپ جس کے بل پر نئی دنیا کے کارخانے چل رہے ہیں۔ ریلیں دوڑتی پھرتی ہیں جہاز سمندر میں لہراتے ہیں۔ یہ کیا ہی۔ اور کیونکر پیدا ہوتی ہی۔ سب جانتے ہیں کہ پانی کی شہادت و قربانی سے جو آگ کی تپش سے ہوتی ہی۔ بھاپ کا طلسماتی جسم تیار ہوتا ہے۔ یعنی پانی آتشی حرارت کے خنجر سے ذبح ہوکر اپنا جسم چھوڑ دیتا ہے۔ اور بھاپ کی شکل اختیار کر لیتا ہی +

دانہ خاک میں ملتا ہی۔ اپنا نام و نشان مٹاتا ہی تو شگوفہ اور درخت کا وجود ظاہر ہوتا ہی۔ دانہ شہید نہو اپنی ہستی قربان نہ کرے۔ اور کہے۔ میں کیوں پرائے واسطے

اپنے تئیں خاک میں ملاؤں اور برباد کروں تو تمام دنیا بھوکی مرجائے۔ کیونکہ دانہ ہی کی قربانی ہے جسکی بدولت چار دانے پیدا ہوتے ہیں۔ اور انسان و حیوان اُنکو کھاکر اپنی زندگی قائم رکھتے ہیں۔

روئی اپنے وجود کی قربانی کرتی ہے تو سوت تیار ہوتا ہے۔ اور آدمی کی تن پوشی کے قابل بنتا ہے۔ ورنہ سب برہنہ مادرزاد پھرا کرتے۔ یا درخت کے پتوں سے ستر پوشی کرتے۔ مگر اسمیں بھی یہ اندیشہ تھا کہ درخت پتوں کی قربانی سے انکار نہ کردیں؟

کھانے میں صرف دانے کی مثال پر موقوف نہیں ہے۔ دانہ کے بعد شہادت اور قربانی کا سلسلہ دور تک چلا جاتا ہے۔ دانوں کی شہادت سے آٹا ظاہر ہوتا ہے آٹے کی شہادت سے روٹی نمودار ہوتی ہے۔ روٹی کی شہادت سے پرورش کا ظہور ہوتا ہے۔ الغرض اسی شہادت کی بنیاد پر سب کارخانہ قائم ہے۔

تیل نہ جلے تو تاریکی کون دور کرے۔ روشنی کہاں سے پیدا ہو۔ بتی آتشی آرہ سر پر نہ چلوائے تو لوگ اندھیرے میں ٹکراتے پھریں۔ اور ہاں جنکے دم سے سب گھروں میں روشنی ہے اور جنکو حقارت سے تنکا سمجھا جاتا ہے وہ تو شہادت کی خاص شان رکھتے ہیں۔ اُنکی مقبول شہادت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

دیا سلائی کی شہادت

پر ذرا تفصیل سے غور کیجئے۔ عجب دردناک قصہ ہے۔ جنگل میں ایک ہرا بھرا درخت لچکدار شاخوں اور نرم نرم پتوں سے چھایا ہوا کھڑا تھا۔ ایک صاحب گئے۔ اور اپنے وجود کے لالچ میں درخت کو شہید کر ڈالا۔ اِسکے بعد ایک گرم چشمے کے کھولتے ہوئے پانی میں جوش دیکر کھال کھینچ لی۔ پھر مشین کے دوسرے خنجر سے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے تیسری مشین نے یہ صورت بھی مٹا دی۔ اور چھیل کر پرت بنادیئے۔ چوتھی نے اُن پرتوں کو

بھی کتر ڈالا۔ اور دیا سلائی کے ننھے ننھے تنکے بن گئے۔ اِن تنکوں کو اول گندھک اور تیز آگ کے پانی سے وضو کرایا گیا۔ اِسکے بعد بکس کی مسجد میں بھیجدیا۔ اب میاں تنکے بکس کی سیاہ جانماز پر ایک ہی رگڑ دار سجدہ کرنے پائے تھے کہ بجلی خنجر آگ کی صورت میں نمودار ہوا اور تنکے کو شہید کردیا۔ تنکا تو آن کی آن میں جلکر نابود ہو گیا مگر اسکی شہادت ایسی مقبول ہوئی کہ فوراً خانہ تاریک میں روشنی آگیا۔ مسجد۔ گرجا۔ مندر شراب خانہ۔ غرض ہر مقام نے تنکے کی شہادت سے فائدہ اُٹھایا۔

باغ میں تشریف لیجائیے۔ نہر کا پانی درختوں میں آ آکر جذب و فنا ہورہا ہوگا۔ باغ کی شادابی اسی شہادت پر منحصر ہے۔ پانی قربان نہو تو درخت جلکر رہجائیں۔

ذرا پھولوں کو بھی دیکھیئے۔ کیا بہار ہے۔ توڑ لیجئے۔ یہ نازک ہستی بھی شہادت کا ارمان رکھتی ہے۔ اور وہ یہی ہے کہ آپ انکو توڑ لیں اور ٹہنیوں کے سایہ سے جدا کرکے اپنے ساتھ گھر لیجائیں۔ ہار بنا کر گلے میں ڈالیں۔ چادر بنا کر قبر پر چڑھائیں۔ سہرا گوندھ کر سر پر رکھیں شکر میں ملا کر گلقند بنائیں۔ ہر حال میں خدمت کو حاضر ہیں۔ یہ قربانی سے انکار کرتے تو تفریح کی کتنی کیفیتیں نابود رہتیں۔

ہا۔ مگر آپ کسقدر نا انصاف ہیں۔ اِن پھولوں کو شہید کرکے گھر لیچلے تو پتوں کا دونا بنالیا تاکہ سورج کی تپش سے اِن کا جسم کُملا نہ جائے۔ مگر کربلا میں اپنے رسول کے نواسوں کو شہید کرکے دھوپ میں تپنے دیا۔ اور حرم رسولؐ کو جو گلاب کی پنکھڑیوں سے زیادہ نازک اور لطیف تھیں بے چادر کرکے پھرایا۔ یہ خیال نہ کیا کہ یہ بھی پھول ہیں مرجھا جائینگے۔

القصہ نتیجہ اِن سب مثالوں سے یہ نکلا کہ شہادت دوسرے کے فائدے کے واسطے اپنا وجود فنا کردینے کا نام ہے۔ اور یہ ایسی چیز ہے جسکی تمام موجودات میں ضرورت ہے۔ جو شخص اِس ضرورت سے انکار کرے وہ گویا تمام بدیہات سے انکار کرتا ہے

اور اُسکو بصارت و بصیرت سے محروم سمجھنا چاہیئے۔

شہادت خوشی کی چیز ہی یا غم کی

اب یہاں ایک نہایت باریک۔ اور نازک سوال پیدا ہوتا ہی کہ جب شہادت کارخانۂ عالم میں ایسی مفید اور ضروری شئے ہی تو اسکے سبب ماتم کیوں کیا جاتا ہی۔ غمگینی و افسوس کو اس سے کیا تعلق۔ آہ و بکا کا اس سے کیا سروکار۔ مگر یہ کچھ ایسی پیچیدہ بات نہیں ہی۔ جسکا جواب نہو۔ جو چیز شہید ہو رہی ہی۔ اُسکو تو اپنی موت کا کچھ افسوس اور غم نہیں ہوتا۔ اور نہایت بے پروائی اور اطمینان سے اپنی ہستی مٹانے کو آمادہ ہوئی ہی۔ مگر غیروں کے دل پر اسکی چوٹ کا لگنا فطرتی امر ہی بشرطیکہ اُن دلوں میں آدمیت کا حس اور روشناسی کا مادہ بھی ہو پروانہ شمع کی شہادت اگر دیکھ نہ سکے اور بے چین ہو کر در و دیوار سے سر ٹکرائے تو شمع اور نفس شہادت پر کوئی الزام قائم نہیں ہو سکتا۔ یہ تو بہت بڑی خود غرضی ہی کہ جس چیز نے ہمارے فائدے کے لیئے اپنی جان دے دی اُسکا ہم رنج بھی نہ کریں۔

جو بتی پہلے جل چکی ہوتی ہی۔ اُسکا سر آگ جلدی پکڑ لیتا ہی۔ لیکن کوری اور نئی بتی کو جسنے پہلے آگ کی شکل نہ دیکھی ہو مشکل سے روشن کیا جاتا ہی۔ اسیطرح جن لوگوں میں اللہ تعالی نے محبت کی آگ کا نشان لگا دیا وہ تو عالم کی تمام شہادتوں میں درد محسوس کرتے اور اثر پذیر ہوتے ہیں۔ لیکن جو ازل سے سنگین سرشت پیدا ہوئے ہیں وہ اس بھید کو سمجھنا کجا سمجھنا چاہتے بھی نہیں۔

شہادت حضرت امامؑ کے جسقدر واقعات شعراء نے لکھے ہیں اور اُن میں شہیدوں کی بے سروسامانی اور مایوسی کی تصویریں کھینچی ہیں یا اُنکے اہل بیتؑ کی بیقراری و نالہ و زاری کے نقشے دکھائے ہیں۔ یہ سب ہمارے غم کو اُستوار اور اثر دا

کرنے کے لیئے ہی - ورنہ ان باتوں کی کچھ اصلیت نہیں - حضرت امام اور اُنکے خاندان نے شجع سے بڑھکر سکوت و اطمینان ظاہر کیا - اور نہایت دلیری اور ثابت قدمی سے ظہورِ حق کے لیئے جانیں قربان کردیں ۔

اسلام میں شہادت کی ابتدا

یہ معلوم کرنیکے بعد کہ شہادت کیا چیز ہی - اور دنیا میں اِسی کے بل پر صد ہا کام چلتے ہیں - اب یہ جاننا چاہیئے کہ اسلام میں شہادت کا دور کب شروع ہوا اور کون کون بزرگ سب سے پہلے درجۂ شہادت کے وارث قرار پائے ۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے معرکہ کی لڑائی بدر میں پیش آئی تھی جہاں آپکے مُٹھی بھر صحابہ رضؓ نے کفارِ قریش کے دَل بادل لشکر کو پیس رکھدیا اِس معرکہ میں جو مسلمان شہید ہوئے اُن کا مرتبہ بعد کی لڑائیوں کے شہدا سے زیادہ مانا جاتا ہی - بلکہ جو لوگ زندہ واپس آگئے وہ بھی شرکتِ بدر کا فخر شہدا کیطرح کرتے تھے - اور مسلمان اُنکے فخر کو تسلیم کرکے انکی عظمت و بزرگی کو دیگر مجاہدین پر فوق دیتے تھے - اسیطرح شہادت کا سلسلہ بدر سے اُحد وغیرہ میدانوں کے سبب جڑ پکڑتا گیا - یہاں تک کہ مسلمانوں میں آجتک دین کی حمایت و حفاظت میں جان دینا شہادت خیال کیا جاتا ہی ۔

مگر مشائخ صوفیہ نے جس شہادت کو سب سے برگزیدہ شہادت مانا ہی وہ فنائے نفس اور فنائے ماسوی اللہ ہی - اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اسلام میں سب سے پہلے بڑی عمر والوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ تھے - اور چھوٹی عمر میں حضرت مولےٰ علی رضؓ تھے - اور عورتوں میں بی بی خدیجۃ الکبرےٰ تھیں - جنھوں نے تمام قوم - تمام ملک بلکہ تمام دنیا کو لات مار کے کلمۂ توحید کے آگے سر جھکایا - اور تمام ملکی - قومی - خاندانی

تعلقات کو ترک کے خنجر سے ذبح کر ڈالا۔ اس شہادت کے بعد دوسری شہادت کا رتبہ حضرت مولیٰ علی رضہ کو اور حاصل ہوا۔ اور وہ ہجرت کا زمانہ تھا جبکہ کفار نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو آنحضرتؐ نے مدینہ شریف کو ہجرت کرنی چاہی۔ مگر کفار نے گھیر اڈال رکھا تھا جس سے بچکر نکلنا آسان نہ تھا۔ اس وقت ایک فدائی کی قربانی درکار تھی جو آپکے بستر پر لیٹ رہے اور آپکے عوض اپنی جان دیدے۔ لڑکر مرجانا دوسری بات ہے۔ یوں موت کے منہ میں کوئی نہیں جا سکتا۔ مگر آنحضرتؐ کے قدیمی فدائی علیؓ نے جو ایک بار شہادت کا رتبہ حاصل کر بھی چکے تھے اس جان جوکھوں کو قبول کیا اور بستر رسولؐ پر لیٹ گئے۔ ان دو شہادتوں کے بعد آپکو تیسری شہادت بھی خدا تعالیٰ نے عطا فرمائی یعنی ابن ملجم کے خنجر سے زخمی ہو کر شہید ہوئے +

لڑائیوں کے قطع نظر اسلام میں سب سے پہلے شہید حضرت عمر فاروقؓ ہیں جو ایک پارسی غلام کے ہاتھ سے مسجد میں شہید ہوئے۔ آپکے بعد تیسرے خلیفہ حضرت عثمان غنی رضہ کو مسلمانوں کے ایک گروہ نے غلط فہمی سے شہید کر دیا۔ اگرچہ آپ کی شہادت محض غلط فہمی کے سبب ہوئی۔ یعنی محمد بن ابی بکر وغیرہ کی جماعت کو آپ کی نسبت وہ شبہ ہوا جسکا آپ کو مطلق علم نہ تھا۔ اور جسمیں آپ کی بے گناہی کا سب کو اقرار ہے مگر آپ کی شہادت نے اس امر کا راستہ کھولدیا کہ خود مسلمان اپنے ہم مذہب لوگوں کو شہید کرنے لگے۔ حالانکہ آجتک کفار کے ہاتھوں شہادت کا جام حاصل ہوا کرتا تھا +

حضرت مولیٰ علی کی شہادت کے بعد انکے بڑے صاحبزادے سیدنا حضرت امام حسن کو مسلمانوں نے زہر دیکر شہید کر دیا۔ اور پھر آپکے چھوٹے فرزند سیدنا حضرت امام حسین کو کربلا میں لیجا کر مسلمانوں ہی نے بھوکا پیاسا ذبح کر ڈالا۔ اور یہی وہ شہادت ہے جو اسلام میں سب شہادتوں سے زیادہ مشہور۔ زیادہ پُر درد۔ زیادہ درجہ والی۔ زیادہ ہر دلعزیز

اور نہایت مہتم بالشان چیز مانی جاتی ہی۔ اسی شہادت کی یادگار میں ہم نے بھی اپنے رسالہ کا شہید نمبر نکالا ہی *

سیدنا و مولانا حسینؓ کی شہادت کو اتنی اہمیت کیوں دیجاتی ہی۔ حالانکہ انسے پہلے اور انکے بعد سیکڑوں مسلمان نہایت بیکسی اور بے بسی کے عالم میں شہید کیے گئے۔ اسکا جواب یہ ہی کہ جو حالات اور واقعات سیدنا و مولانا حسینؓ کو پیش آئے۔ اُن کا سا نہ گزشتہ تاریخوں میں ذکر پایا جاتا ہی نہ بعد کے تذکروں میں۔ اس قسم اور اس طرز کا کوئی واقعہ موجود ہی *

سیدنا و مولانا حسینؓ کی شہادت میں حسب ذیل خصوصیات تھیں جو اور کہیں نہیں پائی جاتیں *

(۱) آپ اُس زمانہ میں تھے جبکہ اسلام کا نشو و نما تازہ تازہ ہوا تھا اور ہر فرد کے دل میں اپنے مذہب کی محبت ہر چیز سے زیادہ پیاری تھی۔ خاصکر اپنے رسولؐ کی اُلفت میں ہر مسلمان کا یہ عالم تھا کہ وہ دل و جان سے آنحضرتؐ پر نثار تھا۔ اور آپکے تعلق کی ادنے سے ادنے چیز مسلمانوں میں بہت بڑے ادب کی مستحق مانی جاتی تھی ایسی حالت اور ایسے زمانہ میں خاص رسولؐ کے نواسہ پر مسلمانوں کا یہ ظلم و ستم کرنا کسقدر عجیب تہا۔ اور حضرت مولانا و سیدنا حسینؓ کے دل پر جو صدمہ اُن لوگوں کی بے وفائی و جفا شعاری کا گزرتا ہوگا وہ ہزار خنجر و سنان سے بڑھکر تہا کہ کل کے دن جو لوگ رسولؐ کے نواسہ کی حیثیت سے اپنی آنکھیں میرے قدموں میں بچھاتے تھے۔ آج وہ میرے سینہ پر پاؤں رکھکر گلا کاٹتے ہیں *

(۲) اہل و عیال کی معیت بھی ایک ایسی خصوصیت ہی جسکی نظیر تاریخ میں کم ملیگی ممکن ہی کہ کسی مقتول کے ساتھ اُسکے خاندان والے بھی ہوں مگر جو حالت سیدنا و مولانا حسینؓ کو بال بچوں کے ہمراہ ہونیسے پیش آئی وہ اور کسیکو ہرگز ہرگز پیش نہ آئی ہوگی *

مختلف سن و سال کی عورتیں۔ ننھے ننھے بچے۔ اور وہ بھی بیمار۔ جن کو ہر مذہب اور قوم نے قابلِ رحم سمجھا ہے۔ تین روز بھوک پیاس سے تڑپے۔ مگر حضرت کو بے کسی کے سبب کچھ چارۂ کار نہ تھا۔

ہمارے عقیدہ میں اسوقت خیمۂ امام کی یہ تصویر تھی

ظہر کا وقت۔ صحرائے عرب کی تپش۔ خیمہ کی قناتوں سے آگ کی لپٹیں آرہی ہیں۔ پانی کو بند ہوئے دوسرا دن ہے۔ حضرت امام مستورات کے خیمہ میں تشریف لیگئے۔ دیکھا سب کے چہروں پر بھوک پیاس کی شدت سے ہوائیاں اُڑرہی ہیں۔ ہونٹ خشک ہیں۔ اور آنیوالے وقت کے کھٹکہ سے سب پر یاس و ہراس کا عالم طاری ہے۔ آپنے اپنی ہمشیرہ حضرت زینبؓ سے کہا۔ بہن! اگر تمہاری رائے ہو تو یزید کی بیعت قبول کرلوں۔ کیونکہ مجھسے تمہاری تکلیف دیکھی نہیں جاتی۔ اور خبر نہیں میرے بعد تم پر اور کیا کیا ظلم و ستم ہوں۔ بیعت کے اقرار سے یہ مصیبت جاتی رہیگی۔

اکیلے اور بے یار و مددگار بھائی کی زبان سے یہ کلمے سُنکر حضرت زینبؓ نے اپنی چادر کے آنچلوں کو اُلٹ دیا۔ اور بنی ہاشم کے تیوروں میں بے باک ہوکر بولیں۔ بھائی! تم میرا امتحان لیتے ہو۔ ہاشم کے گھر کی لڑکیاں کم ہمت اور ڈرپوک نہیں ہوئیں وہ اپنی آن اور حق کی حمایت میں جان دے دینی کچھ بات نہیں جانتیں۔ اے بھائی جاہلیت کے زمانہ میں عرب کی عورتیں بچہ کی پیدایش کے وقت سب سے بڑی آرزو اُس بچہ کی نسبت یہ کرتی تھیں کہ یہ میدانوں میں تلوار چلانے والا۔ خون میں نہلانے اور نہانے والا ہو۔ پھر اسلام نے اس جنگی خیال کو شہادت کے درجات بیان کرکے اور بھی مستحکم کردیا۔ تو کیا ہم میں عرب نسل اور مسلمان ہونے کے باوجود وہ حرارت نہیں کہ یا حسینؓ! میں علی کی بیٹی ہوں جو خون کے میدانوں میں بے پروائی سے گھوڑا دوڑاتا تھا۔ جو دشمن سے لڑتا نہیں تھا بلکہ شیر کیطرح اپنے پنجوں سے کھلاڑیاں کرتا تھا

وہ جو فقر فاقہ اور بھوک پیاس کو شرافت کا جوہر سمجھتا تھا۔ میں اپنے باپ کی اصل نسل لڑکی ہوں۔ مجکو عیب نہ لگا۔ میں تیرے سر کو خاک خون میں لتھڑا ہوا دیکھکر فخر کرونگی کہ ہم وہ لوگ ہیں کہ حق کی پاسداری میں کٹ کر مر جاتے ہیں۔ اگر تو نے یزید کی بیعت قبول کرلی تو ہمارے خاندان کے لیئے اس سے بڑھکر اور کوئی ننگ اور عار نہو گی کہ ایک فاسق فاجر کی بیعت زندگی کے لالچ سے منظور کرلی۔ میں جانتی ہوں کہ تو میری زندگی کا سہارا ہے۔ تیرے سوا دنیا میں میرا کوئی نہیں۔ اورایک نقطہ مجھپر کیا منحصر ہے۔ سوا بہکے خاندان میں ہر شخص تیرے وجود کو اپنا سہارا اور پناہ سمجھتا ہے۔ مگر غریب زینب کے لاچار بھائی حق بات کی حمایت میں جان دیدے۔ ہمارا کچھ فکر نہ کر۔ ہم تکلیف و مصیبت کو آسانی سے برداشت کرنے والے لوگ ہیں *

حضرت زینب کی تقریر ختم ہوچکی تو امام اپنی زوجہ حضرت شہربانو کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا۔ تم کہو تمہارا کیا خیال ہے۔ بانو نے شرم آلود ادب سے نظریں جھکا کر کہا۔ میں ہر حال میں تابع فرمان ہوں جو میرے مالک کی مرضی ہو اسکی تعمیل کروں گی۔ اگرچہ میں حضرت زینب کی طرح فخر تو نہیں کرسکتی مگر اتنا ضرور عرض کرونگی۔ کہ میری پیدائش ایران کے شہنشاہ کے گھر میں ہوئی تھی۔ اور اب بھی ایک شہنشاہ کے گھر میں ہوں۔ پس ایک حرارت والا اور ہمت والا دل میرے سینہ میں بھی حرکت زن ہے۔ نازک وقت میں میری بے صبری کا اندیشہ میری توہین و حقارت ہے۔ اے امام۔ ان سب بچوں کو جو میری گود کی زینت ہیں جنکو برسوں کی محنت سے پالا ہے۔ جنکے دیکھنے سے میری زندگی قائم ہے۔ میدان میں لیجایئے اور قربان کردیجئے۔ میں بھی قربان اور یہ بچے بھی۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ حق کی پاسداری ہماری پاسداری کے خیال سے چھوڑ دیں۔ چلیئے۔ تاجدار ایران کی لڑکی اپنے شریف خون کا وصف دکھلائے۔ میدان میں چلیئے۔ میں رکاب تھام کر چلونگی۔ اور تیر و سنان کے میدان میں آپکے قدموں پر جان دے دونگی *

حضرت امام رضہ عورتوں کی اِس دلیری سے بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا شاباش ایسا ہی خیال رکھنا۔

اِن تمام باتوں کے باوجود حضرت امام بشر تھے۔ جوان جوان بچوں کا سامنے کٹ جانا۔ ننھے ننھے بچوں کا بھوک پیاس سے بلکنا۔ اور اسپر یہ خیال کہ میرے بعد میرے ناموس کا کیا حال ہوگا۔ ایسا نہو کہ بنی ہاشم اور رسول ؐ کے گھر کی مستورات کے ساتھ دشمن ناروا بے عنوانی کریں۔ الغرض بال بچوں کی ہمراہی بھی ایک بڑا امتحان تھا جس نے حضرت کی شہادت میں خاص خصوصیت پیدا کردی تھی۔

(۳) بھوک پیاس میں بہت آدمی شہید ہوئے ہونگے مگر جو کیفیت حضرت امام اور آپکے خاندان کی تھی وہ کسیکو پیش نہیں آئی۔ پورے تین شب و روز بھوکا پیاسا رہنا گرمی کا موسم۔ عرب کی گرمی۔ چاروں طرف سے تکلیف کے اسباب گھیرے ہوئے تھے پھر اسپر طرہ یہ کہ بچوں کی زبانیں پیاس کے مارے نکلی پڑتی تھیں۔ اور حضرت امام آنکھوں سے یہ تماشا دیکھتے تھے۔

امریکہ کے ایک تشریح داں ڈاکٹر نے لکھا ہے کہ جب انسان ۲۰ گھنٹے پیاسا رہتا ہے تو اُسکے ہر رونگ میں ایسی تکلیف ہوتی ہے گویا ایک انچہ زخم پڑگیا ہے۔ بس حضرت امام اور آپکے فدائی ۷۲ گھنٹہ کامل پیاسے رہکر جب برچھی و تلوار کے زخم کھاتے ہونگے تو ظاہر ہے کہ کیسی تکلیف ہوتی ہوگی۔ ایسی دردناک تکالیف کو برداشت کرنا اور امر حق سے قدم نہ ہٹانا شہادت کی اعلیٰ خصوصیت ہے۔

(۴) سارا کنبہ آنکھوں کے سامنے کٹ گیا۔ سوائے ایک طفل بیمار کے کوئی باقی نہ رہا جس سے بقائے نسل کی امید ہو اسپر بھی قول کی حمایت کرنا اور مرنے کو تیار ہو جانا مخصوص شہادت کا ثبوت ہے۔

(۵) آخر وقت تک اپنے اشغال و قواعد کو جاری رکھنا اور مصیبت سے حواس باختہ

نہ ہونا بھی خصوصیات امام سے ہے۔ حد ہے کہ سر کٹتے کٹتے نماز پڑھی اور سجدہ ناغہ نہ کیا +

اس شہادت کے بعد

اکثر سادات و مشائخ اسی قصور پر شہید ہوئے جو حضرت امام کے ذمہ لگایا گیا تھا۔ یعنی جس طرح یزید بن معاویہ کو اندیشہ ہو گیا تھا کہ حضرت امام حسین کی زندگی میں اس کی بادشاہت پختگی سے نہیں جم سکتی۔ اسلیئے کسی بہانہ سے انکا قصہ پاک کر دینا چاہیئے ایسے ہی حضرت امام کے بعد متعدد اماموں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ سب ائمہ اطہار کو ہوس پرست نام کے مسلمان بادشاہوں نے شہید کیا۔ بعض سادات کو ایسی بے رحمی سے شہید کیا گیا کہ اگر انکی تفصیل کیجائے تو کلیجہ کانپ اُٹھے۔ سیدوں کے نازک جسم جو ریشمی کپڑوں کی طرح نرم اور خوبصورت تھے۔ اموی اور عباسی خلفا نے زندہ دیواروں میں چنوا دیئے۔ اور اُن غریبوں نے پھڑک پھڑک کر جان دی +

حضرت امام حسین اور اُنکی اولاد کے بعد پولیٹکل بدگمانی کی وبا ایسی پھیلی کہ جو شخص عبادت و یاد خدا کے سبب خلقت میں ذرا عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا اُس بیچارے پر آفت آجاتی۔ یا تو جلا وطن ہوتا اور یا کسی شرعی بہانہ کی آڑ میں قتل کر دیا جاتا۔ اسکی صدہا مثالیں تاریخ کے صفحوں پر موجود ہیں۔ جن میں سے چند اس شہید نمبر میں لکھی گئی ہیں باقی پھر کسی موقع پر بیان ہونگی +

حضرت شہاب الدین مقتول کو محض اُنکے کمالات و تسخیر خلائق کے سبب بیدردی سے مار ڈالا گیا۔ حضرت منصور کو خفیہ منصوبہ باز تصور کر کے دار پر کھینچدیا۔ سرمد کو دارا کا دردمند یقین کر کے اور اس اندیشہ سے کہ کہیں سرمد لوگوں کو انتقام کے لیئے کھڑا نہ کر دے بے سروپا الزام لگایا گیا اور بے گناہ قتل کیا گیا۔ سیدی مولہ کی ہر دلعزیزی و بزرگی و سخاوت جلال الدین خلجی جیسے نیک سلطان کو بھی کھٹکی۔ اور بیچارے درویش کو ہاتھی

کے پاؤں سے کچلوا دیا۔

اب آخر زمانہ میں ترکی سلطان کے پیر و مرشد سید ابو الہدیٰ رفاعی کو نوجوان ترکوں نے تاریک کوٹھری میں بند کر کے محض اس جھوٹے شبہ میں مار ڈالا کہ سید صاحب انکے پولیٹیکل منصوبوں میں حارج تھے۔

یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ ہم مسلمان بادشاہوں پر ظلم و سفاکی کا بیجا الزام لگاتا ہوں یا میرے دل میں اسلامی حکومت کی کوئی عظمت نہیں ہے۔ بلکہ مقصود بزرگان دین کی شہادت کا احوال لکھنا ہے اسکے ضمن میں لازمی طور پر قاتل و مقتول کے حق و باطل پر نظر جاتی ہے۔ اور ائمہ اطہار و مشائخ کبار بے گناہ و مظلوم معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سب قصور شخصی و خود مختارانہ حکومتوں کا تہا۔ جو قاعدہ اسلام کے برخلاف تہیں۔ اس لیئے ہر مسلمان خود ایسی حکومت ہی کو سرے سے ظلم و سفاکی کا مظہر خیال کرتا ہے۔ اسلام نے جمہوریت و مساوات کی حکومت قائم کر کے کامل حُریت انسانوں کو عطا فرمائی تھی۔ مگر لوگوں نے اپنے ذاتی فوائد کی خاطر اُصول اسلامی کو کچل ڈالا۔ اور شخصی بادشاہت قائم کر دی۔

شخصی حکومتوں میں ہمیشہ خود غرض لوگ بادشاہ کے گرد جمع رہتے ہیں اور بادشاہ اُنکے ہاتھ میں کٹ پُتلی ہوتا ہے۔ اور کٹ پتلی نہ بنے تو کیا کرے۔ اکیلا بشر تمام ملک کی خبر گیری و حفاظت میں مجبور محض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود مختار بادشاہ حاشیہ نشین لوگوں کے بہکانے سے خونریزیاں اور بے انصافیاں کیا کرتے ہیں۔ ہم کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ ان خود مختار بادشاہوں میں بعض ایسے دل و دماغ کے تھے کہ ہزاروں آدمیوں کی متفقہ رائے انکی رائے کے سامنے نکمی اور کمزور ثابت ہوتی تھی۔ لیکن ایک آدمی پھر ایک ہی ہے ہمیشہ اسکی رائے پر بھروسہ نہیں ہو سکتا۔

جو بزرگان دین خود مختار بادشاہوں کی غلطیوں سے شہید ہوئے وہ سب بے گناہ و مظلوم تھے۔ اسکی نسبت ہم کچھ فیصلہ نہیں کر سکتے۔ مگر جن شہداء کا اس شہید نمبر میں ذکر ہے

وہ تو یقیناً ناکردہ گناہ شہید کیئے گئے ٭

غالباً یہ معلوم کرنا دلچسپی کا موجب ہوگا کہ بعض مشائخ کبار نے جب خود مختار بادشاہوں کی دست درازیاں دیکھیں اور انکو اپنی جان کا اندیشہ ہوا تو اُنہوں نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی جس سے وہ بادشاہ ہلاک و تباہ ہوگئے۔ مثلاً ہمارے سرتاج سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رضہ کی نسبت جب ناتجربہ کار سلطان قطب الدین خلجی کو مشورہ دیا گیا کہ حضرت سلطان المشائخ کا وجود پولیٹکل حیثیت سے تیری تاجداری کو نقصان پہنچائے گا تو اُسنے آپ کو آزار پہنچانا چاہا۔ اور قریب تھا کہ ایک چاندرات کو حضرت کا آفتاب حیات ابر شمشیر سے پوشیدہ کردیا جائے کہ آپنے شان قہاری کو ظاہر فرمایا۔ اور گرج کر یہ شعر پڑھنا شروع کیا ؎

اے روبہک چرا نہ نشستی بجائے خویش باشیر پنجہ کردی و دیدی سزائے خویش

یعنی او لومڑی اپنی جگہ کیوں نہ بیٹھی رہی۔ شیر سے پنجہ کیا اپنی سزا دیکھی!۔ آپ کا یہ شعر پڑھنا تھا کہ بادشاہ کے ایک منظورِ نظر غلام نے بادشاہ کا سر کاٹ ڈالا۔ اور اس طرح وہ آہنی پنجہ جو حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی رح کی اذیت کے لیئے بڑھایا گیا تھا غیب کے فولادی پنجہ سے آن کی آن میں شکست کھا گیا ٭

اب کے زمانہ کے مورخ اس واقعہ پر طرح طرح کے حاشیئے چڑھاتے ہیں مگر ہمارا تو ایمان یہ ہے کہ خود مختار سلطان کو اور تمام دنیا کو یہ دکھانیکے واسطے کہ کوئی دوسری با اختیار طاقت بھی موجود ہے۔ جو سب طاقتوں و حکومتوں کی نگراں ہے۔ اور زبردست کو زیردست کردینا اسکو کچھ مشکل نہیں۔ یہ واقعہ ظاہر ہوا اور حضرت محبوب الٰہی رضہ کو ظالم کے شر سے بچا یا گیا ٭

درویشی شہادت نامہ کی تمہید ختم کرنیسے پہلے میں چند سطریں اور لکھنی چاہتا ہوں۔ اسکے بعد شہید مشائخ کے تذکرے شروع ہوں گے ٭

ناظرین! خود مختار بادشاہوں کی حرکات پر اگر انصاف کی نظر ڈالیں گے تو انکو لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسوقت انسان انسان نہ تھا۔ بلکہ گھاس پھوس کیطرح پامال زندگی بسر کرتا تھا۔ جسکو ہر وقت جان و آبرو کا خوف دامنگیر تھا۔ آزادی جو ہر آدمی کی فطرت میں رکھی گئی ہے ہمیشہ دل کے قیدخانہ میں بند رہتی تھی۔ زبان پر اور قلم پر مُہر لگی ہوئی تھی کہ آزادی نکل نہ آئے۔ اسمیں مذہب کو کچھ دخل نہ دینا چاہیئے۔ کیونکہ خود مختاری ہر ملک ہر مذہب ہر قوم میں یکساں ضرر پہنچاتی تھی۔ اسلیئے میا روئے سخن مسلمان بادشاہوں سے نہیں ہے +

اُس زمانہ میں زیادہ دولتمند ہونا۔ زیادہ بارسوخ ہونا۔ زیادہ خداپرست ہونا قابل دار جرم تھا۔ کیونکہ ایسی قسم کے آدمی بغاوت کا جھنڈا بلند کیا کرتے تھے۔ مگر آج خدا کے فضل سے جمہوریت و مساوات کا دَور ہے۔ آزادی خوش و خرم ہر گھر میں چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ زیادہ دولتمندی زیادہ عزت کی علامت ہے۔ زیادہ بارسوخ ہونا بادشاہ کی نظر میں ممتاز بناتا ہے۔ عبادت و خداپرستی کی روک ٹوک نہیں۔ بلکہ آزادی اتنی بڑھی ہے کہ شیطان پرستی سے بھی کوئی نہیں روکتا۔

جسطرح ہم دیکھتے ہیں کہ خدا آسمان سے مینہ برساتا ہے تاکہ زمین میں سبزی و غلہ پیدا ہو۔ ہوا چلاتا ہے تاکہ ہم اُسکے سہارے سے زندہ رہیں یا اُسنے چاند سورج پانی بجلی وغیرہ چیزیں انسان کے عام فائدہ کے لیئے پیدا کی ہیں۔ اور اُنکو دیکھکر ہم اپنے محسن اور رحیم خدا کا شکر و حمد بجالاتے ہیں۔ اسیطرح ہمکو اُسکا شکر بھی ادا کرنا چاہیئے کہ اُس نے آزادی کی حکومت عطا فرمائی۔ جسکے سایہ میں ہم نہایت بےفکری اور امن سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور جسطرح چاہیں اور جسقدر چاہیں خدا کی عبادت کرسکتے ہیں۔ کوئی مخل اور حارج نہیں۔ اب ہماری مذہبی برتری یا تقدس کی عالمگیری سے کسیکو بدگمانی نہیں ہوتی

اسلیئے

اے حجروں اور گوشوں میں رہنے والے بزرگو! باہر نکلو۔ اور آزادی سے حق کے نعرے لگاؤ۔ اب منصور و سرمد کیطرح تم کو کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھیگا یہ توپ خانے۔ یہ فوجیں۔ یہ رسالے بے سنگینیں۔ یہ چھاونیاں سب تمہاری ہیں اور تمہارے ہی امن و سکون کی خاطر پرے جمائے کھڑی ہیں۔ شکر کرو۔ کسکا۔ آدمی کا نہیں۔ خدا کا۔ جس نے اپنی رحمت سے یہ آزاد حکومت عطا فرمائی +

انگریز و ترک۔ افغان و ایران۔ ہند و جاپان۔ سب الفاظ ہیں جن کو دیکھنا تمہاری شان سے بعید ہی۔ تم تو حقیقت و معانی کو دیکھنے والے ہو۔ یہ اشکال و صور تو تمہارے عقیدہ میں نابود و بے حقیقت ہیں +

پس یہ مت سمجھو کہ حکومت عیسائیوں کی ہی۔ یا موسائیوں کی۔ انگریزوں کی ہی یا افغانوں کی۔ کالوں کی ہی یا گوروں کی۔ بلکہ طریق حکومت کو دیکھو۔ اِسکے اثر و کیفیت کو مشاہدہ کرو کہ اِسمیں کسقدر راحت۔ آسایش۔ سکون و خاموشی ہی۔ خدا تعالی اِس آزادی کو برقرار رکھے۔ اور ہمکو دوسرا درویشی شہادت نامہ لکھنے کے وقت موجودہ وقت میں کوئی ظاہری واقعہ نہ ملے۔ اور مجبور ہوکر باطنی شہادت کی طرف رجوع کریں جو شہادت اکبر ہی۔ اور جس کا حاصل کرنا ہر صوفی کا مقصود حقیقی ہے ۰

حسن نظامی

مخمسہ

یا علی آپ کے کرم کی ہی دھوم — بھیجا شربت برائے قاتل شوم
اِس عنایت سے ہو گیا معلوم — دوستاں را کجا کنی محروم
توکہ با دشمناں نظر داری

ادیب را

حضرت اویس قرنی شہید

جس طرح حضرت اویس قرنی طبقۂ مشائخ وگروہ محدثین میں شہرۂ آفاق ہیں جنکی مقبولیت کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور پیش خبری تصدیق فرمایا تھا ویسے ہی انکی شہادت سب سے مقدم اور فائق ہے۔ یعنی درویشوں میں سب سے پہلے حضرت اویس قرنی نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اور باوجود گوشہ نشینی وترک کامل امر حق کی حمایت کے لیئے تلوار باندھ کر میدان میں نکلے اور حقدار پر قربان ہو گئے۔

ہم اپنے بزرگ اور کرم فرما حضرت مولانا قاری حاجی شاہ محمد سلیمان صاحب چشتی قادری پھلواروی کے دلی شکرگزار ہیں کہ انہوں نے باوجود بے فرصتی کے حضرت اویس قرنی کا تذکرہ مرتب فرمادیا۔ شاہ صاحب اقلیم طریقت کے اسم بامسمے سلیمان ہیں۔ اور انکو درویشوں کے احوال پر ایسا وسیع عبور حاصل ہی کہ اگر چاہیں تو ایک ضخیم کتاب شہید مشائخ کے حالات سے مرتب فرماویں۔ مگر سارا زمانہ جانتا ہی کہ مسلمانان ہند کے عقائد میں شاہ صاحب ایسے انار ہیں جنکی ہر فرقہ اور ہر جماعت کے سیکڑوں بیماروں کو ضرورت رہتی ہی۔ اسلیئے کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جس میں مختلف اطراف ہند سے انکی تشریف آوری کی التجائیں نہ آتی ہوں۔ شاہ صاحب نے بھی اپنے آپ کو قربان کردیا ہی اور سب بیماروں کی تیمارداری میں حصہ لیتے ہیں۔ لہذا نظام المشائخ کو بھی حصہ رسد تبرک عطا ہوا ہے جو ہر طرح قابل شکر گزاری ہے +

ہمارے صوفیہ کرام میں اس نام نامی واسم گرامی کی اسقدر شہرت ہی کہ ہر چھوٹے

بڑے اس سے آشنا ہیں۔ ایک خاص سلسلہ ابد الآباد تک انہیں کی عاشقانہ روش سے پیدا ہوا۔ یہ اویس بن عامر بن جز بن مالک بن عمرو بن مسعدہ بن عمرو بن سعد بن عصوان بن قرن بن رومان بن ناجیہ بن مراد المرادی القرنی۔ یہ حضرت نواح یمن میں پیدا ہوئے۔ وہیں انکو نشو و نما ہوا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و فیض و برکت کا غلغلہ بلند ہوا۔ غائبانہ ہی انکو تصدیق قلبی حاصل ہوئی نہ فقط تصدیق بلکہ اسکے ساتھ ہی ساتھ تعشق کا اعلےٰ درجہ حاصل ہوا۔ حضورؐ کے احوال کے جویاں رہتے۔ اور اُنکے افعال و عادات میں آپ کو فنا کرتے مگر اتفاقات زمانہ سے اسے تعبیر کیجیے یا غور و استیلاء حضرت عشق کہیئے کہ یہ حضرت اویس حاضر خدمت اقدس نہوئے۔ ہاں باطن میں وصال ظاہر میں فراق جلال و جمال دونوں کا مزہ چکھتے تھے ؎

گہ بلطفم مے نوازد گہ بنازم میکشد زندہ میسازد مرا آں شوخ بازم میکشد

اور جذباتِ عشقیہ کی یہ تاثیر تھی کہ حضور نے فرمایا کہ میں یمن کیطرف سے بوئے محبت پاتا ہوں۔ پھر حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ کو حضرتؐ نے آپ کی نسبت بشارت دی اور اُنسے ملنے کو کہا۔ اور انکو خیر التابعین کے لقب سے مشرف فرمایا یعنی میرے بعد آنیوالوں میں سب سے بہتر اویس قرنی ہے۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ نے بموجب ارشاد نبوی اُنکو خرقہ بھی پہنایا۔ اور اس حدیث کو تو عامہ محدثین نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یاتی علیك اویس کان به مرض فبرء منه الا موضع درهم له والدة هو بها بر لو اقسم علی الله لابره فان استطعت ان یستغفرلك فافعل یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسے عمر یمن کی جماعت میں ایک شخص آئیگا جسکا نام اویس ہوگا۔ اسے برص کا عارضہ تھا مگر بالکل اب صحیح

ہوگا۔ فقط قدر درہم اسکا نشان ہوگا۔ اُسکی ایک ماں بھی ہی جسکی وہ بہت ہی خدمت کرتاہے۔ اِس اویس رض کی یہ شان ہوکہ اگر اللہ تعالی کو قسم دیدے کسی کام کے لیئے تو وہ ضرور انجام پاجائے۔ اور اپنی قسم میں وہ سچا ثابت ہو۔ اے عمر اگر تمہیں ایسا موقع ملے کہ اُس سے اپنے لیئے دعائے مغفرت چاہو تو ضرور ایساکرنا + اس حدیث کو بیہقی وابونعیم وغیرہ نے روایت کیا ہی۔ اور اصابہ واسدالغابہ واستعاب وغیرہم میں مطول ومختصر طورسے منقول ہی۔ اِس حدیث سے حضرت اویس قرنی کی عظمت و جلالت کا اندازہ کرنا چاہیئے کہ حضرت عمر رض کو اُنسے طلب دعا کے لیئے فرمایا گیا۔
حقیقت میں عشق نے اِنکو کہاں سے کہاں پہنچایا تھا ؎

نہ ہم زمیں کے تلے ہیں نہ آسماں کے تلے کمال عشق نے پہنچایا لامکاں کے تلے

یہ حضرت اویس اجلہ صحابہ سے مشرف ہوکر کوفہ یا اُسکے نواح میں مسکن گزیں ہوئے اور گوشۂ طاعت میں اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ جب حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب کی خلافت کا زمانہ آیا یہ بیعت سے مشرف ہوئے۔ پھر جب شام کی فوج نے حضرت علی رض کی جماعت کیطرف دست درازی شروع کی۔ اویس رض نے اِسوقت گوشہ گزینی کو خیرباد کہا اور حضرت امیرالمومنین کی اطاعت اور اِن مسلمانوں کی حمایت کو جنکو وہ برسرحق سمجھتے تھے اپنے اوپر واجب سمجھا۔ اِس لیئے کہ بقول سعدی

عبادت بہ ازخدمتِ خلق نیست بہ تسبیح وسجّادہ ودلق نیست

اور صفین کی جنگ میں جماعت مرتضوی میں داخل ہوئے اور میدان کارزار میں قدم رکھا۔ اور فطرتی عشق اور جبلی شوق نے شہادت کا بھی انکو مشتاق بنا رکھا تھا اور عاشقوں کے پاس بجز درد وغم اور کیا سامان ہوتا ہی۔ اسلیئے اس معرکہ میں حضرت اویس کے پاس گھوڑا بھی نہ تھا۔ اور افواج پیادگان میں یہ شامل تھے۔ مگر عظمت و جلالت کا یہ طور تھا کہ مخالفین بھی جب انکو دیکھتے پکار اُٹھتے کہ ہاں ہاں یہ اویس ہی

کہ جس کی خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی اور یہ خیر التابعین ہیں پھر ایک دن حضرت امیر المومنین نے فرمایا - آج مرنے پر کون میری بیعت کرتا ہے - ننانوے آدمی شوق میں دوڑے - راوی کہتا ہے کہ آخر میں ایک شخص آیا - جو محلوق الراس تھا - اور صوف کے کپڑے پہنے ہوئے تھا - اُسنے ہی فی الفور بیعت کی - اور میدان کارزار کیطرف بڑھا - تو کوئی پکارا کہ یہ حضرت اویس قرنی ہیں - پھر اُسی میدان میں خنجر و نیزہ کے صدمے اُٹھاکر اعلیٰ علیین کو سدھارے اور سر دفتر عاشقین شہدا ہوئے ٭

صوفیہ اپنے روحانی ادراکات اور قلبی جذبات کے وسیلہ سے اکثر ایسے بزرگوں سے مستفیض ہوتے ہیں جنسے اُنکو لقاء صوری نہیں مگر ارشاد و تکمیل اُن کے سب انہیں بزرگ سے ہوتے ہیں - اسی سلسلہ کو اویسیہ کہتے ہیں یعنی جس طرح حضرت اویس نے حضرت سے لقاء صوری نہیں حاصل کی مگر لقاء معنوی کے فیوض سے مالا مال ہوئے - اسیطرح فیضان یہاں بھی ہے تو گویا سب اویسیوں کے خاص ہقتدا حضرت اویس ہوئے - اس لیے پاک روحانیت کے ماننے والے تمام صوفیہ صافیہ حضرت اویس کو ایک خاص عقیدت سے دیکھتے ہیں جو ظاہر بینوں کو نصیب نہیں - اور اس مقدس جماعت میں جو بزرگ رسول نمائی کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں وہ خاصکر اویسی کہلاتے ہیں - جیسے حضرت سید حسن رسول نما دہلوی قدس سرہ جنکے در روضہ پر یہ شعر کندہ ہے ؎

حسن رسول نما افتخار آل حسینؑ   اویس قرنی ثانی و ثالث حسنینؑ

اور میرے خاندان پھلواری کے مورث حضرت مولنا محمد وارث رسول نما بنارسی یہ بھی اویسی محمدی ہیں اور ہندوستان کے سلاسل جاریہ میں خاصکر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں نسبت اویسیہ متعدد طرق سے بہت ہی غالب ہے کثر اللہ امثالہم فینا -

منصور الشہید

حضرت حسین بن منصور حلاج کی شہادت کا قصہ لکھنے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہو کہ آپ کا فسانہ اسقدر پیچیدہ اور پُر اسرار ہے کہ اس مختصر بیان میں سماتا معلوم نہیں ہوتا۔ اگرچہ ہم نے کسی گزشتہ موقع پر وعدہ کیا تھا کہ منصور کی حقیقت پر توضیح و تشریح سے بحث کرینگے۔ مگر اسوقت اسکا موقع نہ ملا کہ ہم اپنا وعدہ پورا کرتے کیونکہ شہید نمبر میں اس قسم کے علمی مباحث سے دوسرے شہادت ناموں کو جگہ ملنی دشوار ہوجاے گی۔ خدا کو منظور ہی تو آیندہ اس معاملہ کو روشنی میں لایا جائے گا۔ بالفعل اختصار کو مدنظر رکھا جاتا ہی۔

شور منصور از کجا و دار منصور از کجا
خود زدی بانگ انا الحق بر سر دار آمدی

یہ کچھ ایران وعربستان ہی میں نہیں بلکہ اکثر ملکوں کا قاعدہ ہو کہ بیٹے کے نام کے ساتھ باپ کا نام بھی ضرور لیا جاتا ہی۔ لیکن ہاں ان حضرت "حسین بن منصور" میں یہ ایک خاص اور دلچسپ بات تھی کہ انھوں نے اپنے نام کو اپنے باپ کے نام میں فنا کردیا۔ اور منصور ہی منصور رہگئے۔ نہ حسین نہ حسین بن منصور۔ صرف منصور۔ یہ فنائیت کی پہلی منزل تھی جو قدرت نے خود بخود اس مقبول بارگاہ سے طے کروائی۔ وہ منصور جن کے یہ منصور ایک جزو تھے (یعنی ہمارے منصور کے والد) ایک نومسلم شخص تھے جو ایران کے ایک گاؤں بیضا نامی میں رہتے تھے۔ وہیں اسی گاؤں میں یہ حضرت پیدا ہوئے۔ لیکن شاید ان کی پیدایش کے بعد ان کے والدین کا زیادہ دن وہاں رہنا نہیں ہوا کیونکہ علامہ ابن خلکان کا بیان ہو کہ انھوں نے ہوش عراق میں سنبھالا

اس کے بعد انکی تعلیم و تربیت شروع ہوئی - اس نے ان سے عراق بھی چھڑوایا اور یہ شہر شوستر میں آکر سہیل بن عبداللہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے شاگرد ہوئے - اٹھارہ برس کی عمر تک انکی خدمت میں رہے - اور علوم ظاہری کی تحصیل کرکراکے عراق عرب کی طرف چلے گئے - وہاں اس زمانہ میں تصوف نے اپنا نیا نیا رنگ دکھانا شروع کیا تھا - اور اس فلسفۂ الٰہیہ نے فلسفۂ مشائیہ کو بالکل بے حقیقت کر دیا تھا - بڑے بڑے عالم اسے چھوڑ چھوڑ کر اسکے والہ و شیدا بن رہے تھے یہ منصور بھی آئے اور اسی کے گرویدہ ہو گئے - اور

صوفیوں کی صحبت

اختیار کی - ابو الحسین نوری رح جنید بغدادی رح جیسے خدا رسیدہ اور با اثر بزرگوں میں ملنے بیٹھنے کا چسکہ پڑ گیا - بصرے گئے اور عمر بن عثمان کی رح کیخدمت میں رہنے لگے یہاں سے

دوسرا رنگ

چڑھنا شروع ہوا - عمر بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے زبردست پایہ کے بزرگ تھے - اُنھوں نے علم تصوف میں کئی معرکۃ الآرا کتابیں لکھیں تھیں لیکن وہ ان کتابوں کو اپنے سے جدا نہونے دیتے تھے - اور نہ ہر کس و ناکس کو اُنہیں دکھاتے تھے - ان حضرت کے کہیں وہ ہاتھ لگ گئیں اوّل تو آپنے اُنہیں پڑھا - اور پھر کچھ ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ جن باتوں کو تمام صوفی عوام کے آگے کہنا خلافِ مصلحت سمجھتے تھے یہ اُنہیں سر بازار کھڑے ہو ہوکر لوگوں کو سُنانے لگے - ظاہر بین اور اسرار باطنی سے بیخبر لوگ بھلا ان باتوں کو کیا سمجھ سکتے تھے - اور کب انکی تاب لا سکتے تھے وہ ان کے دشمن ہو گئے - اور جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ سب حضرت عمر بن عثمان رح کی تعلیم کا نتیجہ ہے تو انہیں انسے بھی نفرت ہو گئی - اور چاروں طرف سے

اُن کی مخالفت ہونے لگی۔ حضرت عمر بن عثمان رح کو منصور کی یہ حرکت سخت ناگوار گزری اور وہ اُن سے ایسے کبیدہ خاطر اور بیزار ہوئے کہ اُنہیں اپنے سے علیحدہ کر دیا اور یہ اُن کے فیضِ صحبت سے محروم ہو گئے۔ یہاں تک کہ بصرہ چھوڑ کر پھر بغداد پہنچے اور دوبارہ حضرت جنید رح کی صحبت میں شریک ہو گئے۔ یہاں آکر بھی وہی باتیں شروع کیں۔ ایک دن حضرت جنید رح سے کچھ سوال پوچھے۔ آپ نے اُن کے جواب میں فرمایا کہ وہ دن بہت قریب ہے کہ ایک لکڑی کا سرا تیرے خون سے لال ہو گا۔ منصور کو بھی اس پر جوش آگیا۔ حضرت جنید سے کہا ہاں۔ بیشک۔ میرے خون سے تو لکڑی رنگین ہو گی۔ لیکن آپ کو بھی اس سے پہلے لباس تبدیل کرنا پڑے گا (چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دونوں کے قول پورے ہوئے جسکی کیفیت آگے آئے گی) مختصر یہ کہ اس سوال وجواب کے بعد آپ نے بغداد کو بھی خیرباد کہا اور شوستر جا پہنچے۔ وہاں طبیعت میں کچھ ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ وہ تمام باتیں جاتی رہیں۔ اور محض عالمانہ شان سے زندگی بسر کرنی شروع کی۔ لوگوں پر بڑا اثر جم گیا۔ سب محبت اور عزت کرنے لگے لیکن اس حالت میں تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ پھر جوش پیدا ہوا اور سب چھوڑ چھاڑ سیاحی کرنے لگے۔ دور دور گئے۔ اور سفر میں بھی تحریر و تقریر۔ پند و نصائح سے خلق اللہ کو فائدہ ہی پہنچاتے رہے۔ جہاں گئے۔ لوگوں کو نیک راہ بتائی آخر خراسان۔ ماوراالنہر۔ سیستان۔ فارس۔ کرمان۔ بصرہ وغیرہ دیکھتے دکھاتے مکہ معظمہ پہنچے۔ اس سفر میں اُن کے ساتھ چار سو صرف مشائخ تھے۔ دیگر معتقدین کی تو کیا گنتی ہو سکتی ہے۔ لیکن جب آپ حج سے فارغ ہوئے تو ان سب کو رخصت کر دیا۔ اور خود وہیں ٹھیر گئے اور سخت

ریاضتیں

کرنی شروع کیں۔ حضرت منصور ہمیشہ سے بڑے عابد۔ زاہد شخص تھے۔ ایک معمولی

اُن کی یہ تھی کہ دن رات میں چار سو رکعتیں نماز کی پڑھتے تھے۔ لیکن یہاں رہکر جیسی جیسی سختیاں انہوں نے جھیلیں اور محنتیں گوارا کیں اُنکو سُن سنکر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ پورے ایک سال تک ننگے پنڈے کعبہ کے سامنے کھڑے رہے کپکپاتے ہوئے جاڑے۔ اور عرب کی پگھلا دینے والی دُھوپیں سر پر لیں۔ یہاں تک کہ کھال چٹخنے لگی اور چربی پگھل پگھل کر بہنے لگی۔ ۲۴ گھنٹے کے عرصہ میں صرف ایک روٹی کھانیکو اُنہیں غیب سے ملجاتی تھی۔ اس سے وہ اپنا دن رات کا روزہ افطار کرتے تھے۔ جب سال تمام ہوا تو دوسرا حج کیا اور پھر سیر و سیاحت کو چل دیئے۔ اب کے ہندوستان اور چین تک آئے۔ اور چین میں بہت کچھ تبلیغ اسلام کرتے رہے چین سے پھر بغداد۔ بصرے ہوتے ہوئے مکے پہنچے۔ اور پورے دو سال قیام کیا۔ بس اب کے وہ

رنگ پختہ ہوگیا

جسمیں عرصہ سے غوطے لگا رہے تھے۔ ایک استغراق اور محویت کی کیفیت طاری ہوگئی مست و از خود رفتہ رہنے لگے۔ عوام تو عوام اس عالم کی باتیں اُنکی خواص کی سمجھ میں بھی نہ آتی تہیں۔ سب نفرت کرنے لگے۔ بدھر جاتے اُدھر سے دور دور کی آوازیں آتیں لکھا ہے کہ اس حال میں پچاس شہروں میں گئے۔ اور کسی شہر میں رہنا نہ ملا۔ سب جگہ سے نکالے گئے۔ آخر پھر بغداد آئے اور وہیں مقام کر دیا۔

حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ سے جاکر ملے اور کہا کہ ایک بڑی مہم درپیش ہے۔ میری نظر سے کل موجودات غائب ہے۔ خود میں ایک بے تھاہ سمندر میں بھٹکتا پھر رہا ہوں **حق** یکتائی کا اظہار کرتا ہے۔ اور منصور کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔"

حضرت شبلی رح نے سمجھایا اور نصیحت کی کہ دوست کے راز کو چھپانا چاہیئے۔ آپ پر اس بات کا بہت اثر ہوا اور بڑی کوشش سے اسرار کو چھپانے لگے۔ لیکن یہ کہاں ممکن تھا۔ بہت ضبط کیا۔ مگر اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دم

انا الحق کا نعرہ

شروع ہوگیا۔ جسنے عوام اور خواص سب کو حیرت میں ڈالدیا۔ علمانے سمجھانا شروع کیا کہ یہ کفر کے کلمے ہیں۔ صوفیہ نے بھی انکی ہمنوائی کی۔ لیکن وہ جوشِ وحدت میں اپنے آپے سے نکل چکے تھے۔ سوائے حق کے انہیں کچھ سجھائی ہی نہ دیتا تھا۔ یہ باتیں مطلق کارگر نہ ہوئیں بلکہ روز بروز کیفیت بڑھتی گئی۔ ایک دن یہ قطعہ کہا ؎

إِنَّ مَنْ أَهْوَى وَمَنْ أَهْوَى أَنَا ۔۔۔ نَحْنُ رُوحَيْنِ حَلَلْنَا بَدَنَا

فَإِذَا أَبْصَرْتَنِي أَبْصَرْتَهُ ۔۔۔ وَإِذَا أَبْصَرْتَهُ أَبْصَرْتَنَا

(ترجمہ) میں وہی ہوں جسے میں چاہتا ہوں۔ اور جسکو میں چاہتا ہوں وہ میں ہی ہوں ہم دونوں دو روحیں ہیں جنہوں نے ایک قالب میں حلول کیا ہے۔ اسی لیئے جب وہ مجھے دیکھتا ہے میں اُسے دیکھتا ہوں اور جب میں اُسے دیکھتا ہوں وہ مجھے دیکھتا ہے" اب لوگ اور برہم ہوئے۔ اور علمائے ظاہر سے جا جاکر شکایت کرنے لگے کہ انہیں کیوں سزا نہیں دیجاتی۔ علمائے نے صوفیہ سے صلاح و مشورے کرنے شروع کیئے اور آخر

فتوائے کفر

منصور پر لگ گیا۔ صوفیہ سب رمزوں کو سمجھتے تھے۔ اور حالِ منصور سے خوب واقف تھے۔ لیکن شریعت کو بھی نہ چھوڑ سکتے تھے۔ وہ خاموش رہے۔ انہوں نے نہ اِدھر کی کہی نہ اُدھر کی۔ لوگوں نے انکی خاموشی کو نیم رضا پر محمول کرکے منصور کو پکا کافر سمجھ لیا لیکن منصور کافر بننے سے کیا ڈرتے تھے۔ اُن کا قول تھا۔ "اُے متحیّروں کے رہنما! اگر میں کافر ہوں تو میرے کفر کو بڑھا" انہوں نے اِن فتوں کی کچھ پروا نہ کی۔ اور پروا کیا کرتے۔ انہیں خبر ہی نہ تھی کہ کیا ہو رہا ہے۔ اسیطرح حق حق حق انا الحق کہتے رہے۔ یہاں تک کہ کفر کے فتوے سے قید اور قید سے

فتوائے قتل

کی نوبت آگئی ؎

زاہد گمراہ کہے میں کس طرح ہمراہ ہوں　　وہ کہے اللہ ہو اور میں کہوں اللہ ہوں

مخالفین نے کوشش کرنی شروع کی کہ کسی طرح منصور دار پر کھنچ جائیں۔ علامہ ابو العباس جو ایک بڑے زبردست فاضل گزرے ہیں۔ اُس زمانے میں مفتی تھے۔ ان سے جا کر پوچھا کہ آپ منصور کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ اُنہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور بالکل خاموش رہے۔ اصرار کیا گیا تو یہ کہا کہ اس شخص کا حال مجھ سے پوشیدہ ہے۔ میں اس کی نسبت کچھ رائے نہیں لگا سکتا۔ جب یہاں سے مایوسی ہوئی تو خلیفہ مقتدر باللہ کے وزیر حامد بن عباس سے براہ راست جا کر کہا۔ اور مذہب کے ساتھ پولیٹیکل (ملکی) رنگ بھی دیدیا۔ کہا کہ یہ شخص اپنے تئیں زمین کا مالک بتاتا ہے۔ اور بہت سے لوگ اس کے ساتھ ہو گئے ہیں جس سے سلطنت کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اس دعوے کے ثبوت میں کچھ جھوٹے سچے گواہ بھی پیش کر دیئے۔ اور وزیر کو ایسا بھرا کہ وہ بھی منصور کے درپے ہو گیا۔ اور علماء سے اُنکے قتل کے فتوے طلب کرنے لگا۔ اوّل اوّل تو بات کچھ ٹلتی نظر آئی۔ اور علماء یکایک قتل کا فتوے دینے پر تیار نہ ہوئے۔ لیکن مخالفت کی آگ بُری ہوتی ہے۔ جنہوں نے منصور کا پیچھا پکڑ لیا تھا۔ وہ فکر میں رہے۔ اور ڈھونڈ بھال کرکے آخر منصور کی ایک ایسی تصنیف نکال لائے جسمیں کچھ باتیں خلاف شریعت لکھی تھیں۔ کیونکہ علماء نے کہا تھا کہ جب تک منصور کی کوئی تحریر خلاف شریعت نہیں دکھاؤ گے۔ اِنکے قتل کا فتوےٰ نہیں دیا جائے گا۔ اب حامد وزیر نے علماء کو جمع کرکے وہ کتاب اُن کے سامنے پیش کی۔ اور منصور سے بلوا کر پوچھا کہ یہ عبارت خلاف شریعت تم نے کیوں لکھی ہے؟ منصور نے جواب دیا کہ یہ عبارت میری اپنی نہیں ہے میں نے اسے فلاں کتاب سے نقل کیا ہے۔ اِس پر کہیں قاضی ابو عمر کی کی زبان سے نکل گیا کہ "او گشتنی! میں نے تو وہ کتاب اوّل سے آخر تک پڑھی ہے۔ میں نے اسمیں

یہ عبارت نہیں دیکھی"۔ بس کافی بہانہ ملگیا۔ وزیر نے فوراً کہا کہ فتوے قتل ہوگیا۔ قاضی صاحب نے منصور کو کُشتنی کہدیا۔ اب قاضی صاحب! آپ فتوے لکھدیجے کہ منصور کا خون مباح ہے۔ قاضی صاحب نے بہتیرا چاہا کہ بات ٹل جائے مگر وزیر منصور کے خون کا پیاسا ہوگیا تھا۔ اِسلیئے اُنہیں مجبور کیا۔ اور قاضی صاحب نے اسکی ناراضگی کا خیال کرکے فتوے لکھدیا۔ جسپر تمام حاضر علماء نے دستخط کردیئے۔ وزیر نے فوراً منصور کو تو قید خانے بھیجدیا۔ اور قتل کی اجازت کیلئے کل روئداد خلیفہ کے سامنے پیش کردی۔

لیکن خلیفہ نے کہا کہ شیخ جنید رح (بغدادی) جب تک منصور کو واجب القتل نہ لکھ دیں گے۔ میں کوئی حکم صادر نہیں کروں گا۔ وزیر نے حضرت جنید رح سے عرض کیا۔ اول اول تو اُنہوں نے بھی اِس معاملہ میں پڑنا مناسب نہ جانا۔ لیکن آخر کار اُنہوں نے بھی صوفیانہ لباس اتارکر عالمانہ لباس پہنا اور لکھدیا کہ "ظاہر کے لحاظ سے فتوے قتل دیا جاتا ہے۔ لیکن باطن کا حال اللہ ہی خوب جانتا ہے"۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ منصور کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو اُنہوں نے اپنی اِس حالت کے شروع شروع میں کی تھی کہ میرے خون سے تو لکڑی لال ہوگی۔ مگر تم کو بھی اُسوقت لباس تبدیل کرنا پڑے گا۔ لیکن بعض کے نزدیک واقعہ کا واقعہ ہی غلط اور بے بنیاد ہے۔ جس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ حضرت جنید رح کا اِس سولی کے واقعہ سے پہلے انتقال ہوچکا تھا۔

بہرحال خلیفہ نے سال بھر تک حکم قتل کو معرض التوا میں ڈالے رکھا۔ اور یہ پورا سال منصور کو قید خانے میں کاٹنا پڑا ؎

وہ رند تھے کہ اُنہیں ہتکڑی سے بیعت تھی ملا تھا گیسوئے جاناں سے سلسلہ دل کا

اسیری کے زمانہ میں ایک دفعہ ابن عطار نے اُنہیں کسی کی زبانی کہلا بھیجا کہ بھائی! اپنے کہے کی معافی مانگ لو۔ رہا ہوجاؤ گے۔ آپنے جواب دیا کہ معافی مانگنے والا ہی موجود نہیں ہے جو معافی مانگے۔

قیدخانے میں اُنسے بہت سی کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ جن میں سے سب سے آخری کرامت یہ تھی کہ ایک دفعہ آپنے قیدخانہ میں جتنے قیدی تھے۔ سب کو آزاد کردیا۔ قیدخانے کی دیوار کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔ وہ شق ہوگئی۔ اور سب قیدی باہر چلے گئے۔ ایک قیدی نے عرض کیا کہ آپ اندر کیوں رُکے کھڑے ہیں۔ آپ بھی نکل آئیے۔ فرمایا تم خلیفہ کے قیدی ہو۔ اور ہم اللہ کے قیدی ہیں۔ تم آزاد ہوسکتے ہو۔ میں نہیں ہوسکتا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس واقعہ کی اطلاع پاکر خلیفہ نے آپ کی سولی کا حکم دیدیا۔

غرضیکہ کوئی بات ہوئی ہو۔ مختصر یہ ہے کہ پورے ایک برس تک قید رکھنے کے بعد بتاریخ ۲۴۔ ذیقعدہ ۳۰۹ھ منصور کو قتل گاہ میں لایا گیا۔ اور مخالفین کی تمنائیں پوری ہوئیں۔ لکھا ہے کہ جس دن انکو سولی دیگئی ہے بغداد میں اطراف وجوانب سے اتنی خلقت جمع ہوگئی تھی کہ قیاس سے اسکا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ وزیر نے جلاد کو حکم دیا تھا کہ پہلے آپکے ایک ہزار کوڑے مارے۔ اگر اس سے دم نکلجائے تو خیر ورنہ اور ہزار کوڑے لگا اور اگر اسپر بھی دم نہ نکلے تو پھر سولی دیدے۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ عاشق خدا نے پورے دو ہزار کوڑے کھائے اور اُف تک نہ کی۔ اور آخرکار گردن کٹواکر جان دے دی ؎

زاہد بخیال خویش مستم داند کافر بگماں خدا پرستم داند
مردم زغلط فہمیٔ مردم مردم اے کاش کسے ہرآنچہ ہستم داند

قتل کے حالات

یہ ہیں کہ جب اُنہیں مقتل کیطرف لیچلے تو نہایت وزنی وزنی ہتکڑیاں اُنہیں پہنادیں لیکن انپر ان ہتکڑیوں کا کچھ بوجھ نہ معلوم ہوتا تھا۔ بالکل آرام کے ساتھ چل رہے تھے جب قتلگاہ میں پہنچے تو خلقت پر نظر ڈالی اور نعرہ لگایا۔ حق حق حق انا الحق۔ اُسوقت

ایک فقیر آگے بڑھا اور اسنے آپ سے سوال کیا کہ **عشق** کسے کہتے ہیں۔جواب دیا کہ آج کل اور پرسوں میں دیکھ لوگے۔یعنی آج عاشق کو سولی دیجائے گی۔کل اسے جلایا جائےگا۔پرسوں اسکی خاک اُڑائی جائے گی۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔جب منصور کو سولی پر چڑھایا گیا تو اُنھوں نے اپنے ایک مرید کو یہ

نصیحت

کی کہ" اپنے نفس کو عبادت اور ریاضت کے بوجھ میں دبائے رکھ تاکہ بُرے کاموں کی طرف تیرا میلان نہو" بیٹے سے فرمایا کہ "حق کی یاد کے بغیر ایک سانس لینا دعویدار عبادت پر حرام ہے"۔

قتل کے بعد

بیان کیا گیا ہی کہ جب اُنکے جسم سے خون کے قطرے ٹپکتے تھے تو زمین پر ہر ہر قطرے سے **انا الحق** کا نقش بن جاتا تھا۔جب اُنکی خاک دریا میں ڈالی گئی تو پانی پر بھی وہی کیفیت ہوئی۔جلانیسے پہلے اُنکے ایک ایک رونگٹے سے انا الحق کی صدا آتی تھی۔جب خاک ہوگئے تو اُسمیں سے بھی وہی آواز آتی رہی۔دریا میں جب اُنکی خاک کو ڈالا گیا تو اُسمیں ایسا سخت طوفان آیا کہ شہر کے ڈوب جانے کا اندیشہ ہوگیا۔بڑی مشکل سے وہ طغیانی رفع ہوئی۔منصور کی نسبت

عوام و خواص کے خیالات

نہایت عجیب اور دلچسپ ہیں۔جنسے ظاہر ہوتا ہے کہ خواہ کوئی کیسے سے کیسا دنیا اور دنیا کے لوگوں سے بے تعلق شخص کیوں نہو دنیا والے اُسے بُرا بھلا کہے بغیر نہیں مانتے۔منصور کے زمانہ کے عوام نے تو خیر اُنہیں کافر مرتد۔مردود سب کچھ بنایا ہی تھا لیکن اسوقت کے بعض بعض مشائخ اور علمائے تصوف بھی اُنکے کمالات کے منکر تھے

تاہم بڑے بڑے کاملین اور صوفیائے عظام نے انکی تعریفیں کی ہیں۔ اور اُنہیں ایک نہایت مقدس بزرگ مانا ہے۔ حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "میں نے ایک دفعہ منصورؒ کو خواب میں دیکھا اور اُنسے پوچھا کہو اللہ پاک سے آپکی کیا گزری۔ جواب دیا کہ مجھے مقام صدق میں اُتارا۔ اور میری بڑی عزت و توقیر فرمائی۔ میں نے دریافت کیا کہ تمہارے موافق و مخالف گروہوں کی نسبت کیا رہا۔ کہا دونوں گروہوں پر رحمت نازل کی۔ کیونکہ دونوں معذور تھے۔ جس گروہ نے مجھے پہچان لیا تھا وہ میری موافقت پر مجبور تھا اور جس نے مجھے پہچانا نہیں تھا اُسکو شریعت کے موافق عملدرآمد کرنا لازمی تھا۔"

ایک اور بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ حشر برپا ہے اور منصور سر بغیر ایک ہاتھ میں جام لئے کھڑے ہیں۔ بزرگ نے پوچھا "یہ کیا حال ہے"۔ کہا سرکٹوں کو شراب وحدت کا جام پلا رہا ہوں"۔

شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ "منصور بڑے عالی مرتبہ بزرگ تھے۔ وہ اپنے زمانے میں فرد تھے"۔

خواجہ فرید الدین عطار رح فرماتے ہیں کہ "منصور بڑے پارسا اور متقی شخص تھے اُنکا سارا وقت عبادت و ریاضت ہی میں گزرتا تھا۔ پیروی سنت اور ادائے فرائض میں ہرگز غفلت نہ کرتے تھے۔ وادیٔ معرفت کے پورے سالک تھے۔ جذب اور ازخود رفتگی کی حالت میں اُنسے ایک بات خلاف طریقۂ صوفیہ نکل گئی۔ اس سے اُنپر کفر کبھی عائد نہیں ہو سکتا۔ جسکے دماغ میں تھوڑی سی بھی بوئے توحید پہنچ چکی ہو اُسے انکے حلولی ہونے کا خیال آ نہیں سکتا۔ جو اُنہیں بُرا کہتا ہے وہ اسرار توحید سے بالکل بیخبر ہے"۔

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی قدس سرہ العزیز کے سامنے خواجہ منصور کا ذکر آیا۔ آپ بہت دیر تک اُن کی بزرگی کی تعریف کرتے رہے۔ اور فرمانے لگے کہ جب منصور سولی کے پاس پہنچے۔ شیخ شبلی رح نے

اُن سے پوچھا کہ عشق میں صبر کیا ہے۔ منصور نے جواب دیا کہ محبوب کی خاطر ہاتھ اور پاؤں کٹوا دیوے اور سولی پر چڑھ جائے اور دم نہ مارے۔ یہ کہکر حضرت محبوب الٰہی چشم پُر آب ہو گئے۔ اور فرمایا کہ بڑے صادق عاشق تھے" •

اصل یہ ہے کہ منصور جو یہ تھوڑے بہت بدنام ہو گئے وہ کچھ تو مخالفت کی وجہ سے ہوئے اور کچھ اُنکے اپنے معتقدوں اور مریدوں نے بھی اُنپر دھبے لگوائے۔ اُن مریدوں نے اُنکے قتل کے بعد وضع وضع کے خیالات ظاہر کرنے شروع کیے اور مبالغہ کرنے میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ اسکے بعد اُنکے معتقدوں میں ایک گروہ پیدا ہو گیا جو زندیق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ گروہ اکثر باتیں خلافِ اسلام کرتا تھا حلول اور اتحاد کے متعلق اُس کے بڑے غلط خیالات تھے۔ حضرت منصور کی خواہ مخواہ تقلید کرتا تھا۔ اور مرنے اور جل جانے کو فخر سمجھتا تھا۔ لوگ ان باتوں کا بھی اُن کو ہی الزام دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ ان لوگوں میں سب منصور ہی کی تعلیم و تلقین کا اثر ہے۔ اب اسمضمون کو

منصور کے چند اقوال

پر ختم کیا جاتا ہے۔ منصور ایک بڑے فاضل شخص تھے۔ شریعت۔ طریقت۔ اسرار و معارف ان مضامین میں انہوں نے بڑی بڑی دقیق کتابیں لکھی ہیں۔ شاعر بھی اعلےٰ پایہ کے تھے نہایت فصیح۔ نہایت بلیغ۔ لیاقت و فراست اِن کے اقوال سے ظاہر ہوتی ہے فرماتے ہیں "ترکِ دنیا نفس کا زہد ہے اور ترکِ آخرت دل کا زہد ہے" • "خدا اور بندے کے درمیان صرف دو قدم کا فاصلہ ہے۔ ایک قدم دنیا سے اُٹھالو اور دوسرا عقبےٰ سے۔ اپنے مولیٰ کو پالو گے" • صوفی کی تعریف کرتے ہیں کہ " وہ واحد فی الذات ہوتا ہے نہ وہ کسی کو جانتا ہے اور نہ کوئی اور اسے پہچانتا ہے" • فرماتے ہیں " اہلِ بصیرت ایک ہی نظر میں مقصود کو پالیتے ہیں اور پھر اُنہیں کوئی کُدا نہیں رہتا" • " انبیاء علیہم السلام تو حال پر غالب ہوتے تھے۔ اسیواسطے حال اُنکی حالت کو بدل نہیں سکتا تھا۔ مگر انبیاء کے سوا سب پر حال کا غلبہ ہوتا ہے اور حال سے

[illegible] اور حقیقت حیات جان" • محمد ارتضیٰ [illegible]

حضرت کمیل بن زیاد النخعی الشہید

پاک تن پاک جان و پاک نہاد
سرورِ اولیا کمیلِ زیاد

آپ ایک نہایت جلیل القدر اور مشہور تابعی[۱] اور حضرت باب ولایت سر فتر اولیائے امت امیر المومنین یعسوب المتقین سیدنا و مولانا اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب سلام اللہ و رضوانہ علیہ کے شاگرد رشید و مرید خاص اور خلیفہ با اختصاص ہیں۔ صوفیائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے اجل خلفاء جنھوں نے آپ سے خرقہ خلافت پایا اور جن کے ذریعہ سے باطنی و روحانی فیض و ہدایت اور معرفت و طریقت کا سلسلہ جاری ہوا۔ چار بزرگوار ہیں۔ حضرت سیدنا امام حسنؑ، حضرت سیدنا امام حسینؑ، حضرت خواجہ حسن بصریؒ، اور چوتھے حضرت خواجہ کمیل بن زیاد (جن کا نام نامی میرے اس مضمون کا عنوان و موضوع ہے) یہی حضرات متاخرین صوفیہ کی اصطلاح میں "چار پیر" کہلاتے ہیں[۲]۔ علامہ سید مرتضیٰ زبیدی محدث شرح احیاء العلوم میں حضرت کمیل کی نسبت فرماتے ہیں کہ

کمیل بن زیاد النخعی من مشاهیر اصحاب علی رضی اللہ عنہ وکان من اعیان الزهاد - والمسادات الصوفیة سند فی لبس الخرقة الیه[۳] +

حضرت کمیل بن زیادہ النخعی حضرت علی مرتضیٰ رضہ کے بہت مشہور اصحاب میں ہیں۔ اور نہایت زاہد و عابد تھے اور سادات صوفیہ رضہ خرقہ پوشی کی سند ان سے کرتے ہیں۔

۱؎ کتاب الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد ۵ ص ۳۲۵ مطبوعہ مصر ۱۲ ۲؎ رسالہ نانو اوہ و شجرۃ اسعد و سلسلۃ الکرامہ ۱۲ ۳؎ اتحاف المتقین شرح احیاء، جلد اول ص ۲۴۷ ۱۲

حضرت کمیل رضؓ کوفی تھے۔ کوفہ ہی میں پیدا ہوئے۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں آپ خوب ہوشیار تھے[۵۱]۔

حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کے علاوہ حضرت عمر فاروق و حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی آپنے روایت حدیث کی ہے۔ اور آپسے اعمش و ابو اسحاق سبیعی وغیرہم ائمہ حدیث نے روایت کی ہے۔ آپ صدوق و ثقہ بزرگ اور اپنے قبیلہ نخع کے رئیس و سردار تھے۔ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کے ساتھ اُنکے محاربات میں شریک اور جنگ صفین میں حضرت مولیٰ علیہ السلام کی فوج کے نامآور بہادروں میں تھے[۵۲]

مسئلہ تفضیل میں آپ صحابہ کرام اور ساداتِ تابعین کی ایک خاص جماعت کے ہمخیال تھے۔ یعنی حضرت سیدنا امیر المؤمنین مولی المسلمین علی علیہ السلام کو تمامی صحابہ کرام پر فضیلت دیتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ پر تشیع کا الزام لگایا گیا ہے[۵۳]۔

حضرت کمیل زیاد خواجہ حسن بصری سے سن و سال میں بہت بڑے تھے اور حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی ظاہری صحبت پاک سے بھی انسے زیادہ مستفیض ہوتے رہے۔

ایکمرتبہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے حضرت کمیل کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لیا اور شہر سے باہر میدان کیطرف نکل گئے۔ اور وہاں تنہائی میں آپنے انکو حقائق و معارف کی تلقین فرمائی۔ اور عجیب و غریب نصیحتیں کیں۔ اُن پاک کلمات کے جستہ جستہ مقامات سے چند جملوں کا ترجمہ یہ ہے۔

اے کمیل! لوگوں کے تین طبقے ہیں۔ اوّل علمائے ربانیین۔ اور عارفانِ حق آگاہ کا طبقہ۔ دوّم طالبانِ علم و سالکانِ راہ حق۔ سوّم عوام کالانعام۔ جو نور بصیرت اور ضیائے علم حقیقت سے بے بہرہ۔ اور بلا تمیز ہر اک داعی مدعی کے متبع ہوجاتے اور

۵۱ اصابہ ۱۲ ۵۲ خلاصۃ (اسماء الرجال) مطبوعہ مصر صفحہ ۳۲۳ و اصابہ وغیرہ ۱۲ ۵۳ تقریب التہذیب و میزان الاعتدال و خلاصہ و اصابہ وغیرہ ۱۲

ہر ایک ہوا کے جھونکے سے اِدہر اُدہر جھک جاتے اور حق کی پیروی سے محروم رہتے ہیں۔ اور کسی ایک مضبوط رکن رکین کو اپنا ملجا و ماوٰے نہیں بناتے ؎

اے کمیل! علم مال سے کہیں بہتر ہے۔ مال کی تجھے خود حفاظت کرنا پڑتی ہے۔ اور علم خود تیری حفاظت کرتا ہے۔ مال خرچ کرنیسے گھٹتا۔ اور علم خرچ کرنے سے اور بڑہتا ہی ؎

"اے کمیل! دولت کے جمع کرنے والے مرگئے۔ اور بہتیرے زندگی ہی میں ہلاک ہوجاتے ہیں۔ لیکن علما تا قیام قیامت زندہ۔ اور اُنکا نام و نشان بقائے عالم تک باقی رہے گا"؎

اِسی سلسلۂ گفتگو میں آپنے اپنے سینہ مبارک کیطرف (جو گنجینۂ اسرار آلہی تھا) اشارہ کرکے فرمایا۔ "ھا ان ھھنا لعلما جما لو اصبت له حملةً" کہ آہ۔ اِس سینہ میں علم کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ کاش میں اِس علم کا کسی کو حامل اور لائق پاتا اور اُسے سپرد کرتا ؎

"ہاں۔ زمین خدا کے اُن اولیا سے کبھی خالی نہیں ہوسکتی جو خدا کی حجت اُسکے بندوں پر قائم رکھتے ہیں۔ چاہے وہ ظاہر ہوں یا چھپے ہوئے ہوں۔ بخدا ایسے لوگ تعداد میں بہت کم ہوتے ہیں۔ مگر خدا کے نزدیک قدر و منزلت میں وہ سب سے بڑھکر ہوتے ہیں۔ اُنکے ذریعہ سے خدا اپنے حجج و بیّنات کی حفاظت کرتا ہے تاکہ وہ اِن باتوں کی ایسے لوگوں کو تلقین کریں جو اِسکی اہلیت رکھتے ہیں۔ اور اُن پاک دلوں میں اسکی تخم ریزی کریں جو بار آور ہوسکیں۔ علم حقیقی اُن لوگوں کی بصیرت کو بینا کردیتا ہے۔ اُن کو اِن باتوں سے اُنس ہوتا ہے جن سے جاہلوں کو وحشت و نفرت ہوتی ہے۔ وہ دنیا میں اپنے اجسام و ابدان ظاہری کے ساتھ بسر کرتے ہیں لیکن اُنکا

سلہ نہج البلاغۃ مطبوعہ مصر حصہ دوم صفحہ ۱۴۳ ۱۲

دل محل اعلےٰ سے متعلق (اور ملاء اعلیٰ کی سیر میں مشغول) ہوتا ہی۔ وہی لوگ روئے زمین میں خدا کے سچے خلفاء، دنائبین اور خدا کے دین برحق کی طرف لوگوں کی ہدایت و دعوت کرنے والے ہیں۔ آہ آہ۔ ایسے لوگوں کی دیدار و ملاقات کا دل کسقدر مشتاق و بے چین ہے[1]۔

غور کرو! حضرت امیرالمؤمنینؑ کے اس پاک اور سچے کلام سے اولیاء اللہ کے روحانی سلسلۂ نظام اور ابدال و اوتاد و اغواث و اقطاب کے وجود اور انکی حقیقت اور انکی ضرورت اور انکی خدمت وغیرہ کا کسقدر ثبوت اور پتہ ملتا ہی۔

حضرت کمیل رح حضرت امیرؑ کی طرف سے عراق کے بعض قصبات ہیت وغیرہ کے حاکم بھی رہے ہیں۔ اور حضرت امیرؑ ان کو موقع بموقع مراسلات کے ذریعہ سے فہمایش اور سیاسی امور کے متعلق ہدایتیں فرماتے رہتے تھے۔ بعض خطوط نہج البلاغۃ وغیرہ میں موجود ہیں[2]۔

حضرت کمیل سے حضرت خواجہ عبدالواحد زید بصری شیخ الصوفیہ نے خرقۂ خلافت پہنا ہے۔ اور آپ حضرت حسن بصریؒ کے بھی خلیفہ ہیں۔ حضرت شیخ نجم الدین کبرےٰ رحمۃ اللہ علیہ کا وہ سلسلہ جو آپنے حضرت شیخ اسمٰعیل قصری سے حاصل فرمایا تھا حضرت کمیل ہی سے ملتا ہے[3]۔

حضرت کمیل بن زیاد رح نے عمر بہت پائی۔ اور ۸۲ھ میں حجاج ثقفی کے زمانہ میں شہید ہوئے۔ مختصر واقعۂ شہادت یہ ہے کہ ۸۲ھ میں جب حجاج نے عراق پر غلبہ پایا۔ اور کوفہ میں داخل ہوکر بے گناہوں کو ظلم و جفا کے ساتھ قتل کرنا شروع کیا۔ اور بالخصوص اکابر وقت چن چن کر ہلاک کیے جانے لگے تو حضرت کمیل رح کی گرفتاری کا بھی

[1] نہج البلاغۃ حصہ ۲ صفحہ ۱۸۰۔ و حلیۃ ابونعیم وغیرہ - ۱۲　[2] نہج البلاغۃ حصہ ۲ صفحہ ۱۲۲ - ۱۲
[3] مناقب الاصفیاء و سیر الاولیاء وغیرہ ۱۲

وارنٹ جاری ہوا۔ ہیثم بن الاسود حجاج کے پاس آئے۔ حجاج نے پوچھا کہ کمیل کہاں ہیں"؟ ہیثم نے سفارشانہ لہجہ میں جواب دیا کہ "کمیل تو ایک بڈے ضعیف شخص ہیں۔ اپنے گھر سے باہر نکلنے کے بھی لائق نہیں ہیں" حجاج نے ان کے جواب پر کوئی توجہ نہ کی۔ اور کمیل کو طلب کیا۔ کہتے ہیں کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیئے چھپ رہے۔ اور انکی قوم نے حجاج کو ان کا پتہ نہ لگنے دیا۔ اسپر حجاج نے برہم ہوکر انکے تمام کنبہ کی آمدنی اور وظائف بند کردیئے۔ حضرت کمیل نے جب یہ خبر سُنی تو ہمت اور جوش قومی کے ساتھ فرمانے لگے "میں ایک پیر ضعیف ہوں۔ میرے تو یوں بھی مرنے کے دن آگئے ہیں۔ مجھسے یہ ممکن نہیں کہ ایک اپنی جان بچاکر اپنی قوم کو سختی و پریشانی میں مبتلا کروں" یہ فرماکر وہ اُٹھے اور خود حجاج کے پاس آکر حاضر ہوئے۔ حجاج نے انکو دیکھکر سخت کلامی و درشتی شروع کی۔ حضرت کمیل نے بھی ویسا ہی برابر کا جواب دیا۔ اور اُسے ظلم و ستم سے باز رہنے اور خدا سے خوف کرنے کی فہمایش کی۔ پھر فرمایا۔

"حجاج! میری عمر کا اب بہت ہی تہوڑا حصہ باقی رہا ہے۔ لیکن اب تیرے قبضہ میں ہوں۔ تیرا جو کچھ جی چاہے۔ میرے ساتھ کرگزر۔ مجھے اسکی کچھ پروا نہیں۔ کیونکہ میرا اور تیرا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ تیرا حساب وکتاب کل قیامت کے دن حاکم حقیقی کے روبرو ہوگا +

حجاج! تو جو کچھ میرے ساتھ ارادہ رکھتا ہے۔ مجھے خوب معلوم ہے مجھے حضرت امیرالمؤمنین (سیدنا علی مرتضیٰ سلام اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین) نے آج سے بہت پہلے اسکی خبر دے رکھی ہے کہ تو مجھے قتل کرے گا" +

حجاج چین بجبیں ہوکر بولا کہ "ہاں میں تجھے ضرور قتل کروں گا تو مخالفین حضرت عثمان رضی

سے ہے"

الغرض جلاد کو حکم دیا گیا کہ کمیل کی گردن ماری جائے۔ چنانچہ اُسیوقت مظلوم کمیل رضؓ قتل کیے گئے۔ امیر جیسا کہ حضرت اسد اللہ الغالب نے فرمایا تھا۔ راست و درست ہوا۔ اور آپ شہادت کے مرتبے سے فائز ہوئے [۱] ۔

خاکسار حسن۔ از پھلواری۔ ضلع پٹنہ

[۱] یہ واقعات علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب اِصابہ فی معرفۃ الصحابہ مطبوعۂ مصر جلد خامس صفحہ ۲۲۵ سے ماخوذ ہیں۔ اور یہی واقعات کسیقدر کمی بیشی کے ساتھ تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۸ صفحہ ۸۲ و تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۲۳۲ و تاریخ ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۴۹ وغیرہ میں بھی مرقوم ہیں ۱۲

سلام

جاتا تھا مجرئی سر سرور کہاں کہاں
پھرتی تھی روحِ احمد و حیدر کہاں کہاں

پھرتا تھا نیزہ پر سر سرور کہاں کہاں
تھا آفتاب حشر سے محشر کہاں کہاں

رن سے کٹا کے سر گئے شیرین کے گھر میں شاہ
دیکھیں لیئے پھرے ہے مقدر کہاں کہاں

کوفہ میں دربدر کبھی دربار شام میں
پھرتے تھے اہلبیت پیمبر کہاں کہاں

اکبر تو دل پہ کھا کے سناں خلد کو گئے
شہ کہتے رہ گئے مِرے دلبر کہاں کہاں

قربان جاؤں دلبر مشکل کشا کے میں
مشکل کشائی کرتے تھے جا کر کہاں کہاں

دریا میں جا کے غرق سے تاجر کو دی نجات
پہنچے مدد کو شہ دمِ آخر کہاں کہاں

رہوے غلام آپ کی خدمت میں یا امام
آزاد ہو کے جائیگا در در کہاں کہاں

(آزاد مرحوم)

اُور دو قطرے خونِ شہادت کے

میرے قدیمی عنایت فرما اور فاضل دوست مولوی سید احمد صاحب مارہروی مؤلف حیات خسرو وغیرہ اُن نادر الوجود لوگوں میں ہیں جو اپنی علم دوستی اور مفید معلومات دیگر ابنائے جنس کو ہمیشہ فائدہ پہنچاتے رہتے ہیں۔ مولانا کو فن تاریخ سے خاص مناسبت ہے۔ اور اسمیں آپنے وہ وہ دلچسپ کارآمد انتخاب کیے ہیں کہ بے اختیار ان کے حسن اخذ کی داد دینی پڑتی ہے۔ آپ کی تالیف و تصنیف میں متعدد کتابیں چھپ چکی ہیں۔ مُلک کے مشہور رسالوں میں آپکے مضامین خاص توجہ اور پسندیدگی سے پڑھے جاتے ہیں +

چونکہ آپ صوفی مشرب ہیں اس لیئے رسالہ نظام المشائخ کے شہید نمبر کے لیئے آپنے بھی کچھ عنایت فرمایا ہے۔ سیدی مولی کا واقعہ اگرچہ عجلت کے سبب بہت مختصر لکھا گیا۔ تاہم واقفیت کے لیئے کافی ہے۔ شاہی اثر سے متاثر ہو کر بعض مورخوں نے سید مولی پر سازش کا الزام لگا تو دیا مگر مقدمہ کی روداد سے اُنپر کسی صورت قصور ثابت نہیں ہوتا اور بیچارے شہید بے گناہی معلوم ہوتے ہیں +

شیخ علائی کو طبقۂ مشائخ کے زمرہ میں شریک کرنا میرے عقیدہ کے خلاف ہے لیکن انکا اتقاو دینداری کی حمایت و پاسداری میں ثابت قدم رہنا اور جان دیدینا جواں مردی کا کام تھا۔ اسلیئے اُنکے ذکر کو بھی شہید نمبر میں جگہ دی جاتی ہے +

شیخ علائی باعتبار نسب گروہ مشائخ میں سے تھے۔ اور طرز عمل کے اعتبار سے بھی اُنکی حالت درویشانہ تھی۔ مگر مہدویت کا عقیدہ اور خشک مزاجی شانِ فقیری سے علیٰحدہ

چیزیں ہیں۔ تاہم میں اپنے فاضل دوست مولانا سید احمد صاحب کی تلاش و محنت کی قدر کرتا ہوں۔ خدا کرے اُنکو اسکے بعد بار بار نظام المشائخ کی خدمت کا موقع ملے۔

سیّد مولیٰ شہید

سید مولیٰ کا اصلی وطن جرجان تھا۔ انکی عمر کا زیادہ حصہ سیاحی میں گزرا۔ اور مختلف اسلامی ممالک میں اُنہوں نے مسافرت کر کے مشائخین عظام سے فیض حاصل کیا۔ اور خداشناسی کی آنکھیں روشن کر کے وطن کی طرف مراجعت فرمائی۔ چند روز کے بعد ہندوستان کی سیاحی کا شوق پیدا ہوا۔ اور پاک پٹن میں تشریف لا کر حضرت بابا فریدالدین شکر گنج رح کے مہمان ہوئے اور ایک عرصہ تک آپ کی خانقاہ عالی میں رہکر ذات بابرکات سے فیض معنوی پایا۔ بعد ازاں حضرت بابا صاحب سے دہلی جانے اور وہاں خانقاہ تعمیر کرا کر سکونت اختیار کرنے کی اجازت چاہی۔ آپنے فرمایا کہ میں اس بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتا۔ لیکن مانع بھی نہیں ہوتا۔ مگر ہاں ایک نصیحت میری ضرور یاد رکھنا۔ اور حتی المقدور اُسپر کاربند رہنا کہ سلاطین عہد اور اُنکے امرار کی صحبت سے دور رہنا۔ کیونکہ اس جماعت دنیوی کا اختلاط اور مصاحبت ہم درویشوں کی ہلاکت کا سبب ہے۔

سید مولیٰ بابا صاحب سے رخصت ہو کر دہلی پہنچے اور وہاں ایک عالیشان خانقاہ تعمیر کرا کر سکونت اختیار کی۔ جس قدر درویش۔ مسافر۔ امیر۔ غریب اس خانقاہ میں آتے اُن میں کوئی محروم نہ جاتا تھا۔ ہزار من میدہ پانچسو من گوشت۔ دوسو من مصری۔ دوسو من شکر۔ اور کئی من گھی خانقاہ کے باورچی خانہ میں روزانہ صرف ہوتا تھا۔ آخرکار یہانتک نوبت پہنچی کہ امرائے عالی مقام اور خوانین ذی شان دونوں وقت خانقاہ میں حاضر ہو کر ایسے ایسے عمدہ کھانے نوش فرماتے تھے کہ سلاطین عہد کو بھی میسر نہ تھے۔ کھانیکے علاوہ اکثر ارباب حاجت کو دو دو تین تین ہزار تنکہ سونے تک بخش دیتے تھے۔ اہل دنیا اس قدر خرچ کو دیکھکر محوِ حیرت تھے اور آپ کو کیمیا کا صاحب کمال ماہر سمجھتے تھے۔ جب کسی کو

کچھ نقد دیا جاتا یا کسی کو جنس کی قیمت دیجاتی تو اُس شخص سے کہدیا جاتا تھا کہ فلاں بوریا یا پتھر یا اینٹ کے نیچے اِس قدر نقرئی یا طلائی سکے موجود ہیں وہاں سے لیلو۔ جب وہ چیز ہٹائی جاتی۔ آپکے ارشاد کے بموجب ایسے نئے سکے برآمد ہوتے تھے کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ٹکسال سے ڈھلکر آئے ہیں +

سید مولی رح صیم و صلوٰۃ کے پورے پابند تھے۔ لیکن نہ جماعت میں شریک ہوتے نہ جمعہ میں تشریف لاتے تھے۔ مگر مجاہدہ اور ریاضت بے انتہا کرتے تھے نفس کشی کا یہ عالم تہا کہ سوائے ایک چادر کے اور کچھ کپڑا نہ پہنتے تھے۔ نہ کوئی عورت یا خادمہ آپکے پاس رہتی تھی +

رفتہ رفتہ امرائے شاہی اور خود جلال الدین خلجی کے ولیعہد خانخاناں کو سید بزرگوار سے ارادت پیدا ہوئی۔ اور خانقاہ میں امرائے عالیشان کا ہجوم برابر بڑہتا گیا۔ قاضی جلال الدین کاشانی نے جو نہایت چرب زبان اور بہت مفسد اور فتنہ انگیز تہا سید مولی کے دلمیں اپنی سحر بیانی سے خاص جگہ پیدا کی۔ اور بھولے بھالے سید کو سلطنت کی ترغیب و تحریص دینی شروع کی۔ اور کہا کہ خداوند قدیر نے آپ کو اسقدر قدرت اپنی قوت کاملہ سے محض اسوجہ سے عطا فرمائی ہو کہ سلطنت اسلامیہ کو ظالموں کے پنجہ سے نکالکر خلقت خدا کو اپنے عدل و انصاف سے شادکام کیجئے۔ اور شریعت رسول اللہ کو رواج دیکر سعادت دارین حاصل کیجئے۔ اگر آپ اس کار خیر میں تساہل فرماوینگے تو فردائے قیامت کیا جواب دینگے۔ سید مولے نے بمقتضائے بشریت قاضی کی چرب زبانی سے دہوکا کہایا اور باباصاحب کی بےنظیر نصیحت کو فراموش کرکے اپنے معتقدین کو خطاب اور منصب دینا شروع کردیا چند روز کے بعد بادشاہ کے قتل کی سازش کی گئی جسکا راز قبل از وقت افشا ہوگیا اسپر بادشاہ نے سید مولیٰ اور قاضی جلال الدین اور دیگر معتقدین خاص کو دربار میں طلب

کیا اور حقیقت حال استفسار فرمائی۔ سید مولی اِس راز سے اُس وقت تک بے علم تھے۔ انہوں نے انکار کیا۔ اور سب ہی مصلحت وقت سے بالاتفاق منکر ہوئے جب اِن لوگوں کا انکار حد سے گزرا تو بادشاہ نے اُنکی راست گوئی کے امتحان کیواسطے بہادر پور کے جنگل میں آگ جلوائی۔ اور حکم دیا کہ سب لوگ اِس آگ پر سے گزریں۔ سب سے پہلے سید مولی باآواز بلند کلمہ طیبہ لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ پڑہتے ہوئے آگ کی طرف بڑہے۔ یہ حالت دیکھکر بادشاہ کو کچھہ رحم آیا۔ اور اُنہیں روک کر علمائے دربار سے فتوے مانگا۔ سب علما نے بالاتفاق عرض کیا کہ یہ فعل شریعت مقدس میں جائز نہیں۔ آگ بالطبع جلانیوالی چیز ہے۔ راستگو اور دروغگو دونوں کو یکساں جلادیگی علما کے اِس جواب سے متاثر ہوکر بادشاہ نے قاضی جلال الدین کو توبدآیوں تبدیل کردیا۔ اور دیگر ملزمان کو دارالسلطنت سے نکلوادیا۔ اور سید مولی سے طرح طرح کے سوالات کرنا شروع کیے۔ جب سب کا جواب معقول پایا اور کسیطرح کا شرعی الزام اُنپر قائم نہو سکا تو شیخ ابوبکر طوسی حیدری کو جو حیدری فقیروں کا پیر تہا اپنے پاس بُلایا اور کہا کہ انصاف کرو کہ اِس شخص نے میرے اوپر کس قسم کا ظلم کیا ہے۔ فقیر اِس ظالم کی خبر کیوں نہیں لیتے۔ یہ سُنکر سنجری نام ایک قلندر بیباک نے سید بزرگوار کو اُسترے سے مجروح کیا اور سوئیاں چُبھوئیں۔ اور زبردستی ڈاڑھی مونڈ ڈالی۔ مظلوم سید نے کہا کہ جلد میرا کام تمام کردو۔ میں اپنے قتل سے خوش ہوں اور کسیطرح آزردہ نہیں۔ لیکن یہ یقین کرلینا کہ فقیروں کا ستانا کبھی راست نہیں آتا عنقریب اِس کی سزا ملیگی۔ بادشاہ ہنوز قتل میں متردد ہی تہا کہ اُسکے منجھلے بیٹے آرکلی خاں نے جو اپنے بڑے بہائی خانخاناں کی عداوت کی وجہ سے اِن سید بزرگ سے بھی عداوت رکھتا تہا۔ فیلبان کی طرف اشارہ کردیا۔ جس نے بیکس و بے بس سید کے اوپر مست ہاتھی چھوڑکر کام تمام کردیا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُوْنَ

منقول ہے کہ سید مولیٰ اس حادثہ سے دو برس پیشتر سے یہ رباعی اکثر پڑھا کرتے تھے ؎

در مطبخ عشق جز نکو را نکشند لاغر صفتان زشت خو را نکشند
گر عاشق صادقی ز کشتن مگریز مردار بود ہر آنکہ او را نکشند

مولانا ضیاء الدین برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی کا بیان ہے کہ میں اُس روز دہلی میں تھا مجھے خوب یاد ہے کہ سید مولیٰ کے قتل کے بعد ایسی سیاہ آندھی آئی کہ جہان تاریک ہو گیا اور دیر تک کسی کو کوئی چیز نہ دکھائی دی۔ اور اُسی سال یعنی ۶۹۰ھ ۱۲۹۱ء میں دہلی کے قرب جوار میں بارش کی کمی وجہ سے ایسا سخت قحط پڑا کہ لاکھوں آدمیوں نے بھوک کے مارے جمنا میں ڈوب کر جان دیدی۔ اور اُسی دن سے روز بروز جلال الدین خلجی کی سلطنت میں قضیئہ نامرضیہ پیش آنے لگے اور پانچ ہی برس کے بعد بُری طرح اُس کا خاتمہ ہوا۔ سچ کہا ہے ؎

سرائے آفرینش سرسری نیست زمین و آسماں بے داوری نیست
در اندیش اے حکیم از کار ایام کہ پاداش عملہا شد سرانجام

شیخ علائی شہید

شیخ علائی کے والد بزرگوار کا نام شیخ حسن تھا جو کہ مشائخین بنگالہ سے تھے سنہ ۹۴۲ھ میں شیخ حسین نے حج سے واپس آکر قصبہ بیانہ[1] کی سکونت اختیار کی جو اُس زمانہ میں بہت آباد اور حاکم نشین مقام تھا۔ شیخ علائی کے چہرہ پر تقوے اور صلاحیت اور دانشمندی کے آثار بچپن ہی میں نمایاں تھے۔ اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں

[1] بیانہ اب ریاست بھرت پور میں واقع اور تحصیل کا صدر مقام ہے ۱۲

اُنہوں نے علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل کیا۔ اول سلسلہ درس تدریس کا جاری رہا۔ باپ کے انتقال کے بعد سجادہ نشین ہوکر زہد و عبادت اور ارشاد و تلقین پر کمر باندہی۔ چونکہ عالم جوانی میں نفس امارہ کا علی العموم غلبہ ہوتا ہے۔ لہذا بتقاضائے بشریت ابتدائے حال میں کسیقدر غرور دل میں پیدا ہوگیا۔ اور اپنا مرتبہ جملہ مشائخین عہد سے زیادہ سمجھنے لگا۔ اسی عرصہ میں میاں عبداللہ نیازی[۱] مہدوی حج سے واپس آکر بیانہ میں رونق افروز ہوئے۔ اور آبادی سے دور ایک ویران مقام پر قیام کیا۔ میاں عبداللہ لکڑیاں بیچکر اپنی قوت بسری کرتے تھے۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو مسلمان کسانوں اور لکڑہاروں اور رستہ چلنے والوں کو اکٹھا کرکے جماعت سے نماز پڑھاکرتے تھے۔ جو کچھ بچتا وہ محتاجوں میں تقسیم کرکے اُنہیں نماز و جماعت کی نصیحت اور ترغیب دیا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ بہت سے لوگ اُن کی ہدایت و تلقین سے پابند صوم و صلوٰۃ اور شریک جماعت ہوگئے۔ جب شیخ علائی کو یہ حال معلوم ہوا یہ بھی امتحان کی غرض سے میاں صاحب کیخدمت میں پہنچے۔ لیکن اُن کا طرز عمل دیکھکر ایسے گرویدہ ہوئے کہ اُسیوقت اپنے خدام و معتقدین سے فرمایا کہ دین و ایمان اِسکا نام ہے۔ ہمارا طریق عمل قریب قریب بُت پرستی اور زنار داری کے ہے۔ چنانچہ فوراً خانقاہ میں واپس آکر دُکان مشیخت کو درہم برہم کردیا۔ کل مال و اسباب اُسیوقت لُٹادیا۔ یہاں تک کہ کتابیں بھی محتاجوں میں تقسیم کردیں۔ بی بی سے کہا کہ اگر فقر و فاقہ منظور ہو تو بسم اللہ ہمارے ساتھ چل ورنہ مال موجودہ میں اپنا حصہ لیکر جہاں چاہے وہاں رہ۔ بی بی بھی صالح اور نیکبخت تھی۔ اُس نے شوہر کی اطاعت کو دنیوی عیش و آرام پر ترجیح دی۔ اور چند روزہ مال و دولت پر لات مارکر

[۱] ابتدا میں میاں عبداللہ شیخ سلیم چشتی فتحپوری کے مرید تھے پھر میر سید محمد جونپوری کے جنہوں نے امام مہدی ہونے کا دعوے کیا تھا معتقد ہوکر مہدوی مذہب اختیار کیا آخر میں اس مذہب سے تائب ہوگئے ۱۲

شیخ کی ہمراہی اختیار کی +

شیخ علائی نے میاں صاحب کی خدمت میں رہکر طریقہ پاس انفاس کا سیکھا اور تمام خاندانی اذکار اور مشاغل میں کمال حاصل کیا۔ میاں صاحب کی توجہ خاص سے قرآن شریف کے معانی اور نکات بہت جلد اُنپر کھل گئے۔ شیخ کے خدام اور معتقدین نے بھی جن کی تعداد تین سو سے زیادہ تھی توکل پر ثابت قدم ہوکر رفاقت اختیار کی۔ اور اُنکی تعلیم و تلقین بھی ہونے لگی +

میاں عبداللہ اور اُنکے جملہ معتقدین کا یہ طریقہ تہا کہ جس جس کو محنت و مشقت سے جو کچھ ملتا شام کو سب ملکر برابر برابر بانٹ کھاتے تھے۔ اگر کچھ بچتا اُسے خیرات کردیتے تھے۔ دوسرے دن کیواسطے کوئی چیز نہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ نمک وغیرہ بھی نہ رکھتے۔ اور رات کو کھانے پکانے کے برتن اور پانی کے گھڑے بھی اُلٹے رکھدیتے تھے۔ چونکہ اُس زمانہ میں حکام کسی ایسے شخص کو جسکے لوگ زیادہ معتقد ہوں بُری نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور اُسکے درپے ایذا رہتے تھے۔ لہذا بنظر احتیاط یہ سب لوگ ہر وقت مسلح رہتے تھے۔ اسیوجہ سے عام جو اُن کے اندرونی حال سے ناواقف تھے۔ اُنہیں بہت مالدار سمجھتے تھے +

میاں عبداللہ مع اپنے جملہ مریدوں کے دن میں دو مرتبہ ایک حلقہ میں بیٹھکر قرآن شریف کے معانی بیان کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ صبح کی نماز کے بعد اور دوسری مرتبہ مختلف اوقات پر یہ جلسہ ہوا کرتا تہا جس میں چھوٹے بڑے سب مرید شریک ہوتے تھے۔ اس موقع پر شیخ علائی کا بھی اکثر وعظ ہوتا تہا جسکا یہ اثر تہا کہ جو شخص ایکمرتبہ بھی اُنکے وعظ کو سُن لیتا تہا سب گھربار اور بال بچوں کو چھوڑکر اس حلقہ میں داخل ہوجاتا تہا۔ توکل کا یہ عالم تہا کہ بھوک سے اگر کسیکا دم بھی نکلتا ہوتا تو دم نہ مارتا تھا۔ رفتہ رفتہ شیخ علائی کے بے نظیر وعظ سے یہ مہدوی حلقہ اس قدر

وسیع ہوا کہ میاں عبداللہ کے اوقات میں خلل ہونے لگا۔ باپ بیٹے کو بھائی بھائی کو۔ خاوند بی بی کو چھوڑ چھوڑ کر شریک حلقہ ہونے لگے۔ یہ لوگ اس قدر پابند شریعت تھے کہ شہر یا بازار میں جو بات خلاف شریعت دیکھتے جبراً و قہراً اُسے روکتے۔ عوام کا تو کیا ذکر حکام وقت کا بھی اس معاملہ میں کچھ خیال نہ کرتے تھے اور اکثر غالب رہتے تھے ؁

جب شیخ علائی کی اس سختی سے زیادہ غوغا ہونے لگا تو میاں عبداللہ نے ایک دن اُنسے نہایت ملائمت سے کہا کہ بیٹا یہ باتیں ہمیشہ نہیں رہتیں اور زمانہ کے لوگوں کو حق بات کڑوی معلوم ہوتی ہی۔ تمکو عوام کی روک ٹوک سے کیا مطلب ہے یا تو خاموش ہوکر ایک گوشہ میں بیٹھکر عبادت و ریاضت کرو یا سفر حج پر کمر باندھو میاں صاحب کے اس ارشاد پر شیخ علائی نے حج کا ارادہ کیا۔ اور اپنی اُسی وضع اور ہیئت کے ساتھ چھ سات سو آدمیوں کے ساتھ گجرات روانہ ہوئے۔ راستہ میں معتقدین کا اور ہجوم بڑھا اور کچھ ایسے سبب پیدا ہوگئے کہ خواص پور سے جو جودھ پور کے قریب ہے یہ قافلہ پھر بیانہ واپس آگیا ؁

جب شیخ علائی کی زیادہ شہرت ہوئی تو مخدوم الملک ملّا عبداللہ سلطانپوری کو جو سلیم شاہ سور کے زمانہ میں شیخ الاسلام تھے رشک پیدا ہوا اور اُنہوں نے بادشاہ کو بہکا کر شیخ علائی کو بیانہ سے بُلا بھیجا۔ شیخ علائی اپنے خاص مریدوں کے ساتھ جو مسلح تھے دربار میں حاضر ہوئے اور خلاف آداب دربار مسنون طریقہ پر بادشاہ کو سلام کیا۔ بادشاہ کو یہ امر سخت ناگوار گزرا۔ مگر چونکہ شرعی معاملہ تھا لہذا ضبط کرکے بڑی کراہیت سے جواب دیا۔ عیسٰے حجاب نے جو سلیم شاہ کے زمانہ کا ایک مشہور امیر کبیر تھا شیخ علائی کو شکستہ حال پھٹے پُرانے کپڑے اور ٹوٹے جوتے پہنے دیکھا تو متعجب ہوکر بولا کہ یہ شخص اس حالت سے ہم سے بادشاہی لینا

چاہتا ہے۔ کیا ہم پٹھان ایسے گئے گزرے ہوگئے ہیں کہ ایسا معمولی آدمی ہم سے سلطنت چھین لیگا[له]+

شیخ علائی کی سحر آمیز اور پُرزور تقریر کا اس قدر شہرہ تھا کہ مخدوم الملک نے اُن بحث و مباحثہ کیواسطے ہندوستان کے بڑے بڑے علماء کو دربار میں طلب کیا تھا۔ چنانچہ اُسدن میر رفیع الدین محدث اکبر آبادی۔ شیخ ابو الفتح تھانیسری مُلّا جلال ہیم دانشمند وغیرہ نامی گرامی علماء دربار میں موجود تھے۔ شیخ علائی نے گفتگو شروع ہونیسے قبل قرآن شریف کی چند آیتوں کا جن میں دنیا کی مذمت اور قیامت کے حالات کا بیان تھا۔ نہایت پُردرد اور زوردار وعظ کہا اور اس کے بعد اپنے زمانہ کے علمائے بے عمل کی اس عمدگی سے قلعی کھولی کہ سلیم شاہ اور اُس کے مقربوں کے دلوں پر باوجود قساوتِ قلبی اور سنگدلی ایسا اثر ہوا کہ سب کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے۔ اسکے بعد بادشاہ دربار سے اُٹھکر محلسرا میں چلا گیا اور شیخ علائی اور اُنکے ہمراہیوں کے واسطے کھانا بھجوایا۔ شیخ علائی نے خود کھانا نہ کھایا اور اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ جسکا دل چاہے کھانا کھائے۔ اسی عرصہ میں سلیم شاہ دربار میں واپس آیا اور جب اُس کو شیخ علائی کے کھانا نہ کھانے کا حال معلوم ہوا تو اُس نے شیخ سے اس کا سبب دریافت کیا۔ شیخ علائی نے جواب دیا کہ تم نے خلافِ شرع اپنے حق سے زیادہ خزانہ کا روپیہ تصرف میں کیا ہے جو حقیقت میں سب مسلمانوں کا حق تھا۔ لہذا کھانا بھی تمہارا اسی قسم کا ہے سلیم شاہ کو یہ جواب سُن کر بہت غصہ آیا مگر چونکہ اُسوقت تک شیخ کے وعظ کا اثر دل پر موجود تھا۔ لہذا غصہ ٹال گیا۔ اسکے بعد علماء سے مسئلہ مہدویت پر گفتگو شروع ہوئی

له مخدوم الملک نے بادشاہ کو بہکایا تھا کہ شیخ علائی مہدویت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور امام مہدی تمام جہان کے بادشاہ ہونگے۔ پس ضرور ہے کہ اس شخص کا ارادہ بھی خروج و بغاوت کا ہوگا۔ اسلئے یہ شخص واجب القتل ہے ۱۲

جو کئی روز تک جاری رہی۔ شیخ علائی نے اپنے علم و فضل اور سحر بیانی سے تمام علما کو لا جواب کر دیا۔ اور سب پر غالب رہے۔ اس بحث و مباحثہ میں مخدوم الملک کو تو بات بھی نہیں کرنے دی۔ اور اُس سے کہا کہ تو دنیا دار فاسق اور دائرہ عدالت سے خارج ہے۔ علانیہ تیرے گھر سے باجوں کی آواز لوگ سُنتے ہیں۔ اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جو مکھی نجاست پر بیٹھتی ہے وہ اُس عالم بے عمل سے بدرجہا بہتر ہے جو بادشاہ اور امیروں کی خوشامد میں مصروف ہو۔

سلیم شاہ شیخ علائی کی تقریر پر ایسا فریفتہ ہوا کہ نہایت اصرار سے ملتجی ہوا کہ تم ہمیشہ قرآن شریف کا وعظ مجکو سُنایا کرو۔ مگر مہدوی مذہب کو چھوڑ دو اور آہستہ سے میرے کان میں اس سے انکار کر دو تو میں تم کو اپنے تمام ممالک کا محتسب مقرر کر دوں گا۔ ورنہ تمام علما نے تمہارے قتل کا فتوےٰ صادر کیا ہے۔ مگر مجکو تمہارا خون بہانا منظور نہیں ہے۔ شیخ علائی نے جواب دیا کہ میں دین پر دنیا کو کسی طرح ترجیح نہ دونگا۔ اور آپ کے کہنے سے کسی طرح اپنا عقیدہ نہ بدلوں گا۔ اس عرصہ میں شیخ کے معتقدین کی تعداد برابر بڑھتی گئی۔ اور سلیم شاہ کو روزانہ خبریں پہنچنے لگیں کہ آج فلاں سردار شیخ کا مرید ہوا۔ آج فلاں امیر نے دنیا کے تعلقات قطع کر کے شیخ کی رفاقت اختیار کی۔ مخدوم الملک روزانہ بادشاہ کو مبالغہ کے ساتھ یہ واقعات سُنا کر قتل کی ترغیب دیتا تھا۔ آخر کار سلیم شاہ نے مجبور ہو کر شیخ علائی سے کہا کہ تم میرے ملک کو چھوڑ کر دکن میں سکونت اختیار کرو۔ شیخ نے نہایت خوشی سے اس امر کو منظور کیا اور بادشاہ کو سلام کر کے دکن کو روانہ ہو گئے۔

شیخ علائی آگرہ سے روانہ ہو کر ہنڈیہ میں جو اُس زمانہ میں دکن کی سرحد پر واقع تھا پہنچے۔ سلیم شاہ کی طرف سے اعظم ہمایوں شروانی (بہار خاں) ایک مشہور اور شجاع امیر وہاں کا حاکم تھا۔ وہ شیخ علائی کا وعظ سُنکر معتقد ہو گیا۔ اور نصف سے زیادہ اُس کے

لشکر نے بھی مہدوی مذہب اختیار کر لیا۔ مخدوم الملک نے خوب نمک مرچ ملاکر
اس خبر کو بادشاہ تک پہنچایا۔ جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ دوبارہ شیخ علائی کی طلب میں شاہی
فرمان صادر ہوا ۔

اسی عرصہ میں پنجاب میں نیازی پٹھانوں نے بغاوت کی ۹۵۵ھ میں سلیم شاہ
اس بغاوت کے دفع کرنیکے واسطے پنجاب روانہ ہوا۔ جب بیانہ کے قریب پہنچا تو
مخدوم الملک نے اُس سے کہا کہ شیخ علائی شیخ عبد اللہ نیازی کا ایک ادنے مرید ہے
جس نے اس قدر فتنہ مچا رکھا ہی۔ شیخ عبد اللہ جو شیخ علائی اور کل نیازیوں کا
پیر ہے ہمیشہ تین چار سو سلح آدمیوں کے ساتھ بیانہ کے پہاڑوں میں فساد مچایا
کرتا ہے اگر یہ نیازیوں سے جا ملا تو بہت تکلیف دیگا۔ سلیم شاہ نے جو نیازیوں
کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ اُسیوقت میاں بہوہ حاکم بیانہ کو لکہا کہ میاں عبد اللہ
کو حضوری میں حاضر کرو۔ میاں بہوہ آپ کا معتقد تہا۔ اُس نے آپ کی خدمتمیں
حاضر ہوکر عرض کی کہ اس وقت مصلحت یہ ہی کہ آپ یہاں سے کسی طرف ٹلجائیں۔
تو شاید بادشاہ آپ کا خیال بہول جاویگا۔ اور میں کوئی عذر لکھ بہیجوں گا۔ میاں
عبد اللہ نے اس بات کو منظور نہ کیا۔ اور کہا کہ مخدوم الملک ہمیشہ موقع کا منتظر رہتا
ہے۔ بادشاہ کبھی میرے خیال کو نہ بھولیگا۔ اس وقت صرف دس کوس کا فاصلہ ہے
یہیں حاضر ہو جاؤں گا۔ اور جو کچھ خداوند قدیر کا حکم ہوگا وہ ضرور ہو کر رہے گا۔
مشیت ایزدی میں جائے دم زدن نہیں۔ اگر اسوقت حاضر نہوا تو سفر عظیم کی
مصیبت اُٹھانی پڑیگی۔ غرضکہ راتوں رات میاں عبد اللہ میاں بہوہ کے ساتھ
روانہ ہوکر لشکر میں پہنچے۔ صبح کے وقت جبکہ بادشاہ بارادہ کوچ سوار ہو رہا تھا میاں
عبد اللہ نے سامنے پہنچکر سلام علیک کی۔ میاں بہوہ نے زبردستی میاں
عبد اللہ کی گردن ٹیڑھی کر دی۔ اور کہا اے شیخ بادشاہوں کو اسطرح سلام کیا کرتے

ایں۔ میاں صاحب نے نہایت غصہ سے اُسکی طرف دیکھکر کہا کہ میں سوائے اِس سلام سنت الاسلام کے اور کوئی سلام نہیں جانتا۔ سلیم شاہ نے غصہ سے دریافت کیا کہ کیا علائی کا پیر یہ ہی ہے۔ مخدوم الملک موجود تھا فوراً بولا کہ ہاں یہ ہی گستاخ ہے۔ اِسپر سلیم شاہ نے اشارہ کیا اور لوگوں نے گھونسوں لاتوں کوڑوں اور لکڑیوں سے میاں صاحب کو مارنا شروع کیا۔ جب تک آپکو ہوش رہا آیہ کریمہ

"ربنا اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکفرین" پڑھتے رہے۔ سلیم شاہ نے پوچھا کہ یہ کیا پڑھتا ہے۔ مخدوم الملک نے کہا کہ مجکو اور جہاں پناہ کو کافر کہہ رہا ہے۔ اِسپر بادشاہ کو اَور بھی زیادہ غصہ آیا۔ اور ایک گھنٹہ سے زیادہ گھوڑے پر سوار پٹوا تا رہا۔ آخر کار یہ ظالم اور سنگدل اُس مظلوم و بے گناہ کو مُردہ سمجھکر وہاں سے روانہ ہوگیا۔ چونکہ حیات مستعار باقی تھی لہذا لوگوں نے کچھ رمق جان باقی پاکر فوراً چمڑے میں لپیٹ کر ایک رات دن آگ کی گرمی پر رکھا۔ تب میاں عبداللہ کو ہوش آیا اور آپنے بیانہ کی سکونت ترک کرکے سیاحت اختیار کی +

اِس واقعہ کے بعد شیخ علائی حسب الطلب بادشاہ کے دربار میں پہنچے سلیم شاہ نے مخدوم الملک کو اہل غرض اور علمائے دہلی و آگرہ کو اُن کے مقابلہ میں ناقابل پاکر شیخ علائی کو بمقام بہار شیخ بڈھہ طبیب دانشمند[۱] کے پاس روانہ کیا اور حکم دیا کہ جو کچھ وہ فتوے دیں اُسپر عمل کیا جائے۔ جب شیخ علائی وہاں پہنچے تو اُنہیں شیخ بڈھہ کے گھر میں گانے بجانے کی آواز سنکر اور اُنکی مجلس میں بعض اور باتیں خلاف شرع دیکھکر بہت تعجب ہوا۔ اور اُنہوں نے اُن باتوں کی ملامت کرنا شروع کی۔ شیخ بڈھہ تو اِس زمانہ میں اِسقدر ضعیف ہوگئے تھے کہ اُن میں بات کرنے کی بھی طاقت

[۱] شیخ بڈھہ اُس زمانہ کے بڑے نامی گرامی اور صاحب تصانیف عالم تھے شیر شاہ پدر سلیم شاہ اُن کا اِس قدر معتقد تھا کہ اُنکے

نہ تھی۔ انکے بیٹے سے تقریر شروع ہوگئی۔

بیٹا۔ بعض رسمیں ہندوستان میں ایسی رائج ہیں کہ اگر اُن سے منع کیا جائے اور اتفاقاً اُس قرب میں کوئی جانی یا مالی نقصان عائد ہو تو بے وقوف عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ یہ نقصان فلاں امر کے منع کرنیسے ہوا۔ اس صورت میں اُن پر کفر عائد ہوتا ہے۔ پس اُنکے کافر ہونیسے فاسق رہنا بدرجہا غنیمت ہے۔

شیخ علائی۔ یہ گمان قطعی فاسد ہے کیونکہ جب اعتقاد اول یہ ہے کہ گناہ کے چھوڑنے یا موافق سنت کے عمل کرنیسے کسی قسم کا نقصان پہنچتا ہے تو وہ ابتدا ہی سے کافر ہیں۔ پھر اُنکے اسلام کا لحاظ کرنا کیا ضرور ہے بلکہ صحت نکاح میں بھی کلام ہے۔

شیخ بدھ بڑے حق پسند عالم تھے اُنھوں نے شیخ علائی کی تقریر کو بہت پسند کرکے اُن سب باتوں سے استغفار کیا۔ اور شیخ علائی کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ اسکے بعد سلیم شاہ کو لکھا کہ مسئلہ مہدویت پر ایمان موقوف نہیں ہے۔ اور امام مہدی علیہ السلام کے علامات متعین کرنے میں اختلاف ہے۔ اس لحاظ سے شیخ علائی پر کفر یا فسق عائد نہیں ہوسکتا۔ کمال یہ کہ اُن کا شبہہ مٹا دینا چاہیے۔ یہاں کتابیں کمیاب ہیں لیکن وہاں کثرت سے کتابیں موجود ہیں۔ لہذا اس مسئلہ کی تحقیق کافی طور سے وہیں ہوسکتی ہے۔ شیخ بدھ کے بیٹوں نے یہ خیال کرکے کہ مخدوم الملک صدر الصدور ہے یہ خط اُسکے مزاج کے خلاف ہوگا۔ اور اس صورت میں وہ ہمارے باپ کو اس ضعیفی کے عالم میں وہاں طلب کریگا۔ اس خط کو خفیہ طور سے روک کر بجائے اُسکے باپ کی طرفسے یہ لکھ بھیجا کہ اس عہد میں مخدوم الملک سے بڑا کوئی محقق عالم نہیں ہے جو فتوے وہ صادر کرے وہ درست ہے۔

شیخ علائی نے اس سازشی خط کے بمقام بن (پنجاب) اسلیم شاہ کے دربار میں پہنچے

سلیم شاہ نے اِس خط کو پڑھکر شیخ علائی سے کہا کہ میرے کان میں مہدویت کے دعوے سے توبہ کرو پھر جہاں تمہارا جی چاہے وہاں رہو۔ کوئی تمہارا مزاحم نہ ہوگا شیخ نے پھر انکار کیا۔ اِسپر ظالم بادشاہ نے سیاہ قلب مخدوم الملک سے کہا کہ اب تم کو اختیار ہے۔ مخدوم الملک تو منتظر ہی تھا۔ فوراً کوڑہ بازی کا حکم دیا۔ شیخ علائی اول تو مصیبت سفر سے مضمحل ہو رہے تھے دوسرے اتفاق سے گردن میں طاعون کی گلٹی نکل آئی تھی۔ تیسرے ہی کوڑے میں پاک روح نے قفس عنصری سے پرواز کرکے فردوس بریں کی راہ لی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون +

یہ حادثہ ۹۵۵ھ کا ہے۔ ذاکرُاللہ اور سَقٰہُم رَبُّہُم شرابًا۔ شہادت کی تاریخیں ہیں۔ بیرحم مخدوم الملک کو جو درویشوں سے خاص عداوت رکھتا تھا۔ اِسپر بھی صبر نہ آیا۔ لاشۂ بے جان کو ہاتھی کے پاؤں سے بندھوا کر بخوبی تشہیر کرایا یہاں تک سنگدلی پر کمر باندھی کہ نعش کے دفن کی بھی ممانعت کردی۔ مورخین کا بیان ہے کہ اتفاق سے اُس دن ایسی زور کی آندھی آئی کہ عوام کو قیامت کا گمان ہوگیا۔ اور اِس واقعہ سے تمام لشکر میں ماتم پڑگیا۔ اور لوگوں کو یقین ہوگیا کہ اب سلیم شاہ کی دولت عنقریب زوال پذیر ہے۔ چنانچہ چار برس بھی پورے نہونے پائے تھے کہ اُسکے حوالیٔ مقعد میں دنبل نکلا۔ اور مرض سرطان عارض ہوا۔ درد کے صدمہ سے بیقراری اور حالت اضطرابی میں اکثر یہ کلمۂ کفر اُسکی زبان سے نکل جاتا تھا کہ میں خدا کو اتنا غالب نہیں جانتا تھا۔ نقل کفر کفر نباشد۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ آخر کار اِسی حالت میں مرگیا +

آندھی کے فرو ہونیکے بعد لوگوں نے اِس کثرت سے نعش پر پھول ڈالے کہ نعش اُنسے چھپ گئی۔ مزار بیانہ میں واقع ہے اور مسلمانوں کا عموماً اور مہدوی فرقہ کا جو ریاست جیپور اور دکن میں موجود ہے خصوصًا زیارتگاہ ہے +

سعید احمد مارہروی

سرمد شہید

سرمد کی شہادت اگرچہ ہر خاص و عام میں مشہور ہے مگر اسکے واقعات اردو زبان میں آجتک قلمبند نہیں ہوئے تھے۔ نظام المشائخ کے شہید نمبر کے لیے میں نے اپنے مخلص قدیمی مولانا ابوالکلام محی الدین آزاد دہلوی قادری نقشبندی سے درخواست کی کہ سرمد کا شہادت نامہ لکھدیں۔ چنانچہ انہوں نے باوجود عدیم الفرصتی و علالت اسکو لکھا اور خوب لکھا۔ باعتبار ظاہر اردو زبان میں اس سے اعلیٰ و شاندار الفاظ آجکل کوئی جمع نہیں کر سکتا اور باعتبار معانی یہ سرمد کی زندگی و موت کی بحث نہیں معلوم ہوتی بلکہ تمام درویشی پر ایک مستانہ و البیلا خطبہ نظر آتا ہے۔ مولانا آزاد کا اور انکے اوصاف کا تعارف کرانا اسیطرح دشوار ہے جسطرح سرمد کی زندگی و شہادت کا واقعہ لکھنا مشکل تھا۔ آزاد مسلمانوں کے اس دور آخر میں اگلے وقت کی ذہانت و ذکاوت کا مجسم ظہور ہیں۔ اگر مسلمانوں کی قدردان حکومتیں باقی ہوتیں تو ہم جیسے بے نوا لوگ آزاد تک کہاں پہنچ سکتے۔ کیونکہ انکے گرد تاجداروں کا حلقہ ہوتا۔ وہ ایک مشہور صوفی بزرگ مولوی خیرالدین صاحب قادری نقشبندی کے صاحبزادے ہیں جنکے اضلاع بمبئی و کلکتہ و بنگال میں ہزار ہا مریدین پائے جاتے ہیں۔ عربی فارسی اردو۔ تینوں زبانوں پر انکو پورا قابو حاصل ہے۔ تحریر کا نمونہ تو ناظرین کے سامنے ہے۔ تقریر اس سے بڑھکر دل آویز اور جادو خیز ہوتی ہے۔ ہندوستان کے اکثر نامی جلسوں میں لوگوں نے ان کی سحر بیانی سنی ہے۔ ابھی کم سن ہیں۔ بظاہر اٹھارہ سالہ معلوم ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ انکی

زندگی کو ہماری خواہش پر چھوڑ دے تو اپنے جیتے جی اُن کو کبھی نہ
مرنے دیں + (حسن نظامی)

آنانکہ غم تو برگزیدند ہمہ | در کوے شہادت آرمیدند ہمہ
در معرکۂ دو کون فتح از عشق ست | باآنکہ سپاہ او شہید اند ہمہ

خواجہ صاحب مُصر ہیں کہ **سرمد** پر کچھ لکھوں۔ اور میرا حال یہ ہے کہ سفر میں ہوں۔ اور اپنے حیات کدہ یعنے کتب خانے سے تیرہ سو میل دور ہوں تاہم بعض اصرار ایسی زبانوں سے ہوتے ہیں جن کا جواب صرف تعمیل ہی ہوتا ہے مجبوراً مرقع کی جگہ خاکے کی چند ٹیڑھی سیدھی لکیریں صفحوں پر کھینچے دیتا ہوں +

عہد عالمگیری اور اُسکے بعد جسقدر فارسی تذکرے لکھے گئے۔ اِن میں بالعموم **سرمد** کے عنوان سے بھی چند سطریں ملتی ہیں۔ لیکن اول تو قدیم تذکروں کے حالات اِسقدر مختصر اور ناکافی ہوتے ہیں کہ اگر زندگی میں اُنکے نام خطوط لکھے جاتے تو لفافے کے لیئے پورا پتہ بھی میسر نہ آتا۔ اور پھر جو کچھ ہوں موقت یہ ہے کہ اسوقت سامنے نہیں۔ میں نے عہد **عالمگیری** کی تاریخوں کو دیکھا کہ شاید حوادث و واقعات کے ضمن میں کچھ حالات ملجائیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ پولٹیکل عاقبت اندیشیوں نے قلم کو روک لیا تھا۔ مرزا **محمد کاظم** نے عالمگیر کے حکم سے تمام سوانح و حالات بقیدِ سنین قلمبند کرنے شروع کیئے۔ لیکن صرف دس سال کے حالات لکھے تھے کہ حکماً یہ سلسلہ بند کردیا گیا۔ اِسکے بعد شاہ عالم کے عہد میں **نواب عنایت اللہ** کو خیال تکمیل ہوا اِسکے اشارے سے **مستعد خاں** نے بقیہ چالیس سال کے سوانح قلمبند کیئے اور ابتدائی دس سال مجموعے کا انتخاب شامل کرکے **مآثر عالمگیری** نام رکھا۔ میں نے

سنہ ہجری کے حالات کی ورق گردانی کی کہ یہی سرمد کی شہادت کا سن ہے مگر حالات کا ملنا ایک طرف۔ معلوم ہوتا ہے کہ پوری ستعدی کے ساتھ تاریخ کے صفوں کو بچایا گیا ہے کہ اس شہید عشق کے جامۂ خونچکاں کی قطرہ افشانی سے حاشیے پر کہیں دھبے نہ پڑ جائیں۔ لطف یہ کہ اسی سال **شاہ عباس ثانی** اور **حسین پاشا رومی** (غالباً والی حجاز) کے سفرا آئے تھے۔ اُن کے حالات کی سطریں صفحے کی انتہا تک پہنچکر بھی آگے بڑہنے سے نہیں رکتیں خیر۔ حالات بھی کچھ نہ کچھ اہمیت رکھتے تھے علاوہ بریں یہ کہ اس سال نواح دہلی میں کہیں چند لڑکے شاہ ووزیر کی نقل کھیل رہے تھے۔ ان میں ایک کوتوال اور ایک مجرم بھی تھا۔ صنوعی کوتوال نے غیظ و غصے میں آکر مصنوعی مجرم کو اصلی سزا دیدی۔ نصف صفحے کے قریب اس حادثۂ عظیم اور داستان اہم کی نذر کیا گیا۔ مورخ کی نظر کا جب یہ حال ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے قصوں کے ہجوم میں سرمد بیچارے کی نعش کیونکر نظر آتی۔؟

خافی خاں کی منتخب اللباب عہد مغلیہ کی مشہور ترین تاریخ ہے جس نے اورنگ زیب کے حالات اس تفصیل سے لکھے ہیں۔ گویا صرف یہی زمانہ موضوع کتاب ہے۔ قیاس کہتا تھا کہ اس نے یہ واقعہ نظر انداز نہ کیا ہوگا۔ کیونکہ عالمگیر عہد کا قلم اُسکے ہاتھ میں نہ تھا جسکو ہر قدم پر روک لیے جانے کا اندیشہ ہو۔ مگر جب اُسے کہولا تو ہزار صفحے کے سوانح میں ایک لفظ بھی سرمد کی نسبت نہ تھا سچ یہ ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا راز مورخ کا قلم ہے۔ آج کون کہہ سکتا ہے کہ اُس کی باگ میں کتنی گرہیں ڈالدی گئیں تہیں۔

سرمد کی شہادت کا وہی سن ہے جس سن میں **کوچ بہار اور آسام** پر چڑھائی کیگئی۔ اس لیئے دونوں تاریخوں نے اس سال کے حالات کا نصف حصہ

اِسی فتحیابی کی داستان سرائی میں صرف کر دیا۔ فتح آسام کی اہمیت بیان میں شک نہیں مگر **مستعد خاں** کو کیا معلوم تھا۔ کہ تماشا گاہ عالم میں ایسی آنکھیں بھی ہیں جو اس شادمانی فتح پر تو غلط انداز نظر بھی نہ ڈالیں گی۔ مگر اُس غم اثر شکست پر ہمیشہ خونچکاں رہیں گی۔ جو ایک مجنون لیلائے حقیقت کو دار پر کھینچکر اِسعرکۂ حق پرستی میں عالمگیر کو نصیب ہوئی! +

قصہ مختصر بایں ہمہ دو کتابیں ایسی پیش نظر ہیں جنسے زیادہ معتبر راوی سرمد کے لیے نہیں ہو سکتے۔ پہلا شخص **شیر خاں لودی** ہے جو بغیر کسی واسطہ کے عالمگیری عہد کے واقعات لکھتا ہے۔ کیونکہ اِسی عہد کا تذکرہ نویس ہے۔ اِسکا تذکرہ **مرآۃ الخیال** میرے ساتھ ہے۔ دوسرا شخص **علی قلیخاں داغستانی** عہد محمد شاہ کے اُمرا میں سے ہے۔ جس نے نہایت تفحص و احتیاط سے شعرائے فارسی کا تذکرہ **ریاض الشعرا** مرتب کیا۔ اِس کا قلمی نسخہ مصنف **ایشیاٹک سوسائٹی بنگال** کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اور زیادہ تر حالات میں نے اِسی سے لیئے ہیں۔ یہ گو عہد محمد شاہ میں لکھ رہا ہے لیکن سرمد کے حالات کے لیئے ایک واسطے سے زیادہ دور نہیں۔ اِس کے علاوہ عام تذکروں نے جو کچھ لکھا ہے۔ ذہن میں کچھ نہ کچھ محفوظ ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی میں ایک **بیاض** قلمی عہد عالمگیر ثانی کے کسی خوش مذاق شاعر سراج الدین **سراج** کی جمع کی ہوئی ہے۔ اِس میں کہیں کہیں حالات بھی دیئے ہیں۔ چند باتیں اُس سے معلوم ہوئیں۔ غرض **گلدستہ** تو نہ بنا مگر چند پتوں اور پنکھڑیوں کو دامن میں لے لیا ہے کہ **مشہد سرمد** پر جاؤں تو خالی ہاتھ کیا جاؤں! +

ابوالکلام آزاد

سرمد کی اصل قومیت اور مذہب کو کوئی صاف نہیں تبلاتا۔ مصنف **مرآۃ الخیال** کا بیان ہے کہ "اصلش از فرنگستان ارمنی بود"۔ مگر باقی تذکرے یہودی الاصل تبلاتے ہیں۔ **والہ داغستانی** اسپر اتنا اور بڑھاتا ہے کہ وطن کاشان تھا۔ مگر یہ اختلاف باہم متناقض نہیں۔ کیونکہ ایران میں قدیم سے ارمنیوں کی وسیع آبادی موجود ہے جو بالعموم مسیحی اور بعض بعض یہودی ہیں۔ اب تو انہوں نے یکسر یورپین طرز معاشرت اختیار کرلی ہے۔ اور تحصیل علوم جدیدہ میں تمام ایرانی جماعتوں سے پیشرو ہیں۔ مگر ایک صدی پیشتر تک اُن میں مذہب کے سوا کوئی بات مسلمانوں سے مختلف نہ تھی۔ اُن میں سے بعض اسلامی علوم وآداب کو اس حد تک حاصل کرتے تھے کہ مسلمانوں کی تعلیم یافتہ صحبتوں میں شریک ہوسکتے تھے چنانچہ تذکروں میں متعدد شعرا کے حالات ملتے ہیں جو ارمنی اور مسیحی تھے۔ مگر انکے اشعار ایران کے مسلمان خوشگو شعرا کے کلام سے کسی طرح کم نہیں۔ سرمد کا خاندان بھی ارمنی اور یہودی ہوگا۔ کاشان میں متوطن ہونگے۔ ارمنی ہونیکی وجہ سے لوگوں کو خیال پیدا ہوا ہوگا کہ فرنگی ہے اور ایک باہر کے غیر معروف آدمی کی نسبت ایسا دھوکا ہونا کچھ عجیب نہیں +

آفتاب جب چمکتا ہے تو باغ وچمن کو نہیں ڈھونڈھتا کہ اپنی کرنوں کا انہیں نشیمن بناؤں۔ اسکا فیضان ضوبخش مبدء فیاض کی طرح فیض عام ہے قصر شاہی کے کنگروں کے طلائی کلس اگر اسکی ضوافشانی سے چمک اُٹھتے ہیں تو جنگل کے خشک درختوں کی شاخوں پر سنہری رنگ نہیں چڑھجاتا؟ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ میرا مقصد نظام شمسی کے مرکز سے نہیں بلکہ **آفتاب اسلام** سے ہے اُس اقیانوس تجلی کی لہریں اُٹھیں تو اُنہوں نے پہلے تو جسم وخون اور قوم و مرز وبوم کے قائم کیے ہوئے امتیازات کو خس وخاشاک کی طرح بہادیا۔ پھر سیرابی کا

وقت آیا تو احرار قریش اور ارقائے حبش، بطحا و یثرب اور عجم و فرنگ، تاجدار غسان اور بادیہ نشین عرب، ادنےٰ و اعلےٰ، دور و نزدیک سب کو یکساں طور پر شریک فیض کیا۔ صرف صلاحیت اور اثر پذیری معیار فیض رسانی تھی کہ ہر قوم اور ہر زمین بقدر صلاحیت حصہ یاب ہوئی۔ ابوجہل قریشی تھا اور خزانے کے پاس مگر مدت العمر محروم رہا۔ بلال حبشی اور سہیل رومی تھا۔ پھر کسقدر دور۔ مگر ان کے دامن دیکھیے تو مالا مال تھے۔ ابر کرم کہاں نہیں برستا؟ مگر مرزمین لالہ زار نہیں بنجاتی

توفیق باندازہ ہمت ہی ازل سے آنکھوں میں ہو وہ قطرہ کہ گوہر نہوا تھا

یہ اسی فیاضانہ فیض بخشی کا نتیجہ تھا کہ عرب گو مبدء و منشاء اسلام تھا۔ مگر اسکی کوئی خصوصیت نہیں رہی۔ نومسلم قومیں جو دور دراز ملکوں سے آتی تھیں۔ ہر علم و فن میں اسطرح دست بر علم ہوئیں کہ خود عرب کو اُنکے لیے اپنی صفیں توڑ دینی پڑیں۔ یہاں تک کہ آج تراجم و رجال کی کتابیں اُٹھاکر دیکھتے ہیں تو کوئی علم و فن ایسا نظر نہیں آتا جسپر نومسلم قوموں کا تسلط نہو۔ حتیٰ کہ فقر و تصوف جسکی مذہب کے تالے میں پرورش ہوتی ہے۔ اسکی تاریخ بھی نومسلم اشخاص کی خود فروشیوں کی منت پذیری سے آزاد نہیں۔ بات یہ ہو کہ خدا کی محبت کی طرح اسلام کی بے دریغ فیض بخشی بھی اسطرح عام تھی کہ نسب و قومیت کے امتیازات کو اُس میں دخل نہ تھا محرم کی سبیلیں جب لگائی جاتی ہیں تو پیاسوں کی تلاش ہوتی ہے۔ زریں کلاہوں اور ریشمی قباؤں پر نظر نہیں پڑتی۔ سرچشمۂ فیضان الٰہی بھی تشنگانِ محبت کو ڈھونڈھتا ہے۔ نسب و قومیت اور رنگ و خاندان سے اُسے کیا سروکار؟

اِس عام فیض بخشی کی ایک نمایاں نظیر سرمد کی سوانح عمری بھی ہو۔ وہ ایران کے کسی ارمنی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اور مذہبًا یہودی یا مسیحی تھا۔ آغاز عمر ہی میں فیضان الٰہی کی نظر انتخاب پڑی۔ اور جذب ہدایت کی کشش نے مشرف باسلام کیا

خاندانی نام کا پتہ نہیں چلتا اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد کیا نام رکھا گیا۔ عام طور پر صرف سرمد کے لقب سے تذکروں میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ سرمد کا بے نام ہونا جائے تعجب نہیں۔ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی شرع میں بے نام و نشان تو رکنِ اولین بلکہ شرطِ ایمان ہے۔

باوجودت زمن آواز نیامد کہ منم

لیکن بعض تذکروں میں سعیدا سے سرمد کے عنوان سے اسکے حالات درج کیے گئے ہیں۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ اسلامی نام کا ایک جزو شاید لفظ سعید ہوگا جو بقاعدہ تخفیف تخلص کے ساتھ مشہور ہو گیا۔

تحصیل علمی کا حال معلوم نہیں۔ لیکن تذکرے متفق اللفظ ہیں کہ علم و فضل اور عربیت میں درجۂ کمال رکھتا تھا۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ تحصیل علمی اس زمانے کے نصاب کے مطابق کامل ہوگی۔

ابتدائی پیشہ تجارت تھا۔ ایران سے تجارتی اموال لیکر ہندوستان کی طرف بڑھا کہ اُس زمانے میں علم و فن کی طرح جنس و متاع کی بھی نمایش گاہ ہندوستان تھا مگر یہ جوان تاجر جو بے خبرِ ہندوستان کیطرف قدم زن تھا۔ نہیں جانتا تھا کہ وہاں پہنچکر کس تجارت میں اُسے اپنا تمام سرمایہ لگا دینا پڑے گا۔ وہ شاید ایرانی مصنوعات فروخت کرکے ہندوستان کی قیمتی اجناس اور محسود عالم کانوں کے لعل و الماس خریدنا چاہتا تھا۔ لیکن اُسے معلوم نہ تھا کہ قضا و قدر اسکے خلاف فیصلہ کر چکی ہے۔ تجارت تو اُسے بہر صورت آخر حیات تک کرنی پڑے گی۔ مگر زخارفِ مادی کی تجارت گاہوں میں نہیں، بازارِ حسن و عشق میں جہاں چاندی سونے کی جگہ دلِ صد پارہ اور جگرِ صد زخم خوردہ کا سکہ رائج ہے۔ اور جہاں کی تجارت یہ ہے کہ صبر و شکیب، ہوش و خرد۔ دل و جگر دے کر ایک غلط انداز نظر، ایک چینِ جبیں، ایک

تغافل پیشہ نگاہ خرید لیجیے کہ اس سہل قیمت پر یہ متاعِ مشکل مفت ہے +

صد مُلکِ دل بہ نیم نگہ میتواں خرید خوباں دریں معاملہ تقصیر میکنند

اور صرف اتنا ہی نہیں کیونکہ یہ تو اس بازار کی نمایشی اور سامنے کی چہل پہل ہے اگر ہمت قدم آگے بڑھائے تو پھر وہ آخری سودا بھی کرنا پڑے گا جسکی قیمت نقدِ جان ہے اور جسمیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ حیات کا لبریز پیمانہ خونِ شہادت کے ایک لبریز جام سے بدل لیا جاتا ہے اور ثمنِ بخس کے معاوضے میں اگر یوسف ملے تو کون خیرہ نظر ہے جو اس متاع کا مشتری نہ ہو ؟

دو عالم نقدِ جاں بر دست دارند ببازارے کہ سودائے تو باشد

اس زمانے میں ایرانی سیاح عموماً سندھ ہوکر ہندوستان آتے تھے۔ سندھ کے شہروں میں ٹھٹھہ ایک مشہور شہر تھا، جسکو اب نئے جغرافیے میں گمنامی کا خانہ نصیب ہوا ہے : یہی ٹھٹھہ وہ سینائے مقدس تھا، جو سرمد کے لیے تجلی گاہ ایمن بنا، اور لیلائے حسن نے اول اول اپنے چہرے سے نقاب الٹی ؛ کہتے ہیں کہ ایک ہندو لڑکا تھا۔ جسکی چشمِ کافر نے یہ افسوں طرازی کی۔ اور ایسا ہونا کچھ مستبعد نہیں، کیونکہ عشق خیز دلوں کو دونیم کرنے میں بخیہ گر کی سوئی اور جلاد کی تیغ، دونوں برابر ہیں، یہاں تجارت میں خریدار عموماً بے پروا و بے نیاز۔ مگر صاحب جنس غرضمند ہوتا ہے۔ پھر جو لوگ کہ اپنے دلوں کو ہاتھوں پر بطرز نذر رکھے ہوئے خریدار ڈھونڈتے ہوں۔ انہیں تو حق ہی نہیں کہ خریدار میں خاص اوصاف کے طالب ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سادہ لوح ایرانی تاجر بھی متاعِ دل کی کس مپرسی سے تنگ آگیا تھا۔ اور خود خریدار کو بے تابانہ ڈھونڈھ رہا تھا۔ جب خریدار ملگیا تو نظر اُٹھا کے دیکھا تک نہیں کہ کون ہے اور کیا لیکے آیا ہے ؟ اسی کو غنیمت سمجھا کہ دل جیسی متاع ارزاں کی ایک چشم سحرکار طالب ہے۔ اور بلا تامل یہ سودا منظور کر لیا ؎

دلالِ عشق بود و خریدار جانستاں خود را فروختیم چہ سودا بمارسید

سرمد کو آیندہ جس صحرا میں بادیہ پیمائی کرنی تھی یہ اُسکی طرف پہلا قدم تھا۔ اور کچھ سرمد ہی کی خصوصیت نہیں۔ عشق خواہ کسی عنوان ہو منزل حقیقت کا ہمیشہ سے پہلا قدم ہے بلکہ یہ کہنا بھی تنزل ہے۔ منزل حقیقت کا کیا ذکر۔ عشق تو وہ دروازہ ہے، جس سے گزرے بغیر انسان انسان نہیں ہو سکتا۔ جسکے دل و جگر میں ٹیس اور آنکھوں میں تری نہیں، اُسکو معنی انسانیت سے کیا واسطہ؟ تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ زاہد معتکف بھی بایں ہمہ تعبّس و تقشّف جب اپنے زاویہ عبادت میں سربزانو ہوتا ہے تو حور و غلمان کی مسکراہٹ سے لطف لیئے بغیر نہیں رہسکتا۔ یعنے جو خشک دماغ مسجد کے گوشوں اور حجروں میں دوست کو ڈھونڈتے ہیں۔ اُنہیں بھی اِس تصور کے بغیر چارہ نہیں ؎

حور و جنت جلوہ بر زاہد دہد در راہ دوست اندک اندک عشق در کار آورد بیگانہ را

یہی وجہ ہے کہ جو سوداز دگانِ حقیقت شاہد ازلی کے جاں دادہ ہیں اُنہیں بھی عشق مجازی کے کوچوں میں در و دیوار سے سر ٹکراتے دیکھا گیا ہے۔ کیونکہ دل جب تک لذت آشنائے درد نہو۔ برف کی ایک قاش ہے جسکو پانی بنتے دیکھا ہے مگر آگ میں جلتے ہوئے کبھی نظر نہ آئی۔ حالانکہ انسانیت کا مفہوم یکسر سوز و گداز ہے۔ اور عشق کا کلیسا آتشکدہ ہے۔ یہاں وہی آتش طلب قدم رکھ سکتے ہیں جو اپنے دلوں کو اِس آتشکدے پر نذر چڑھا دیں۔ اور پھر دامن سے ہوا بھی دیتے جائیں کہ کہیں شعلوں کی بھڑک کم نہو جائے ؎

افسردہ را نصیب نباشد دل کباب آں یاد باد نوالہ کہ مہمان آتش است

عشق الٰہی کی پہلی شرط یہ ہے کہ ماسوا کی طرف سے آنکھیں بند کرلیجائیں۔ مگر انسان آب و گل تعلقات میں اِس طرح پا بگل ہے کہ جب تک دل پر درد کی کوئی محکم چوٹ نہ لگے

ادہر سے ٹوٹ نہیں سکتا۔ مکھی جب شہد پر بیٹھ جاتی ہے تو جب تک اُڑائیے نہیں نہیں اُڑتی۔ انسان کا دل بھی جب تک چوٹ نہ کھائے۔ دنیا کی لذتوں کو نہیں چھوڑتا۔ یہ چوٹ صرف عشق ہی کے ہاتھوں لگ سکتی ہے عشق ہی کا فرشتہ اپنے بازوؤں میں وہ مافوق الفطرۃ طاقت رکھتا ہے کہ اُسکی تیغ کا پہلا ہی وار خون کی تاروں سے بندہے ہوئے رشتوں اور دنیا کی دلفریبیوں کی جکڑی ہوئی زنجیروں کے دو ٹکڑے کر دیتا ہے۔ اور دل جب ہر قسم کی بندشوں سے آزاد ہو کر اپنے آپ کو دیکھتا ہے تو حلقۂ ازل کے سوا اور کوئی بیڑی پاؤں میں نہیں ہوتی۔ اسی درد کے لیئے عارف عطار بیقرارانہ فغاں ساز ہے کہ ؎

کفر کافر را و دین دیندار را ذرۂ دردے دلِ عطار را

غور کرو جس مُردہ دل کو کبھی یہ وقتِ خوش نصیب نہوا کہ کسی بند نقاب کے ٹوٹنے کے تصور میں اپنے خرمن ہوش و حواس پر بجلیاں گرائے۔ اُسکو شاہد حقیقت کا نظارہ حواس ظاہری سے کب کھو سکتا ہی؟ جس افسردہ نفس نے اپنی عزیز اور شیریں راتیں کسی نرگس خواب آلود کی یاد میں نہ کاٹی ہوں۔ اُسکو معشوقِ حقیقی کی یاد میں بے چین راتیں کب نصیب ہوں؟ جس خیرہ دماغ نے اپنے سرمایۂ عجز و نیاز کو کسی مغرور ناز کی کج ادائیوں اور بے نیازیوں پر نثار نہ کر دیا ہو۔ وہ خود پسندی اور خود آرائی کے بُت کو کیونکر توڑ سکتا ہے؟ جس بے حس کو کسی پیکرِ حُسن کی صدائے شیریں نے مبہوت اور لایعقل نہ کر دیا ہو اُسکو سازِ ازلی کی نغمہ سرائی پر کیونکر وجد آئے؟ غرضکہ جس بدنصیب کو کسی مستِ حُسن کی نگاہ بے محابا بیخود نہ کر دے اُسے جلوۂ طور پر کیوں غش آنے لگا؟ جو فتیلہ پہلے جل چکا ہو وہ فوراً [illegible] ہے لیکن نئے فتیلے کو بہت دیر تک آگ دکھلانی پڑتی ہے ؎

محبت بادلِ غمدیدہ الفت بیشتر گیرد چراغے راکہ دودے ہست در سر زود گیرد

نظریں اگر جویائے حسن ہیں تو روئے پنہاں کے نظارے کی کیوں منتظر ہیں؟ انہیں تو پردۂ نقاب کی زیبائی پر ہی لوٹ جانا چاہیے۔ کنعان کی گمگزدہ پیر آنکھوں نے جلوہ یوسفی کا انتظار نہیں کیا۔ پیراہن یوسفی کی بو پاتے ہی کھل گئیں کہ انی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون۔ یہی وجہ ہے کہ میخانہ حقیقت میں جب مجلس گرم ہوتی ہے تو پہلے جام و مینا کا دور چلتا ہے۔ اور جب اُسکے تلخ گھونٹ گوارا ہوجاتے ہیں تو پھر خود ساقی اپنے چہرے سے نقاب اٹھا دیتا ہے کہ اب جام و سبو کی ضرورت نہیں۔ اسکی نگاہ نشہ خیز سے خود رفتگی و خودگزشتگی حاصل کیجئے

ے حاجت نیست مستیم را در چشم تو تا خمار باشد

[illegible] آگے بھی یہ جام رکھا گیا۔ اور جام کی خوبی بہت کچھ جام پیش کرنیوالے [illegible] رعنائی پر منحصر ہے۔ اسلیے ہم اُس ہندو لڑکے کو بھولنا نہیں چاہتے۔ [illegible] کی نگاہ لیلےٰ روش نے سرمد کو مجنون بنایا۔ مگر افسوس کہ سرمد عاشق قیس [illegible] کی قسمت کہاں سے لائے؟ سرمد کے لیلےٰ کا زیادہ سے زیادہ حال جو معلوم [illegible] ہے کہ ایک ہندو لڑکا تھا۔ اور غور کیجئے تو یہ بھی بہت ہے۔ کیونکہ بازار [illegible] سودا چکایا جاتا ہے تو یہ کب دیکھا جاتا ہے کہ خریدار کون ہے [illegible] مل رہی ہے؟ ے

[illegible] نسبت دے نمی دانم کہ مشتری چہ کس ست و بہائے ما چند ست

[illegible] بھی ہم آہنگ نہیں کہ یہ واقعہ کہاں ہوا۔ والہ داغستانی [illegible] سورت میں۔ اور آزاد بلگرامی نے اپنے کسی تذکرے میں عظیم آباد لیکن ان سب میں مرآۃ الخیال قدیم العہد ہے اور اُس کا [illegible] تجارت بشہر تتہ افتاد۔ بر ہندو پسرے عاشق گشت"

اس لیے ہم نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ بہرکیف بجلی کہیں گری ہو۔ دیکھنا یہ ہے کہ دہقان کے خرمنِ سوختہ کا کیا حال ہوا؟

عشق کی سورش انگیزیاں ہر جگہ یکساں ہیں۔ ہر عاشق گو قیس نہو مگر مجنون ضرور ہوتا ہے۔ اور جب عشق آتا ہے تو عقل و حواس سے کہتا ہے کہ میرے لیے جگہ خالی کردو۔ سرمد پر بھی یہی حالت طاری ہوئی۔ اور جذب جنوں اسطرح چھایا کہ ہوش و حواس کے ساتھ تمام مال و متاعِ تجارت بھی غارت کردیا۔ دنیوی تعلقات میں سے جسم پوشی کی بیڑی باقی رہ گئی تھی۔ بالآخر اِس بوجھ سے بھی پاؤں ہلکا ہوگیا کہ پابندیاں تو مدعیان ہوشیاری کے لیئے ہیں۔ مجنون لایعقل مرفوع القلم ہوتے ہیں ؎

خطا بمردمِ دیوانہ کس نمیگیرد جنوں نداری و آشفتہ خطا اینجاست

بیابان نوردی عالمِ عشق کی سیر و سیاحت ہو کہ اسی سے انسان کی عقل تجربہ کار پختہ ہوتی ہے۔ "مجنوں" جو صفِ عشاق میں نمایاں نظر آتا ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ صحراگردی میں کوئی اسکا حریف نہیں۔ سرمد نے بھی مدتوں صحرا کی خاک چھانی سندھ کے ریگ زاروں سے تلوے گرم کیئے۔ ہندوستان کے گرم و سرد موسموں کو یکساں عریانی میں کاٹ دیا اور بالآخر جب یہ عقدہ کھلا کہ ؎

بیہودہ چرا در طلبش میگردی؟ بنشیں! اگر او خداست خود می آید

تو پھر ایک مستقر کی تلاش ہوئی جہاں بیٹھکر عشق کے آخری امتحان کا انتظار کیا جائے۔ لیکن جب نتیجہ یہی تھا تو پھر یہ بیابان نوردی کیوں تھی؟ مگر نہیں خود کہہ چکا ہوں کہ یہ بھی عشق کے قانونِ کمال میں داخل ہے اور عشق کے قانون میں استثنا نہیں ؎

یکے از دستگیر ہپائے عشق است عزیزاں را بخواری برکشیدن

یہ وہ زمانہ تھا کہ عنقریب بساطِ ہند پر عالمگیرؒ ایک نئی چال چلنے والا تھا اور شاہ جہانی حکومت کا عہد آخری اور شہزادہ داراشکوہؒ ولیعہد سلطنت تھا سلسلہ مغلیہ میں داراشکوہؒ ایک عجیب طبیعت اور دماغ کا شخص گزرا ہے۔ اور ہمیشہ افسوس کرنا چاہیئے کہ تاریخ ہند کے قلم پر اسکے دشمن کا قبضہ رہا۔ اس لیے اصلی تصویر پولیٹکل چالوں کے گرد وغبار میں چھپ گئی۔ وہ ابتداسے درویش دوست اور صوفیانہ دل ودماغ کا شخص تھا اور ہمیشہ فقرا اور ارباب تصوف کی صحبت میں رہتا تھا۔ اسکی بعض تحریرات جو دست برد حوادث سے بچ گئی ہیں تبلاتی ہیں کہ ان کا لکھنے والا خود بھی ذوق وکیفیت سے خالی نہیں۔ اسکے صاحب ذوق ہونیکا بڑا ثبوت یہ ہے کہ تلاش مقصد میں دیر وحرم کی تمیز اُٹھادی تھی اور جس نیازکیشی کے ساتھ مسلمان فقرا کے آگے سر جھکاتا تھا۔ ویسی ہی عقیدت ہندو درویشوں کے ساتھ بھی رکھتا تھا۔ اس اُصول سے کون صاحب حال اختلاف کرسکتا ہے۔ کیونکہ اگر اس عالم میں بھی کفر واسلام کی تمیز ہو تو پھر اعمی اور بصیر میں کیا فرق باقی رہگیا؟ پروانہ کو تو شمع ڈہونڈہنی چاہیئے۔ اگر صرف شمعِ حرم ہی کا شیدا ہے تو سوزطلبی میں کامل نہیں۔

عاشق ہم از اسلام خراب است وہم از کفر — پروانہ چراغِ حرم ودیر نداند

سرمد جوشِ جنوں میں پہرتا ہوا جب شاہجہان آباد دہلی پہنچا تو قضانے اشارہ کیا کہ قدم روک لیئے جائیں کیونکہ جس جام کی تلاش ہے وہ اسی منجانہ میں ملے گا۔ مصنف مرآۃ الخیال جو عالمگیر پرستی کے معبد میں صف اولیں کا طالب ہے لکھتا ہے کہ "چوں خاطر سلطان داراشکوہ بجانب مجانین میل داشت صحبت بوے درگرفت" بیچارہ علی شیر ابھی ہوشیاری و دیوانگی ہی بحث میں سرمار رہا ہے۔ اُسے کیا خبر کہ دنیا میں ایسے ترازو بھی ہیں جن کے ایک پلے میں اگر دیوانگی رکھدی جائے تو دوسرا پلا تمام عالم کی ہوشیاری رکھدینے سے بھی نہیں جھک سکتا۔ اور پھر ایسے خریدار بھی

ہیں۔ جنکو اگر ہوش و حواس کا تمام سرمایہ دیدینے سے ایک ذرہ جنون ملسکتا ہو تو بازارِ یوسف کی طرح ہر طرف سے ہجوم کریں بہرکیف خواہ کچھ ہو عالمگیر کی ہوشیاری سے تو یہیں دارا شکوہ کی دیوانگی اور جنوں دوستی پسند آتی ہو کہ وہاں تو تیغ ہوشیاری کشتگانِ حسرت کے خون سے رنگین ہے۔ اور یہاں خود اپنے جسم کے رگہائے گردن سے خون کی نالیاں بہ رہی ہیں! شاید دارا شکوہ بھی عالمگیر جیسے ہوشیاروں کی ہوشیاری سے تنگ آ گیا تھا۔ اسی لیے اُس نے سرمد جیسے مجانین کی صحبت کو ہوش والوں کی مجلس پر ترجیح دی۔

غرضکہ سرمد دارا شکوہ کی صحبت میں رہنے لگا۔ اور اُسے بھی سرمد سے کمال عقیدت تھی۔ اس زمانے میں عشق کی شورش انگیزیاں کبھی کبھی اُسے باہر نکلنے پر مجبور کرتیں۔ لیکن چونکہ معلوم ہو چکا تھا کہ آخری امتحان گاہ یہی ہو۔ اسلیئے شاہجہان آباد سے نکل نہیں سکتا تھا۔ یہاں تک کہ شاہجہان کی علالت اور دارا شکوہ کی نیابت نے عالمگیری ارادوں کے ظہور کا سامان کر دیا۔ اور ایک عرصہ کی شورش و خونریزی کے بعد سنہ ۱۰۶۹ھ میں عالمگیر اورنگ نشین حکومت ہوا۔ یہ زمانہ دارا شکوہ کے ساتھیوں اور ہمنشینوں کے لیئے خود دارا شکوہ سے کم مصیبت انگیز نہ تھا۔ بہت سے لوگ تو دارا شکوہ کے ساتھ نکل گئے۔ اور جو رہگئے اُنھوں نے اپنے آپکو کشتی طوفان میں پایا۔ لیکن اس رہن بے خبری کو اپنے استغراق میں اسکی فرصت کہاں ملتی تھی کہ دنیا کو نظر اُٹھا کے دیکھے اور اگر دیکھتا بھی تو وہاں سے کیونکر نکلتا۔ کیونکہ بایں ہمہ بے خبری اس سے بیخبر نہ تھا کہ اب تک جو کچھ ہوا ہے عشق کی ابتدائی منزلیں ہیں آخری منزل طے کرنی باقی ہے۔ اور وہ یہیں پیش آنیوالی ہے۔ ؎

بیکدو زخم کہ خوردن ز عشق ایمن مباش — کہ در کمیں گہ ابرو کمانکش ست ہنوز

سرمد کی شہادت کے اسباب تذکرہ نویسوں نے مختلف تبلائے ہیں

تذکرۃ الخیال میں ہے کہ سرمد کی اس رباعی پر جُبہ پوشانِ شرع کے کان کھڑے ہوئے۔ اور اُنھوں نے اُسے کفر قرار دیا کہ معراج جسمانی سے انکار لازم آتا ہے ؎

ہرکس کہ سرِ حقیقتش باور شد — او پہن تر از سپہر پہناور شد
مُلّا گوید کہ بر فلک شد احمدؐ — سرمدؔ گوید فلک بہ احمدؐ در شد

مگر اس ترکِ سادہ فقیہانہ جنگ و جدل سے کیا سروکار تھا۔ اُس نے نظر اُٹھا کے دیکھا تک نہیں کہ یہ کورِ بصر کیا شور و غوغا کر رہے ہیں؟ وہ تو اس عالم میں تھا جہاں ان اقرار و انکار کی بحثوں کی آواز بھی نہیں پہنچ سکتی ؎

دریجا بہاے طور عشق حکمتہا کم ست — عقل را با مصلحت اندیشی مجنوں کار چہ

لیکن اصل بات یہ ہے کہ عالمگیر کی نظروں میں تو سرمد کا سب سے بڑا جرم دارا شکوہ کی معیت تھی۔ اور وہ کسی نہ کسی بہانے قتل کرنا چاہتا تھا۔ ایشیا میں ہمیشہ سے پالیٹکس مذہب کی آڑ میں رہا ہے۔ اور ہزاروں خونریزیاں جو پولیٹیکل اسباب سے ہوئی ہیں اُنھیں مذہب ہی کی چادر اُڑھا کر چھپایا گیا ہے۔ جب اور کوئی بہانہ نہ ملا تو عریانی و برہنگی کو کہ خلافِ رسم شرع ہے بنیاد قرار دیا۔ اور مذکورہ بالا رباعی سے نتیجہ نکالا کہ معراج جسمانی کا منکر ہے۔ مُلّا قوی۔ اُس زمانے میں قاضی القضاۃ تھے۔ عالمگیر نے اُنھیں سرمد کے پاس بھیجا کہ برہنگی کی وجہ دریافت کریں۔ مُلّا صاحب نے کہا کہ باوجود کمال علم و فضل برہنہ و مکشوف العورہ رہنا کس عذر پر مبنی ہے؟ سرمد نے کہا۔ کیا کروں شیطان قوی ہے۔ اور فی البدیہ یہ رباعی پڑھی ؎

خوش بالاے کردہ چنیں پست مرا — چشمے بدو جام بردہ از دست مرا
او در بغل منست و من در طلبش — دزدے عجبے برہنہ کردہ ست مرا

مُلّا صاحب برہم ہوئے۔ اور برہم ہونے کی بات ہی تھی۔ کیونکہ اسلام کی توہین نہیں

کی گئی۔ مگر خود اُنکے وجودِ اسلام عبارت کی سخت اہانت ہوئی۔ یعنی اُن کا اسم سامی ابلیس لعین کا وصف قرار پایا۔ بہرکیف اُنہوں نے عالمگیر سے آکر کہا کہ کفر کا کافی سواد ہاتھ آگیا ہے اور قلمدان کھولنا چاہا کہ علمائے ظاہر کی تیغ خون آشام اسی نیام میں رہتی ہے۔ لیکن عالمگیر کی عاقبت اندیشیوں نے صرف اس بہلنے کو کافی نہ سمجھا۔ وہ خوب سمجھتا تھا کہ سرمد کوئی معمولی شخص نہیں ہے جسکا قتل ایک عامۃ الورود واقعہ سمجھا جائے گا۔ علم و فضل کے لحاظ سے کوئی اسکا ہمتا نہیں اور رجوع خلائق کا یہ حال ہے کہ سارا شاہجہان آباد اسکا معتقد اور ہوا خواہ ہے اسلیے جب تک کوئی بہانہ قوی ہاتھ نہ آئے اس ارادے کو ملتوی رکھنا چاہیے۔

اسلام کے اس تیرہ سو برس کے عرصہ میں **فقہار** کا قلم ہمیشہ تیغ بے نیام رہا ہے۔ اور ہزاروں حق پرستوں کا خون اُنکے فتووں کا دامنگیر ہے۔ اسلام کی تاریخ کو خواہ کہیں سے پڑھو مگر سیکڑوں مثالیں کہتی ہیں کہ بادشاہ جب خونریزی پر آتا تھا تو **دارالافتاء** کا قلم اور سپہ سالار کی تیغ دونوں یکساں طور پر کام دیتے تھے۔ صوفیہ اور ارباب باطن پر منحصر نہیں علمائے شریعت میں سے بھی جو نکتہ بین، اسرار حقیقت کے قریب ہوئے۔ **فقہاء** کے ہاتھوں انہیں مصیبتیں اُٹھانی پڑیں۔ اور بالآخر سر دے کر نجات پائی۔ سرمد بھی اسی تیغ کا شہید ہے ؎

چوں سیرود نظیری خونیں کفن بحشر خلقے فغاں کنند کہ این داد خواہ کیست

آخر الامر یہ قرار پایا کہ سرمد کو علماء و فضلائے عصر کے مجمع میں طلب کیا جائے اور تمام علما کی جو رائے قائم ہو اُسکے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ چنانچہ مجلس منعقد ہوئی اور سرمد کو بلایا گیا۔ سب سے پہلے خود عالمگیر مخاطب ہوا اور پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں۔ سرمد نے داراشکوہ کو مژدہ سلطنت دیا تھا۔ کیا یہ سچ ہے؟ سرمد نے کہا ہاں اور وہ مژدہ درست نکلا۔ کہ اُسے ابدی سلطنت کی تاجپوشی نصیب ہوئی

عامہ بندوں نے کہاکہ برہنگی شرع کے خلاف ہی۔ اور اُسکے لیئے صاحب عقل وتمیز کا کوئی عذر مسموع نہیں۔ اِسکا جواب تو سرمد پہلے ہی دے چکا تھا۔

دزدے عجب برہنہ کردہ است مرا

خلیفہ ابراہیم بدخشانی اواخر عہد عالمگیری میں ایک صاحب طریقت بزرگ گذرے ہیں جو ابتدائے جوانی میں سپاہی پیشہ تھے۔ اور فتح اللہ خاں کے ہاں کہ امرائے عالمگیری میں سے تہا نوکر ہوگئے تھے۔ اتفاقاً میر جلال الدین بدخشانی نامی ایک صاحب حال بزرگ کی اُنپر نظر پڑگئی۔ اور اُنکو فیض پذیر دیکھکر اپنی تربیت میں لیلیا۔ رفتہ رفتہ یہ خود بھی صاحب حال ہوگئے۔ علم ظاہری کی تحصیل کا کو موقع ملا۔ لیکن مذاق فطری کا یہ حال تہاکہ مثنوی معنوی کا دفتر ہفتم چار حصوں میں نظم کیا۔ جو درد وکیفیت سے لبریز ہے۔ معزالدین جہاندار شاہ اِن کی خدمت میں کمال اعتقاد تہا۔ اور ہندوستان ودکن میں ہزاروں اشخاص اُنکے معتقد وحلقہ بگوش تھے۔

دالہ داغستانی اِنہیں بزرگ سے روایت کرتاہے کہ جب مجمع علمامیں سرمد کو لباس پہننے کے لیئے کہاگیا۔ اور مسموع نہوا تو بادشاہ نے علماء سے کہا کہ محض برہنگی وجہ قتل نہیں ہوسکتی۔ اِس سے کہاجائے کہ کلمہ طیبہ پڑھے۔ اور یہ اسلیئے کہاکہ بادشاہ سُن چکا تہاکہ سرمد کی عادات عجیبہ میں سے ایک یہ عادت بھی ہے کہ کلمہ طیبہ جب پڑہتاہے تو لاالٰہ سے زیادہ نہیں کہتا۔ علمانے سرمد سے کلمہ پڑہنے کی خواہش کی تو اپنی عادت کے بموجب صرف لاالٰہ پڑھاکہ جملہ نفی ہے اِسپر علمانے شور مچایا تو کہا "ابھی تک میں نفی میں مستغرق ہوں۔ مرتبہ اثبات تک نہیں پہنچا۔ اگر الا اللہ کہوں گا تو جھوٹ ہوگا۔ اور جو دل میں نہو وہ زبان پر کیسے آئے"۔ علمانے کہا ایسا کہنا کفر صریح ہے۔ اگر توبہ نکرے تو مستحق قتل ہے

یہ ظاہر پرست نہیں جانتے تھے کہ سرمد اس سے بہت اونچا ہی کہ کفر وایمان کی بحثیں سنائی جائیں۔ اور قتل وخون کے احکام سے مرعوب ہو۔ یہ کفر ساز تو اپنے مدرسہ و مسجد کے صحن میں کھڑے ہوکر سوچتے تھے کہ اسکی کرسی کتنی اونچی ہے۔ اور وہ اُس منارۂ عشق پر تھا۔ جہاں کعبہ اور مندر بالمقابل نظر آتے ہیں۔ اور جہاں کفر وایمان کے علم ایک ساتھ لہراتے ہیں ؎

کشورے ہست کہ درؔ رود از کفر سخن ہمہ جا گفت وشنو بر سر ایماں نرود

اور سرمد نے تو اپنی اصلی حالت بے کم وکاست بیان کردی تھی۔ ایمان بالغیب پر جو لوگ قانع نہیں ہوتے (اور اس عدم قناعت ہی کا نام تلاش حقیقت ہی) وہ اپنے اقرار کو مشاہدۂ عینی سے استوار کرنا چاہتے ہیں۔ اور شاہد حقیقت کی رونمائی نقد شہادت ہی جو ابھی سرمد کو نصیب نہیں ہوئی تھی۔ پس جس چیز کو دیکھا نہ تھا کیونکر کہتا کہ "ہے"؟ اس ملک کے جتنے رہرو ہیں۔ سب ہی کو اِس منزل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ لیکن سرمد کا جرم یہ تھا کہ وہ جس جام کو چھپکر پیتے ہیں۔ سرمد نے علانیہ مُنہ سے لگایا۔ اور دُرۂ محتسب کا مستحق ٹھیرا ؎

خرقہ پوشاں ہمہ گرمست گزشتند، گزشت قصۂ ماست کہ در کوچہ وبازار بماند

اور نظر تحقیق سے دیکھیے تو یہ اعلان ضروری تھا کیونکہ جب اس سفر کی آخری منزل شہادت تھی تو خواہ ناقہ کا رخ کسیطرف ہوتا دست کار فرما کا فرض تھا کہ اُسی طرف پھیر دے ؎

منصور راکہ رخصت اظہار دادہ اند غیر از قصاص ومحنت زنداں نبودہ شرط

غرضکہ جب سرمد نے توبہ نہ کی تو علما نے بلا تامل فتوائے قتل صادر کیا۔ اور دوسرے دن قتلگاہ میں لے گئے۔ بموجب بیان مراۃ الخیال یہ واقعہ ۱۰۷۰ھ میں ہوا کہ عالمگیر کی تخت نشینی کو تین سال سے زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا ؎

موہیم دوست شد ترسم کہ استیلائے عشق — یک ناگہی گرے دیگر بسر دار آورد

شاہ اسد اللہ نامی ایک مرد درویش وحق آگاہ راوی ہیں کہ مجھے سرمد کی خدمت میں کمال خصوصیت حاصل تھی۔ جب شورش ہنگامہ شروع ہوا تو مجھ سے نہ رہا گیا ایک دن موقع پا کر عرض کیا کہ "اگر اپنی وضع و حالت بدل دیں تو بندگانِ الٰہی کی منت سماحت دیکھتے ہوئے ابطال کوئی نقصان نہیں"! یہ سن کر نظر اٹھائی اور اپنا یہ شعر پڑھ دیا ؎

عمریست کہ آوازۂ منصور کہن شد — من از سرِ نو جلوہ دہم دار و رسن را

جب سرمد کو شہادت گاہ لے چلے تو بیان کیا جاتا ہے کہ تمام شہر ٹوٹ پڑا تھا اور اس قدر ہجوم تھا کہ راہ چلنا دشوار ہو گیا تھا۔ عشق کی نیرنگیاں کو کیا کہیے۔ جہان کا عام پسند تماشا خونریزی ہے۔ اور جہاں قربانی سے بڑھ کر کوئی دلچسپ کھیل نہیں۔ جب کوئی سرداد سر کف بڑھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ دولہے کی سواری جا رہی ہے اور باتیوں کا ہجوم ہے کہ شانے سے شانہ چھلتا ہے ؎

بجرم عشق توام میکشند و غوغائیست — تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست

اگر یہ عشق مجازی تھا کہ سرِ بام آنے کی خواہش تھی۔ ورنہ سرمد کو تو سر اٹھانے کی بھی ضرورت نہ ہوئی۔ جب جلاد تلوار چمکاتا ہوا آگے بڑھا تو مسکرا کے نظر ملائی اور کہا "فدائے تو شوم۔ بیا بیا کہ تو بہر صورتے کہ مے آئی من ترا خوب مے شناسم" صاحب مرآۃ الخیال راوی ہے کہ اس جملے کے کہنے کے بعد یہ شعر پڑھا اور مردانہ وار تلوار کے نیچے سر رکھ کر جان دے دی ؎

شورے شد و از خواب عدم چشم کشودیم — دیدیم کہ باقیست شب فتنہ غنودیم

صاحب مرآۃ الخیال کو عالمگیر کی خوشامد سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ سرمد کی نعش خون آلود پر اشک افشانی کرتا۔ لیکن ستم یہ ہے کہ اس سنگین دلی پر قانع

نہو کر چاہتا ہے کہ کسیطرح یہ خونریزی بھی عالمگیر کے دفتر مناقب و فضائل میں جگہ پائے۔ حالانکہ اس دفتر میں تو پہلے ہی سے ہر صفحہ رنگین ہے۔ اسکو بھی عشق ہی کی شیوہ گری سمجھیے کہ یہاں کی قربانیوں سے جن کے ہاتھ خون آلود ہوتے ہیں وہ مجرم و خونی ہونے کی جگہ تحسین و ثواب کا صلہ مانگتے ہیں۔ گویا میدان عشق بھی قرباں گاہ منا ہے کہ جسقدر خون بہایئے عین ثواب ہے ؎

یہ عجب ہیں رسم دیکھی کہ بروز عید قرباں　　　وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سرمد کی جہاں قبر سمجھی جاتی ہے۔ یہ اسکا مدفن نہیں صرف مشہد ہے۔ لیکن والہ داغستانی نے تصریح کردی ہے کہ "درجنب مسجد جامع گردن اورا زدند۔ و درہماں جا دفن کردند" یہ مقام موجودہ مقام مزار کے سوا اور کون ہوسکتا ہے؟ پھر لکھتے ہیں کہ "راقم حروف بزیارت مزار وے مکرر مشرف شدہ ام درچہار فصل سبزہ از تربتش کم نمی شود۔ والحق فیض عجیبے درزیارت آن منصور ثانی ہست" والہ داغستانی عہد محمد شاہی میں تھا اور اُسکے تذکرے کا سال تصنیف ۱۱۶۱ھ ہے۔ لیکن آج بھی مشہد سرمد زیارت گاہِ عوام و خواص ہے اور ہمیشہ فاتحہ کے ہاتھ اُسکے آگے روبآسمان رہتے ہیں ؎

بر سر تربت چوں گزری ہمت خواہ　　　کہ زیارت گہ رندان جہاں خواہد بود

خلیفہ ابراہیم جنکے حالات اوپر گزرچکے ہیں راوی ہیں کہ سرمد نے زندگی میں کلمہ طیبہ لاالہ سے زیادہ نہیں پڑھا۔ لیکن جب شہادت پائی تو لوگوں نے سنا کہ سر کشتہ سے تین بار الا اللہ کی صدا بلند ہوئی۔ اسکے علاوہ والہ داغستانی لکھتے ہیں کہ ایک ثقہ جماعت سے سنا گیا ہے کہ سرمد کا سر مقتول کلمۂ طیبہ پڑھتا رہا۔ اور اتنا ہی نہیں بلکہ کچھ دیر مصروف حمد الٰہی بھی رہا۔ موجودہ زمانے میں ایسی روایتوں پر لوگ بمشکل یقین لائیں گے۔ اور سوانح نگار کا فرض ہے کہ خوش اعتقادی

روایات اور تاریخ کو الگ الگ رکھئے۔ لیکن ہمیں تو یہ بیان پڑھکر کچھ بھی تعجب نہ ہوا کیونکہ اگر خوش اعتقادی کے کان نہیں ہیں تو کیا حقیقت بینی کی آنکھوں سے بھی محروم ہو جانا چاہیے؟ ہم نے بہار میں شگفتہ و شاداب پھولوں اور خزاں میں افسردہ اور خشک شاخوں کو باتیں کرتے دیکھا ہے۔ پھر اگر ایک شہید عشق کے سر مقتول کی یہیں ملتی نظر آئیں تو کیوں تعجب ہو؟ ممکن ہے کہ سرمد کے بیجان سر سے آواز نہ نکلی ہو مگر ارباب بصیرت نے اسکی زبان حال کو تو ضرور متکلم دیکھا ہوگا اور ڈہائی سو برس سے زیادہ گزر گئے۔ ہمارے کانوں میں تو اب تک مشہد سرمد سے صدا آرہی ہے کہ ؎

کس چہ داند قدر مُرد نہائے عشق؟ منت ایں مرگ بر جان من است

عالمگیر [illegible]۱۰۶۹ء میں تخت نشین ہوا۔ اور تین سال کے بعد سرمد کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ اسکے بعد ایک قرن سے زیادہ عرصے تک حکومت کی۔ اکثر لوگوں کا بیان ہے کہ

خونے کہ عشق ریزد ہرگز ہدر نباشد

یہ۔۔۔ سرمد کے خون کی ہی نیرنگیاں تہیں کہ اس تمام مدت میں عالمگیر کو کبھی راحت و اطمینان کے دن نصیب نہوئے۔ یہاں تک کہ پیغام اجل بھی آیا تو عالم غربت و پریشانی میں۔ ۔۔۔ تاریخ نویس کے قلم سے ایسے جملے نہیں نکل سکتے۔ ہمارے لیئے تو یہی بہتر ہے ۔۔۔ ہوسکے تو عالمگیر کو بھی اس معاملہ میں معذور سمجہیں۔ تاریخ قیاس و ظنون اور شخصی ۔۔۔ پریشان مجموعوں کا نام ہے۔ آج چند میلوں کے فاصلے پر ایک حادثہ گزرتا ہے ۔۔۔ اس کے دو نامہ نگار متفق البیان نہیں ہوتے۔ کس کو معلوم ہی کہ اسوقت کی اصلی ۔۔۔ کیا تھی۔ اور عالمگیر کے گرد و پیش کن حالات و اسباب کا ہجوم تہا؟ پھر یہ بھی ۔۔۔ خود کشتگان عشق جب اپنے قاتلوں سے گلہ مند خفا نہیں تو ہمیں کیا حق ہے ۔۔۔ شکایت سے قلم آلودہ ہوں۔ جب سرمد نے جلاد سے کہ "تو بہر رنگے کہ مے آئی

من ترا خوب مے شناسم"۔ تو اُسے عالمگیر اور عالمگیری علما سے کیا شکایت ہوگی؟ بات یہ ہے کہ دیارِ محبت میں انتقام و دعوے کی شنوائی نہیں۔ اور عشق کے مذہب میں کینہ و عداوت سے بڑھکر کوئی شے حرام نہیں۔ یہاں سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ قاتل تیغ لیکر آئے تو سر جھکا دیجئے۔ اور ہو سکے تو اسکے ہاتھوں کو بوسہ دیجئے

شدست سینہ ظہوری پُر از محبت یار   برائے کینہ اغیار در دلم جا نیست

سرمد کے کلام کا ایک صحیح اور قلمی نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ مگر اسوقت پیشِ نظر نہیں۔ چند سطروں کا ارادہ تہا مگر کئی صفحے ہوگئے۔ اور عشق کی حکایت کب ختم ہونے والی ہے۔ اسلیئے چاہتا ہوں کہ روحِ سرمد پر دستِ فاتحہ اٹھاکر خاموش ہو جاؤں۔ آیندہ کبھی موقع ملا تو سرمد کا کلام پیش کروں گا۔ افسوس ہے کہ یہ داستان مختصر نہو سکی۔ مگر شہیدانِ محبت کی یاد میں جتنی دیر افسردہ رہ سکیئے بہتر ہے ؎

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم   چنانکہ حرف عصا گفت موسیٰ اندر طور

ابو الکلام آزاد دہلوی

دردِ دل۔ قاری سرفراز حسین صاحب عزمی ہمارے اور تمام معاونین نظام المشائخ کے دلی شکریہ کے مستحق ہیں کہ اُنہوں نے اپنے رسالہ دردِ دل کی کئی سو کاپیاں خریداران نظام المشائخ میں مفت تقسیم کرنیکے لیئے ہمیں عنایت کی ہیں۔ دردِ دل پر ہم اپنے کسی گزشتہ پرچہ میں ریویو کر چکے ہیں۔ اسلیئے اب دوبارہ اسکی تعریف کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ بس اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ یہ ۴۴ صفحے کا ایک رسالہ ہے جسمیں ایک تو قاری صاحب کا وہ مقبول لکچر ہے جو اُنہوں نے متھرا کے مشہور جلسہ مذاہب اعظم میں دیا تھا۔ اور دو صوفیانہ مضمون ہیں جن میں سے ایک کا عنوان "سوزِ حیات" ہے۔ اور دوسرے کا "زندگی کی بہار"۔ خریداران نظام المشائخ میں سے جو حضرت اس رسالہ کو منگانا چاہیں وہ اپنا پورا پتہ اور نمبر خریداری مع خرچ ڈاک و روانگی (یعنی تین پیسے کے ٹکٹ) دفتر نظام المشائخ میں بھیجدیں۔ رسالہ بھیجدیا جائیگا۔ اسیطرح نواب صدر الدین خان صاحب رئیس اعظم و سجادہ نشین بڑودہ نے بھی اپنے کئی دلچسپ رسالے مفت تقسیم کرنیکے لیئے بھیجے ہیں جنکا اعلان اگلے پرچہ میں انشاء اللہ

تین مظلوم شہید اُر

برادرم مولانا حسن میاں خلف حضرت مولانا قاری شاہ سلیمان صاحب چشتی قادری کے ہم نہایت شکرگزار ہیں کہ اُنہوں نے باوجود وقت کی قلت کے اتنی جلدی چار شہرہ آفاق شہید مشائخ کے تذکرے قلمبند فرمائے جنکے مطالعہ سے ناظرین مولانا حسن میاں کی وسعت معلومات اور طرزادا کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکیں گے آج ہندوستان میں جو شہرت اور جو تاثیر حضرت شاہ سلیمان کے بیان کی ہے وہ محتاج تعارف نہیں۔ مگر شاہ صاحب کی خوش قسمتی اس اعتبار سے بہی قابل رشک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکے فرزند کو ان کا صحیح اور حقیقی جانشین بنایا ہے۔ مولانا حسن میاں نوعمر طبقہ میں غالباً سب سے زیادہ ذیعلم سب سے زیادہ باعمل سب سے زیادہ روشن خیال سب سے زیادہ ہونہار نظر آتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اُن کی عمر میں برکت دے۔ اور مسلمانوں کو ایسے کارآمد جو

حضرت شہاب الدین مقتول رح

شیخ شہاب الدین مقتول سہروردی چھٹی صدی ہجری کے اکابر علماء و فضلاء سے گذرے ہیں۔ اصل نام یحیٰی (ابن حبش بن امیرک) ہے۔ ابوالفتوح کنیت شہاب الدین اور مؤید بالملکوت لقب۔ مولد و وطن سہرورد۔ اور مقتل و مدفن حلب ہے[1]

بعض کا بیان ہے کہ حضرت شہاب الدین مقتول حضرت شیخ الشیوخ سیدی شیخ شہاب الدین سہروردی (صاحب سلسلہ) قدس اللہ تعالیٰ نعمہٗ سے قرابت رکھتے تھے[2]۔ واللہ اعلم بالصواب +

---

[1] تاریخ ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۳۴۵ - ۱۲ [2] حاشیہ میبذی ۱۲

شیخ شہاب الدین چھٹی صدی ہجری کے وسط میں بمقام سہرورد پیدا ہوئے قدرت نے ذہن وذکا اور علمی مذاق بچپن ہی سے عطا فرمایا تھا۔ تحصیل علوم کی طرف متوجہ ہوئے۔ آخر علمی ذوق وشوق نے گھر چھوڑنے پر مجبور کیا۔ آذربائجان پہنچکر شہر مراغہ میں شیخ مجدالدین جیلی علیہ الرحمۃ سے اصول فقہ اور حکمت و فلسفہ حاصل کیا۔ انہیں کے مدرسہ میں تحصیل علوم سے فراغت پائی اور اس زمانے کے مروجہ علوم مشرقیہ میں کمال تبحر پیدا کیا*

یہ شیخ مجدالدین وہ بزرگ ہیں کہ امام فخرالدین رازی رحمہم اللہ نے بھی ان کے حضور میں مدتوں زانوئے ادب تہ کیا اور علم کلام ودیگر علوم حکمیہ کی عرصے تک انکے مدرسے میں بمقام مراغہ تحصیل کی ہے[۵۱]۔ اس لحاظ سے شیخ مقتول اور امام رازی نہ صرف ہمعصر بلکہ ہم استاد وہم مکتب بھی ہیں شیخ مقتول فروعی مسائل فقہیہ میں امام شافعیؒ کی تقلید کرتے تھے۔ اور شافعی المذہب مشہور تھے[۵۲]*

شیخ مقتول اصول فقہ۔ بلاغت ومعانی وادب وغیرہ میں اعلے دستگاہ اور کامل دخل رکھتے تھے اور علوم فلسفہ وفنون حکمیہ کے تو مسلم امام تھے۔ ارباب تصنیف وتالیف اور علمائے مصنفین کی جماعت میں بھی انکو خاص امتیاز حاصل ہے لیکن ان کے متعدد ومختلف تصانیف میں سے **حکمۃ الاشراق** نہایت مشہور کتاب ہے جو مع شرح علامہ قطب الدین محمود شیرازی درس میں داخل ہے*

علوم عقلیہ وفنون حکمیہ کی تمام کتابوں میں شیخ مقتول رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی نہایت عزت وعظمت کے ساتھ لیا گیا ہے۔ شیخ مسائل حکمت و فلسفہ میں مجتہدانہ رائے، اور اکثر مسئلوں میں اپنا مستقل مذہب رکھتے ہیں جیسا کہ کتب درسیات کے پڑھنے والوں پر روشن ہے*

---

[۵۱] ابن خلکان جلد اول صفحہ ۴۷۴۔ ۱۲ [۵۲] ابن خلکان ۱۲

شیخ مقتول کے متعلق یہ بھی گمان کیا گیا ہے کہ وہ علم سیمیا میں دخل و مہارت رکھتے تھے۔ اور حضرت شیخ سے جو تصرفات یا خوارق عادات ظہور میں آئے انکو اسی علم سیمیا کا اثر و نتیجہ بتایا گیا ہے[۱]۔ لیکن درحقیقت شیخ اشراق نورانی رکھتے اور صاحب کرامات بزرگ تھے۔ انکے عارفانہ کلمات (نظم و نثر) ان کے صوفی اہل دل اور عارف باخبر ہونیکا پتہ دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک موقع پر فرماتے ہیں

"حرام علی الاجساد المظلمة ان یلج فی ملکوت السموٰت توحد الله سبحٰنه وانت بتعظیمه ملاٰن واذکره وانت فی ملابس الاکوان عریان" کہ نور نیت سے دور اور ظلمت سے بھرے ہوئے ابدان و اجسام کی عالم ملکوت تک رسائی حرام و محال ہے۔ تو اے انسان! خدائے برتر کی توحید کو مان اور اسکو وحدہ لا شریک جان۔ درحالیکہ تو اسکی تعظیم سے سراپا مملو ہو اور اسکی یاد کر درحالیکہ تو کون و مکان کے لباس سے مجرد اور عریاں ہو۔" شیخ کا یہ کلام کسقدر سچا، پاک اور عارفانہ ہے +

شیخ چونکہ حکمت و فلسفہ کیطرف توجہ رکھتے تھے اور نیز کلمات توحید برملا کہتے تھے اسلیئے انکو فساد عقیدت کے ساتھ متہم کیا گیا۔ اور رفتہ رفتہ یہ مشہور ہو گیا کہ وہ حکماء متقدمین کا مذہب و مسلک رکھتے ہیں +

انہیں ایام میں شیخ شہاب الدین نے حلب کا سفر کیا۔ کسے خبر تھی کہ یہی سفر سفر آخرت کا سبب ہوگا۔ کچھ ضرور نہ تھا کہ شیخ حلب جاتے اور ایسے زمانہ میں جبکہ انکی مخالفت کا خونی اثر اطراف ملک میں پھیل رہا تھا گھر سے باہر نکلتے۔ بلکہ وطن ہی میں عزلت گزیں ہو کر بسر کرتے۔ مگر یہ کب ممکن تھا جبکہ خدائے ذو الجلال والاکرام کا ارشاد لبرز الذین کتب علیہم القتل الی مضاجعہم

[۱] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۳۴۶ و ۳۴۷ - و نفحات الانس صفحہ ۶۸۳ و مرآۃ الجنان للامام الیافعی ۱۲

اُن پر صادق ہونا اور اُنکو کشاں کشاں اپنے قتلگاہ تک پہنچا تھا۔

سلطان صلاح الدین کی سلطنت کا آخری زمانہ تھا اور حلب میں سلطان کا بیٹا الملک الظاہر حکمراں تھا کہ شیخ مقتول کو حلب کی خاک نے اپنی طرف کھینچ لیا شیخ حلب پہنچے۔ اور اُنکو اپنے قتل و شہادت کا خونی منظر پیش نظر ہونے لگا مخالفت اس حد تک پہنچی کہ علمائے حلب نے اُنپر الحاد و بدمذہبی کا جرم ثابت کرکے اُنکے قتل کیئے جانے کا فتوائے دیدیا۔ پھر کیا تھا۔ قلعۂ حلب میں محبوس کرلیئے گئے۔ کئی ماہ تک قید و بند کی تکلیفیں سہیں۔ اور بے سبری کی مصیبتیں جھیلیں اِن ایام میں اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

ارى قدمي اراق دمي   وهان دمي فها ندمي

آخر سلطانی حکمنامہ اُنکے قتل کے لیئے صادر ہوا۔ شیخ قید خانہ سے باہر مقتل میں لائے گئے۔ اور سر تن سے جدا کرکے اُنکی روح مبارک کو قید جسم سے رہا کردیا گیا لیکن آہ۔ صرف حبس و قتل ہی پر بس نہیں کیا گیا۔ بلکہ اُنکی لاش سولی پر لٹکائی گئی۔ اور کئی دن تک یوں ہی سولی پر نعش لٹکتی رہی فانا للہ وانا الیہ راجعون

بعض مورخین کا بیان ہے کہ شیخ کا حبس ہی میں گلا گھونٹ دیا گیا مختلف روایات تاریخیہ کے جمع کرنیسے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۵۔ ماہ رجب ۵۸۶ھ میں قلعۂ حلب میں اُنکو قید کیا گیا۔ اور پانچ ماہ کی قید کے بعد سلخ ذوالحجہ ۵۸۶ھ کو بعد نماز جمعہ قلعہ کے اندر ہی اُنکو قتل کیا گیا۔ پھر لاش باہر نکالی گئی اور اُسکے بعد سولی پر لٹکائی گئی[۵۱]۔

کہتے ہیں کہ بعد از شہادت شیخ کے متعدد کرامات ظاہر ہوئے جو اُنکی بزرگی اور صاحب مقامات ہونے پر دال ہیں[۵۲]۔

۵۱ تاریخ ابن خلکان جلد دوم تذکرہ شیخ شہاب الدین مقتول۔ و نفحات الانس صفحہ ۶۸۴ و مرآۃ الجنان

حضرت مولانا شمس الدین تبریزی قدس سرہ العزیز سے شیخ شہاب الدین مقتول کی تعریف و توصیف منقول ہے۔ اور حضرت شیخ کو برا کہنے والوں سے وہ تحاشا فرماتے تھے +

حضرت مولانا جامی نفحات الانس میں تحریر فرماتے ہیں:-

وایں موافق مینماید باآنکہ شیخ شمس الدین تبریزی قدس سرہٗ فرمودہ است کہ در شہر دمشق شیخ شہاب الدین مقتول راآشکارا کافری گفتند۔ گفتم حاشا وکلا کہ کافر باشد۔ چوں بصدق تمام درآمد در خدمت شمس بدرکمال گذشت" الخ (نفحات الانس مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۸۴۴)

حضرت شیخ فریدالدین عطار قدس سرہٗ

آپ نیشاپور کے ایک گاؤں موسوم بہ کوکن میں ماہ شعبان ۵۱۳ھ ہجری کو پیدا ہوئے[۱]۔ خلقی طور پر آپ کو بچپن ہی سے تصوف و درویشی کی طرف رجحان اور بزرگان دین و اولیائے کرام کی جانب میلان تھا۔ وہ خود اپنی کتاب تذکرۃ الاولیا میں فرماتے ہیں کہ

"بے سببی از کودکی بازدوستی ایں طائفہ درجانم موج میزد۔ وہمہ وقتے مفرح دل من ازسخن ایشاں بود" (تذکرۃ الاولیا مطبوعہ صفحہ ۶)

بزرگانِ دین کی محبت و عظمت کی تاثیر۔ اور اُن کا فیض۔ اور قول صادق و مصدوق علیہ السلام "المرء مع من احب" کا اثر دیکھو کہ حضرت فرید عطار آخر اس جماعت (جماعت اولیاء اللہ) کے ایک رکن اعلیٰ قرار پائے اور اکابر صوفیائے کرام سے ہوئے

آپ کی توبہ اور رجوع الی اللہ کا واقعہ بھی عجیب و غریب ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ اپنی دکان پر بیٹھے عطاری اور دکانداری کے کاموں میں مصروف تھے کہ

[۱] سفینۃ الاولیاء مطبوعہ صفحہ ۱۶۸ - و تاریخ الاولیا صفحہ ۴۰۴ - ۱۲

ایک درویش سائل اُنکے پاس آیا اور دست سوال دراز کیا:-

درویش:- "شیئاً للہ- (بابا خدا کی راہ میں کچھ فقیر کو دے)

شیخ فرید عطار- (جواب ندارد- اور بدستور اپنے کام میں مصروف رہے)

درویش (کئی بار کے سوال پر بھی جواب نہ پانیکے بعد) اے خواجہ تیری موت کیسے ہوگی؟

فریدالدین عطار:- "جیسے تیری ہوگی"

درویش:- "کیا تو میری طرح مرسکتا ہے"؟

فریدالدین عطار:- "ہاں بے شک"

درویش:- "اچھا لے میں مرتا ہوں- اور دیکھ کیونکر مرتا ہوں"

درویش نے اپنا کاسہ گدائی بجائے تکیہ کے سرہانے رکھا اور فرش خاک پر لیٹ کر زور سے ایک بار اللہ کہا- اور دم توڑ دیا- خواجہ فریدالدین عطار نے بڑھکر دیکھا تو فقیر کا جسم مردہ زمین پر پڑا ہے اور روح رفیق اعلیٰ سے جاملی:

اس حیرت خیز و عبرت انگیز واقعہ نے شیخ پر اپنا پورا اثر ڈالا- حالت متغیر ہوگئی- ساری دکان اُسیوقت لٹادی[۱]- اور دکان عشق میں آکرمے وحدت اور جام عشق و محبت پیا- اور مست و سرشار ہوکر زبان حال یوں گویا ہوئے

عشق میں تیرے کوہ غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو
عیش و نشاط زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

عقل کے مدرسے سے جا عشق کے میکدہ میں آ
جام شراب بے خودی اب تو پیا جو ہو سو ہو

ابتداءً شیخ رکن الدین اکاف رہ کے ہاتھ پر توبہ کی[۲] پھر اکثر مشائخ وقت کا بروقت

[۱] نفحات الانس صفحہ ۶۹۸- ۱۲ [۲] سفینۃ الاولیا مصنفہ داراشکوہ صفحہ ۱۷۸ وغیرہ- ۱۲

کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ لیکن آپ کی بیعت حضرت شیخ مجد الدین بغدادی قدس سرہ کے دست حق پرست پر ہوئی۔ اور وہ حضرت شیخ نجم الدین کبرے رضی اللہ عنہ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ اور حضرت مخدوم شاہ شعیب فردوسی قدس سرہ العزیز مناقب الاصفیا میں فرماتے ہیں "واز اہل وثوق بواسطہ مسموع است کہ خواجہ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ پیوند ارادت بخواجہ نجم الدین کبرے رضی داشت" (مناقب الاصفیار مطبوعہ صفحہ ۹۹)۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ آپ کو اویسیت تھی۔ حضرت مولانائے روم رح فرماتے ہیں کہ شیخ فریدالدین عطار کی تربیت حضرت منصور حلاج کی روحانیت سے ہوئی حضرت مولانا کے الفاظ یہ ہیں:۔

"نور منصور بعد از صد و پنجاہ سال بر روح فریدالدین عطار تجلی کرد و مربی او شد"۔ (نفحات ملا جامی مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۶۹۸ و سفینۃ الاولیاء صفحہ ۱۷۸ وغیرہ)

حضرت شیخ عطار صاحب ذوق و وجد و سماع تھے۔ سفینۃ الاولیا صفحہ ۱۷۸ میں مرقوم ہے کہ "صاحب وجد و سماع واز بزرگان صوفیہ بود"۔

تذکرۃ الاولیا، الٰہی نامہ، پند نامہ، مثنوی، اور منطق الطیر وغیرہ آپ کی قابل قدر تصانیف ہیں۔ آپ کی تصانیف سے آج تک بزرگان صوفیہ و مشائخ طریقہ گوناگوں فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں۔ جس قدر اسرار توحید و حقائق و معارف اور اذواق و مواجید حضرت فرید عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مثنویات اور غزلیات میں بیان فرمائے ہیں۔ کسی کے کلمات میں نہیں پائے جاتے۔ مولانا جامی قدس سرہ فرماتے ہیں:۔

سلہ نفحات و سفینہ و تاریخ الاولیاء ۱۲

۱۵۳
۱۵۵

"واں قدر اسرار توحید و حقائق اذواق و مواجید کہ در مثنویات و غزلیات وے اندراج یافتہ۔ در سخنان ہیچ یک ازیں طائفہ یافت نمی شود۔
جزاہ اللہ سبحانہ عن الطالبین المشتاقین خیر الجزاء"

حضرت فرید الدین عطار خاص نیشاپور میں پچاسی برس جلوہ افروز رہے۔ صدہا طالبان حق اس عرصہ میں شیخ کی صحبت اور ارشاد سے کامیاب ہوئے۔ آپ کے آخری دور زندگی میں حضرت مولانا جلال الدین رومی (صاحب مثنوی رح) بھی بلخ سے نیشاپور حاضر ہو کر شرف مستفیض ہوئے۔ حضرت نے اپنی کتاب اسرار نامہ مولانا کو مرحمت فرمائی۔ مولوی رومی اس کتاب کو حرز جان اور سفر و حضر میں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ مولانائے روم بیان حقائق و معارف میں حضرت فرید الدین عطار کے قدم بقدم ہیں۔ چنانچہ وہ خود ارشاد فرماتے ہیں ؎

گرد عطار گشت مولانا　　شربت از دست شمس بود نوش

اور دوسری جگہ یوں ارشاد فرماتے ہیں ؎

عطار روح بود و سنائی دو چشم او　　ما از پئے سنائی و عطار آمدیم

حضرت خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے ۶۲۷ھ میں جب کہ آپ کا سن شریف ایک سو چودہ سال کا تھا بمقام نیشاپور شہادت پائی +

تاریخی طور پر اس اندوہناک حادثہ کی مختصر سرگزشت یہ ہے کہ ۶۲۵ھ میں ظالم تاتاریوں نے سلطان جلال الدین بن خوارزم شاہ کے مقابلہ و مقاتلہ کیلئے وسط ایشیا میں دوبارہ سر اٹھایا اور رے کے میدان میں متعدد عظیم الشان لڑائیاں واقع ہوئیں۔ لیکن آہ۔ صد آہ۔ سخت کشت و خون کے بعد مسلمانوں نے ہزیمت اٹھائی۔ اور سنگدل، خونریز و سفاک تاتاری بلاد اسلام کو تاراج

[1] نفحات صفحہ ۶۹۸-۱۲ [2] سفینۃ الاولیاء ۱۲ [3] تاریخ کامل للعلامۃ ابن الاثیر جلد ۱۲ صفحہ ۲۳۰-۲۳۲ و تاریخ ابن خلدون و تاریخ الخلفاء وغیرہ ۱۲

و برباد و غارت کرتے ہوئے، اور ہزاروں بے گناہوں کو نہایت بیرحمی کے ساتھ
قتل و ہلاک کرتے ہوئے نیشاپور تک آپہنچے۔ اور یہاں کے بے پناہ باشندوں
کی بھی سخت خونریزی کی۔ جس وقت تاتاریوں نے اہل نیشاپور کے کشت و خون
کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ حضرت خواجہ فریدالدین عطار اپنے سترہ مخلصان و یاران یکسان
کے ساتھ شہادت کے منتظر، خدا کی راہ میں سر دینے اور جان خالق انس و جان کے
سپرد کرنے کیلئے مستعد بیٹھے اُسکی یاد اور ذکر و فکر میں مشغول تھے کہ یہ کفار
بے دین حضرت شیخ عطار کی خانقاہ میں گھس آئے۔ اور ان کشتگان خنجر تسلیم و
رضا کو یکے بعد دیگرے قتل کرنا شروع کردیا۔ حضرت عطار رحمۃ اپنے ان پاک
نفس درویشوں کا خون ناحق یوں اس بیرحمی و سفاکی سے بہاتے ہوئے دیکھ کر
بے اختیار بول اُٹھے:-

"اُف یہ کیسی تیغ قہاری ہے۔ ہائے یہ کیسی تیغ جباری ہے"۔

لیکن آہ جب خود شیخ کی نوبت آئی اور وہ ظالم آپ کی طرف پڑھے اور تیغ و تبر
آپ کو زخمی کرنے لگے تو اُسوقت آپ نہایت مسرت آمیز لہجہ میں فرمانے لگے

"سبحان اللہ یہ کیسی کرامت۔ اور کتنا بڑا کرم۔ اور کس قدر احسان ہے"۔

آخر حضرت فریدالدین عطار رحمۃ نے مع اپنے سترہ ہمراہیوں کے شربت شہادت نوش
فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپکی شہادت کا واقعہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی سیدنا و مولانا خواجہ
نظام الدین اولیاء رضی اللہ عنہ اپنی زبان مبارک سے یوں بیان فرماتے ہیں[1]:-

"او شہید شد۔ و آنچنان بود کہ کفار در نیشاپور رسیدند، و او با ہفدہ یار مستقبل قبلہ نشستہ
بود۔ منتظر آنکہ کافران آیند و ایشاں را شہید کنند۔ ہماں کافراں در رسیدند و تیغ
در نہادند و کشتن آغاز کردند۔ در آنحال خواجہ فریدالدین عطار چوں دید کہ یاران او را کشتن

[1] فوائد الفواد مطبوعہ صفحہ ۱۵۴ - ۱۲

گرفتند در آنحال میگفت "اینچه تیغ قہاریست واین چہ تیغ جباریست"۔ چون
ہو راکشتن گرفتند آن زمان میگفت "این چہ کرمست واین چہ مکرمت است۔
اینچہ احسان است" ۔

حضرت نجم الدین کبرےؓ

نام مبارک احمد بن عمر الصوفی۔ کنیت ابو الجناب۔ القاب نجم الدین و کبرے و
ولی تراش۔ آپ اسلامی چھٹی صدی کے اولیائے کرام و صوفیائے عظام کی مقدس
جماعت میں نہایت درجہ ممتاز درجہ اور بہت عالی مرتبہ رکھتے ہیں۔ سلسلہ مبارکہ
کبرویہ آپ ہی کیطرف منسوب ہے۔ اور اس سلسلہ میں بڑے بڑے اکابر و اجلہ صوفیا
و مشائخ گزرے ہیں۔ رحمہم اللہ تعالی ۔ اور فقر و تصوف کی بڑی بڑی مشہور کتابیں جو آج
ہم لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہیں۔ زیادہ تر اسی سلسلہ کبرویہ کے اکابر و مشائخ کی مصنفہ
و مؤلفہ ہیں ۔

آپ علوم ظاہری میں بھی تبحر کامل رکھتے تھے ایام طالب العلمی میں جس کسی سے
آپ مسائل علمیہ پر مباحثہ و مناظرہ کرتے۔ اُسکو اپنی پر زور اور زبردست تقریر سے
ساکت و مغلوب فرمادیتے تھے۔ اِسیوجہ سے آپ کو لوگوں نے الطامۃ الکبرے[1]
کہنا شروع کیا۔ کثرت استعمال سے طامہ کا لفظ تو حذف ہو گیا مگر کبرے آپ کا
لقب باقی رہ گیا۔ اور آپ نجم الدین کبرے مشہور ہو گئے[2] ۔

علمائے ظواہر اور محدثین کرام کے طبقہ میں بھی حضرت نجم الدین کبرے کا نام نامی
نہایت ادب و احترام اور عزت و عظمت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام
امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ طبقات الشافعیۃ الکبرے میں شیخ کا ذکر خیر ان

---

[1] نفحات الانس صفحہ ۴۰۰ ۔ [2] مرآۃ الجنان للامام الیافعی رح قلمی ۱۲

الفاظ میں کرتے ہیں:۔

"احمد بن عمر بن نجم الشیخ الامام الزاهد الکبیر نجم الدین کبرای ابو الجناب الصوفی شیخ خوارزم کان اماماً زاهداً عالماً"۔	حضرت نجم الدین کبرٰے ابو الجناب احمد ابن عمر صوفی خوارزم کے شیخ امام وقت بہت بڑے زاہد اور عالم تھے"۔

حضرت نجم الدین کبرٰے بڑے محدث تھے اور خود صاحب سند تھے۔ اکثر بلاد اسلامی میں سفر کرکے علم حدیث حاصل فرمایا۔ اسکندریہ میں امام ابو طاہر سلفی اور ہمدان میں حافظ ابو العلاء اور نیشاپور میں علامہ ابو المعالی فرادی۔ آپکے شیوخ حدیث ہیں اور آپ سے بہی بہتیروں نے سماع وروایت کی ہے۔ حضرت شیخ سیف الدین باخرزی قدس سرہ بہی آپکے تلامذہ حدیث سے ہیں۔ حافظ علامہ ابن نقطہ محدث عراق فرماتے ہیں کہ حضرت نجم الدین کبرٰے شافعی المذہب اور حدیث و سنت کے امام تھے۔ آپکے حلقہ وصحبت میں عجیب تاثیرات و برکات تہیں۔ دور دراز سے طالبان حق حاضر خدمت ہوتے تھے۔ حق گوئی میں آپ کسی کا خوف نفرماتے تھے۔

آپ ایک مدت تک فقر و درویشی کی طرف چنداں متوجہ نہ تھے بلکہ تعلیم و تعلم ظاہری ہی کیطرف زیادہ مشغول تھے چنانچہ تبریز میں امام محی السنہ بغوی کے ایک شاگرد رشید سے آپ انکی کتاب شرح السنہ پڑھتے تھے کہ ایک دن درس کے وقت بابا فرج تبریزی تشریف لائے۔ حضرت بابا کی ایک عقدہ کشا نگاہ نے حالت درس ہی میں حضرت نجم الدین کبرٰے کی حالت متغیر کردی۔ سبحان اللہ ؎

فیض خدا کہ بردل آگاہ میرسد اے دل ہوش باش کہ ناگاہ میرسد

حضرت نجم الدین کبرٰے۔ بابا فرج رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت بابا نے آپ کو اپنا خرقہ پہنایا اور فرمایا " ترا وقت دفتر خواندن نیست۔ وقت است

کہ ــ دفترِ جہاں شوی"۔ آپ پر اسوقت ایک عجیب حالت طاری ہوئی۔ اور دل اسی وقت ماسوے اللہ سے منقطع ہوگیا[۱]۔

پھر آپ (حضرت شیخ کبرےٰ) حضرت شیخ اسمٰعیل قصری کی صحبت سے مستفیض ہوئے اور خرقہ خلافت اُن سے پایا۔ خواجہ اسمٰعیل قصری کا سلسلہ خواجہ عبدالواحد زید اور حضرت کمیل بن زیادؓ کے واسطے سے حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

حضرت شیخ کبرےٰ کے تیسرے شیخ حضرت عمار یاسر خلیفہ حضرت ابو النجیب سہروردی رضؓ ہیں۔ انہیں کے حکم سے آپنے خوارزم میں اقامت اختیار فرمائی تھی۔

سب سے بڑے شیخ آپکے۔ حضرت ضیاء الدین سیدی ابو النجیب عبدالقاہر سہروردی قدس اللہ نفسہ ہیں۔ حضرت ابو النجیب رحؒ نے بھی آپ کو خرقہ خلافت پہنایا۔ حضرت ابو النجیب شیخ احمد غزالی رحؒ کے خلیفہ ہیں اور یہ سلسلہ ابو علی رودباری کے واسطے سے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحؒ سے ملتا ہے۔

حضرت شیخ الشیوخ شیخ الاسلام سیدی شہاب الدین سہروردی رضؓ جن کے دامن پاک سے سلسلہ عالیہ سہروردیہ وابستہ ہے۔ حضرت شیخ نجم الدین کبرےٰ رضؓ انکی نہایت عظمت کرتے اور انکو **مخدوم زادہ** کے لفظ سے خطاب فرمایا کرتے تھے انکو مخدوم زادہ کہنے کا سبب یہی تھا کہ وہ شیخ الشیوخ حضرت شیخ کبرےٰ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ ابو النجیب عبدالقاہر رضؓ کے برادرزادہ و صاحب سجادہ تھے[۲]۔ ان دونوں بزرگواروں (شیخ الشیوخ و شیخ نجم کبرےٰ) میں باہم غایت خلوص اور محبت و مودت تھی۔ اور حضرت شیخ الشیوخ رضؓ بھی حضرت خواجہ نجم الدین کبرےٰ رضی اللہ عنہما کا نہایت ادب اور توقیر فرماتے اور "شیخ" کے لقب سے اُن کو یاد کرتے۔ اور کبھی "خواجم" کے لفظ سے خطاب فرماتے تھے[۳]۔ کیونکہ آپنے حضرت نجم الدین کبرےٰ سے خرقہ

[۱] نفحات جامی صفحہ ۴۸۲ مطبوعہ کلکتہ ۱۲ [۲] مناقب الاصفیا ۱۲ [۳] مناقب الاصفیا ۱۲

خلافت بھی پہنا ہے اور خواجہ اسمٰعیل قصری کے طریقہ کی آپ سے اجازت لی ہے. صاحب سیر الاولیار فرماتے ہیں کہ میں حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی سید ی نظام الدین محمد اولیار رضی اللہ عنہ کے دست خاص کی تحریر دیکھی ہے جسمیں حضرت محبوب الٰہی فرماتے ہیں کہ میں نے بخط خاص شیخ الاسلام شہاب الدین سہروردی مرقوم دیکھا کہ وہ اپنی خرقہ پوشی کے ذکر میں فرماتے ہیں "البس ھو (ای اسمٰعیل القصری) شیخنا ابا الجناب احمد بن عمر الصوفی والبس ھو ھذا الفقیر" کہ شیخ قصری نے ہمارے شیخ ابو الجناب احمد بن عمر صوفی (معروف بہ شیخ نجم الدین کبرے) کو خرقہ پہنایا اور انہوں نے اس فقیر کو خرقہ پہنایا[۱۵]۔

حضرت نجم الدین کبرے کے فیض صحبت سے ہزاروں طالبان راہ حق منزل مقصود تک پہنچے۔ آپ کی روحانی قوت اسقدر پر زور و قوی تھی کہ آپ کی ادنیٰ ہمت سے ایک دم میں جذب و سلوک کے سارے مرحلے طے ہو جاتے تھے۔ اور صرف ایک توجہ میں ایک عامی۔ عارف کامل ہو جاتا تھا۔ آپ مستی و وجد و خروش کی حالت میں جس پر ایک نگاہ ڈالتے وہ ولی ہو جاتا۔ یہی سبب ہے کہ آپ کو ولی تراش کا لقب دیا گیا[۱۶]۔ نفحات و مناقب الاصفیا و مرآۃ الجنان وغیرہ میں آپکے بہتیرے کرامات و تصرفات مذکور ہیں۔ من شاء فلیرجع الیہا۔

شیخ اوحدی اپنی مناجات میں حضرت نجم الدین کبرے کا توسل اسطور پر کرتے ہیں:۔ ؎

یارب بولی تراش مطلق	آن نجم و نجوم و ملت و حق
یارب بولی تراشئے او	خاصیت فیض پاشئے او
یارب بکمال بخش بے رنج	واصل کن مجد دین بہ شطرنج

[۱۵] سیر الاولیار۔ بیان اصل خرقہ صفحہ ۳۴۴ و مناقب الاصفیار صفحہ ۱۰۱۔ ۱۲ [۱۶] نفحات و مناقب الاصفیا و تذکرۃ الاولیار و سفینۃ الاولیار ۱۲

حضرت امام فخر الدین رازی بھی آپ کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں اور آپسے عقیدت رکھتے تھے[۱]۔ حضرت سیف الدین باخرزی قدس سرہ کی حضرت نجم الدین کبرےٰ سے حضور میں ارادت وبیعت بھی عجیب وغریب طور پر واقع ہوئی جو حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ کی زبان مبارک سے فوائد الفواد میں اسطور پر منقول ہے۔ کہ "ابتدا میں شیخ سیف الدین صوفیا ومشائخ کے سخت دشمن اور اپنے ہر وعظ میں فقرا ومشائخ کی سخت مذمت و توہین کرتے تھے یہ خبر حضرت نجم الدین کبرےٰ کو پہنچی۔ حضرت خود انکی مجلس وعظ میں تشریف لائے اور ایک گوشہ میں بیٹھ گئے۔ اُنھوں نے شیخ کو موجود پاکر اور بھی دوچند صوفیوں کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا شیخ سیف الدین جتنا اس مقدس جماعت کو سخت و درشت کہتے تھے حضرت شیخ اُسیقدر اُنکی پند گوئی کی داد دیتے تھے۔ سر مبارک کو ہلاتے' اور زیر لب فرماتے تھے کہ "سبحان اللہ چہ قابلیت این جوان ست"۔ جب شیخ سیف الدین نے وعظ ختم کیا۔ حضرت نجم الدین کبرےٰ مجلس سے اُٹھے اور اپنی خانقاہ کا رخ کیا۔ جب مسجد کے دروازے تک پہنچے تو ایک بار مُڑ کر فرمایا "کیا اب تک یہ صوفی۔ آتا نہیں ہے؟" خدا معلوم اس جملہ میں کیا اثر اور جادو بھرا ہوا تھا۔ کہ شیخ سیف الدین ازخود رفتہ ہو گئے اور نعرہ زناں اپنی جگہ سے اُٹھکر شیخ کے قدموں پر آگرے۔ شیخ شہاب الدین تورپستی بھی جو اس مجمع میں حاضر تھے شیخ کے قدموں پر آگر پڑے اور دونوں بزرگوار اُسیوقت مرید و تائب ہوئے اور پاپیادہ حضرت شیخ کی خانقاہ تک آئے۔ پھر شیخ سیف الدین حضرت شیخ کے اجل خلفا سے ہوئے۔ اور حضرت شیخ نے اُن کو بخارا میں رشد وہدایت کے لیے بھیجا[۲]۔

حضرت خواجہ نجم الدین کبرےٰ صاحب وجد وسماع و ذوق تھے اور آداب سماع از زبان

[۱] طبقات کبرے للسبکی جلد ۴ صفحہ ۱۱ وغیرہ ۱۲ [۲] فوائد الفواد صفحہ ۵۶ او ۱۵۷ ومناقب الاصفیا ۱۲

اخوان ومکان، بھی آپ سے منقول ہیں۔ سماع کے متعلق آپ کا ارشاد ہے" صوفی را شاید کہ در سماع حاضر آید کہ مشائخ سلف جملہ سماع شنیدہ اند"[ا]

حضرت نجم الدین کبریٰ قدس سرہ کے ملفوظات وارشادات جو اسرارِ توحید اور حقائق، معارف وآداب تصوف وغیرہ کے متعلق بہت ہیں۔ افسوس اس مختصر مضمون میں اُنکے ذکر کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔ لیکن آپ کا ایک ناصحانہ ارشاد جو آب زر سے لکھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ ہم اُسے ذکر کیئے بغیر نہیں رہ سکتے فرماتے ہیں۔ "مرید کو شیخ کا خرقہ اُس وقت پہننا چاہئے۔ جب وہ یقین کرے کہ اس طریقہ وروش پر وہ مستقیم اور رنج ومحنت، مجاہدہ وریاضت وصبر رضا میں ثابت قدم اور بزرگوں کے ہم قدم رہ سکیگا۔ جب انسان خرقہ پہنے اور صاحب سجادہ بنے تو اپنے تئیں اصحاب خرقہ ومشائخ طریقہ کا نمونہ بھی بنائے۔ اور اگر وہ ایسا نہ ہوگا تو قیامت کے دن تمام مشائخ کرام اُسکے دشمن ہونگے ۔ اور اگر ظاہر کے ساتھ باطن بھی درست رکھیگا اور بزرگوں کی روش پر چلیگا تو تمام مشائخ قیامت کے دن اُسکے شفیع ہوں گے"[۲]

آپ کی یہ رباعی بہت مشہور ہے **رباعی**

با درد بساز چوں دوائے تو منم   باکس منشیں چو آشنائے تو منم
گر بر سر کوئے عشق ما کشتہ شوی   شکرانہ بدہ کہ خوں بہائے تو منم

تصوف کے متعلق آپ کے چند عربی اشعار یہ ہیں ؎

لیس التصوف فاعلمن مرقعا   او رکوۃ او کثرۃ الاسفار
او بذل مال او صلٰوۃ تہجد   او حج بیت او صیام نہار
لکن مراقبۃ الالٰہ بسرہ   ودوام ذکر واحترام کبار

یعنی تصوف دلق ومرقع، یا کثرت سفر۔ یا محض بخشش مال کثرت صوم وصلٰوۃ وحج وزیارت

[ا] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۱ - ۱۲ [۲] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۲ + ۱۲

کا نام نہیں ہے بلکہ مراقبۂ اسرارِ الٰہی و دوام ذکر و فکر اور بزرگوں کے ادب و تعظیم کا نام تصوف ہے[۱] ۔

آپنے عربی و فارسی میں متعدد تصانیف فرمائی ہیں۔ ایک رسالہ موسوم بہ تبصرہ اور ایک رسالہ بیان طریق سلوک میں ہے۔ قرآن مجید کی ایک تفسیر بھی آپنے بارہ جلدوں میں لکھی تھی[۲] ۔ افسوس اس مبارک قابل قدر تفسیر کا آج کہیں پتہ نہیں ملتا ۔

حضرت مجد الدین بغدادی جو ایک نہایت نازک و خوبصورت اور حسین و جمیل جوان تھے۔ حضرت نجم الدین کبرٰے کے اجل اصحاب و خلفا سے تھے۔ اور حضرت کو ان سے بہت ہی الفت و محبت تھی۔ شیخ مجد الدین خوارزم میں وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی مجلس وعظ میں سلطان محمد خوارزم شاہ کی ماں جو نہایت خوبصورت و مہ جبیں تھی۔ اکثر حاضر ہوا کرتی تھی۔ مفسدوں کو یہ اچھا موقع فتنہ پردازی کا ہاتھ آیا۔ بادشاہ کو حضرت مجد الدین بغدادی کیطرف سے بد اندیشوں نے نہایت برانگیختہ کر دیا۔ اور نوبت بایں رسید کہ سلطانی حکمنامہ کے رو سے حضرت مجد الدین بے گناہ کو دریائے دجلہ میں غرق کر دیا گیا۔ حضرت خواجہ نجم الدین کبرٰے کو نہایت رنج و غم ہوا اور غیظ میں آکر سلطان محمد خوارزم اور اُسکی سلطنت کیلئے بارگاہ الٰہی میں دعائے بد فرمائی ۔

اُف بہ دیدی کہ خونِ ناحق پروانہ شمع را — چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

شیخ مجد الدین کے خونِ ناحق۔ اور خواجہ ولی تراش ابوالجناب نجم الدین کبرٰے کے ستم رسیدہ دل کی آہ نے دریائے قہر ذوالجلال میں ایک تلاطم بپا کر دیا۔ اور اُسکی جلالی شان کی ایک ایسی جہاں سوز تجلی ہوئی کہ ؎

بیک گردشِ چرخِ نیلوفری — نہ نادر بجا ماند و نے نادری

[۱] مناقب الاصفیا مولفہ حضرت مخدوم شاہ شعیب قدس سرہ فردوسی کبری صفحہ ۹۔ [۲] مناقب الاصفیا وغیرہ ۱۲

آن کی آن میں تاتاریوں کا قیامت خیز فتنہ مشرق سے اُٹھا اور مغرب تک پھیل گیا نہ صرف خوارزم بلکہ خدائی قانون اذا نزلت البلایا عمت کے مطابق تقریباً عام دنیائے اسلام میں تاتاریوں نے وہ ظلم وستم توڑے کہ خدا کی پناہ۔ اور ایسی سفاکی و خونریزی کی کہ دجلہ و فرات و نہر جیحوں میں پانی کے بجائے بے گناہوں کا خون بہنے لگا۔

سنہ ۶۱۷ ہجری کا شروع سال تھا کہ سفاک لعین چنگیز خاں لاکھوں خونریز لٹیروں کا عظیم الشان لشکر لیکر حملہ آور ہوا۔ ہر چند سلطان خوارزم شاہ نے بہت بڑی فوج کے ساتھ ان کا بہادرانہ مقابلہ کیا مگر وہ دریائے قہر الٰہی چلا آیا۔ سلطان خوارزم نے ہزیمت پر ہزیمت اُٹھائی۔ اور تاتاری لشکر تمام اطراف جوانب پر قبضہ و غلبہ حاصل کرتا ہوا اور ممالک و بلاد اسلامیہ کو تباہ و تاراج و غارت کرتا ہوا خوارزم تک آ پہنچا۔ اہل خوارزم شہر پناہ میں محصور اور قلعہ بند ہو کر لڑتے رہے۔ پانچ ماہ کامل تک تاتاریوں نے شہر کا محاصرہ رکھا آخر مختلف حملوں میں شہر کے مختلف حصوں کو فتح کر لیا۔ یہانتک کہ قلعہ اور پورے شہر پر قبضہ کر لیا۔ پھر کیا تھا۔ قتل عام جاری کر دیا۔ اور شہر کو خوب لوٹا۔ عورتوں اور بچوں کو بھی بیرحمی سے تہ تیغ کیا۔ اور اس ظلم و تعدی سے بھی ظالموں کا دل نہ بھرا تو وہ پل جو دریائے جیحوں پر واقع تھا۔ توڑ ڈالا۔ شہر میں سیلاب عظیم آگیا۔ تمام شہر غرقاب ہو گیا اور ایک متنفس بھی جاں بر نہ ہو سکا[1]۔ حضرت شیخ الکبار نجم الدین کبرےؒ بھی اسی واقعہ میں شہید ہوئے۔ آپنے خوارزم میں تاتاریوں کے آنیسے پہلے ہی اپنے اصحاب و یاران با اختصاص کو مثل حضرت شیخ سعد الدین حموی و حضرت شیخ رضی الدین علی لالا وغیرہم کے جمع کر کے فرمایا کہ تم لوگ جلد اس شہر سے نکل جاؤ۔ اور اپنے ممالک میں جا کر رشد و ہدایت میں

[1] تاریخ کامل جلد ۱۲ مطبوعہ مصر از صفحہ ۱۶۴ تا صفحہ ۱۸۲ و تاریخ ابن خلدون مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۱۷۰ و ۱۸۰۔

مشغول ہو۔ کیونکہ عنقریب ایک فتنۂ عظیم برپا ہونیوالا ہے۔ یاروں نے حضرت سے عرض کی کہ مسلمانوں کے سر سے یہ بلا و مصیبت ٹل جانے کی دعا فرمائی جائے۔ حضرت شیخ نے فرمایا "یہ قضائے مبرم ہے۔ ہو کر رہے گی۔ دعا کچھ سودمند نہیں ہو سکتی"۔ لوگوں نے درخواست کی کہ حضور بھی یہاں سے تشریف لے چلیں۔" حضرتؒ نے فرمایا مجھے یہاں سے باہر جانیکا حکم نہیں ہے۔ میری قسمت میں تو یہیں شہید ہونا ہے"۔ غرض آپ نے جن لوگوں کو چلے جانے کا حکم فرمایا وہ مجبوراً امتثالاً للامر شیخ سے جدا ہوئے صرف تھوڑے سے اصحاب باقی رہ گئے۔ جب کفار تاتار خوارزم میں داخل ہوئے۔ اور آپ کی خانقاہ تک کشت و خون کرتے ہوئے آپہنچے تو شیخ نے کمر بستہ ہو کر دست مبارک میں نیزہ لیا۔ اور فرمایا "قوموا علیٰ اسم اللہ تعالیٰ نقاتل فی سبیل اللہ" یارو اٹھو۔ اور چلو ہم لوگ خدا کی راہ میں جہاد و قتال کریں"۔ پھر آپ اپنی باقی ماندہ جماعت فقرا و درویش کو لیکر خدا کی راہ میں شہید ہونیکے لیے آگے بڑھے۔ اور کافروں سے نہایت ثابت قدمی و جانبازی سے لڑکر بہتیروں کو واصل جہنم فرما کر خود بھی زخموں سے چور ہو گئے۔ آپ پر تیر باری شروع ہوئی۔ ایک شقی کا تیر شیخ کے سینہ مبارک پر آ لگا۔ آپ نے اُسے زور سے کھینچکر سینہ سے نکال باہر کر دیا۔ اور خون سے جسم مبارک رنگین ہو گیا۔ اور اسی حال میں اپنی مقدس نورانی جماعت کے ساتھ شہید ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شہادت کیوقت آپنے کسی ظالم کا پرچم دست مبارک سے پکڑ لیا تھا آپ کی شہادت کے بعد دس بہادروں کی مجموعی قوت سے بھی شیخ کا دست مبارک اس پرچم سے علیحدہ نہو سکا۔ آخر پرچم کاٹ دیا گیا۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ اسی واقعہ کی طرف اِس شعر میں اشارہ فرماتے ہیں ؎

ما ازاں محتشانیم کہ ساغر گیرند　　نہ ازاں مفلسگانیم کہ بز لاغر گیرند

بیکے دست مے خالص ایماں نوشند　　بیکے دست دگر پرچم کافر گیرند[۱]

خوارزم کی غارتگری اور حضرت نجم الدین کبرےٰ کی شہادت محرم ۶۱۶ھ یا ۶۱۸ھ میں واقع ہوئی+

[illegible]

۱؎ نفحات الانس مولانا جامی رحؒ مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۴۲۷ وغیرہ ۱۲ ۲؎ ابن خلدون مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۸ - ۱۲ ۳؎

"اغیار کے آنسو"

یہ زمین جو پانی کے اوپر ادھر کھڑی ہے۔ جسکو سورج روشن کرتا اور رات تاریک بناتی ہے۔ اسمیں غل شور بھی ہے اور خاموشی بھی۔ آہ و بکا بھی ہے اور قہقہہ بازی بھی۔ غرض ہر طرح کا نیک و بد خشک و تر تماشا اس وجود میں موجود ہے۔

اسی زمین کی پشت پر آسمان و زمین کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے نواسے امام حسین علیہ السلام کو بھوکا پیاسا ذبح کر دیا گیا اور پھر اسی زمین کے رہنے والوں نے مظلوم حسینؑ کے حادثہ جانکاہ پر نالہ وزاری شروع کی۔

ہم چاہتے ہیں کہ اُن مسلمان ماتم کرنے والوں کا ذکر جو شیعہ اور سنی کے نام سے مشہور ہیں یہاں نہ کریں۔ کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ وہ لوگ جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ شیعہ ہوں یا سُنی۔ مقلد ہوں یا غیر مقلد۔ صوفی ہوں یا وہابی۔ سبکے سب لازمی طور سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے کچھ نہ کچھ ضرور متاثر ہوتے ہیں۔ لہذا اُنکے آنسوؤں کا حال لکھنا اتنا با اثر اور ضروری نہیں ہے جتنا غیر مسلم لوگوں کے آنسوؤں کا۔ جو حسینؑ کے غم میں بہائے جاتے ہیں بیان کرنا ضروری ہے۔

ایشیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جسکو واقعہ کربلا کا علم نہو اور جو شہادت حسین علیہ السلام کو بے گناہی کا قتل عام نہ مانتی ہو۔ خاصکر ہندوستان جہاں کے باشندے قدرتی طور پر نرم دل اور درد شناس پیدا ہوتے ہیں۔ غم حسینؑ میں مسلمانوں سے بڑھکر حصہ لیتے ہیں۔ اگرچہ فلسفیانہ نگاہ رکھنے والے اسکی تاویل یہ کریں گے۔ چونکہ ہندوستان میں کئی سو برس تک مسلمانوں کی بادشاہت رہی ہے۔ اس لیئے ماتم

حسینؑ میں ہندو حکومت کے دباؤ اور اثر سے حصہ لینے لگے۔ ورنہ انکو واقعہ کربلا سے متاثر ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ مگر اُن لوگوں کا یہ خیال بالکل غلط ہی۔ اگر حکومت کا دباؤ مذہبی معاملات میں کام آسکتا تو ہندو محض محرم داری اور پیر پرستی ہی میں حصہ نہ لیتے بلکہ اُنپر اسلام کا اصلی اور پختہ رنگ چڑھ جاتا اور سرزمین ہند پر غیر مسلموں کی یہ بے شمار تعداد قائم نہ رہ سکتی۔ ہندوں نے مسلمان پیروں کی عقیدتمندی اور ماتم حسینؑ کی شرکت صرف اپنے دلی میلان کے سبب کی۔ آج جب کہ اسلامی تاج وتخت کا ہندوستان میں نام ونشان باقی نہیں۔ ہندو اُسی جوش وخروش سے محرم کی ماتم داری میں حصہ لیتے ہیں جسطرح شاہی زمانے میں اُنکا دستور تہا بلکہ روز بروز اُن کا یہ میلان ترقی پر ہی +

آریہ سماج نے ہزار ہا کوششیں کیں کہ ہندو اِن اسلامی رسومات میں شریک ہونا چھوڑ دیں مگر ایک بچہ نے بھی آریہ سماج کی آواز کو نہ سُنا۔ اور برابر حسینؑ کی ماتم داری اور پیرپرستی کررہے ہیں۔ بدقسمتی سے ہندوستان میں شمار واعداد کا طریقہ جاری نہیں ہے ورنہ ہم بتلاتے کہ کن کن شہروں میں ہندو مسلمانوں کی برابر یا اُنسے زیادہ محرم داری کرتے ہیں۔ گزشتہ سال لکھنؤ کے تعزیوں کا شمار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ تین سو تعزیے صرف ہندوں کے تھے۔ اِسیطرح اور شہروں کا قیاس ہوسکتا ہی۔ ہندوں کے بعض فرقوں میں حضرت امام حسینؑ کی ایسی عقیدت پائی جاتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کا نام بہی حضرت امام کے نام پر رکھتے ہیں اور بعض فرقوں میں حضرت امام کی مانتا اتنی بڑھ گئی ہی کہ اور سب دیوتاؤں کی پوجا چھوڑ دی گئی۔ ہر رنج وراحت میں حضرت اِمام ہی کے نام کو پکارا جاتا ہی۔ سندھ۔ گجرات کاٹھیاواڑ اور بمبئی کے علاقے میں جسقدر خوجے اور بوہرے پائے جاتے ہیں یہ سب ایک زمانہ میں ہندو تھے۔ شہید امام کے داعیوں نے امام کی شہادت اور اُنکی مافوق العادت بزرگیوں کا وعظ کہکر اِن قوموں کو مسلمان کیا۔ گویا شہادت امام کے طفیل خوجوں اور بوہروں کی وہ بے شمار تعداد جسکا تخمینہ پچاس ساٹھ لاکھ کے قریب ہوگا۔ دائرہ اسلام میں شامل ہوئی۔

ہم نے بیان کر دیا ہے کہ ہندوستان کے باشندے قدرتی اثر سے اس قسم کے واقعات سے متاثر ہو جاتے ہیں جیسا کہ شہادت کا سانحہ ہے۔ پس انکا ماتم حسینؑ میں شریک ہونا چنداں تعجب خیز نہیں ہے۔ دیکھنا اس بات کا ہے کہ یورپ کے باشندے جو اپنی مضبوط خیالی اور عقل پرستی کے سبب سنگدل ہو گئے ہیں وہ بھی شہادت حضرت امامؑ پر آنسو بہائے بغیر نہ رہ سکے۔ بڑے بڑے آزاد خیال اور نامور یورپین مصنفوں نے صفحۂ کاغذ پر ماتم حسینؑ میں غم کے آنسو قلم کی آنکھ سے بہائے ہیں۔ ان سب کا یکجا قلمبند کرنا تو بہت دشوار ہے۔ لیکن دو چار مشہور انگریزوں و دیگر یورپین حضرات کے اقوال ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ جنسے شہادت حسینؑ کے متعلق یورپ کی عام رائے کا اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے +

مسٹر جیمس کاکرن چین کی تاریخ میں لکھتے ہیں۔

"دنیا میں رستم کا نام بہادری میں مشہور ہے۔ لیکن کئی شخص ایسے گزر گئے ہیں کہ اُنکے سامنے رستم کا نام قابل لینے کے نہیں۔ چنانچہ اول درجہ میں حسینؑ بن علیؑ کا مرتبہ بہادری میں ہے۔ کیونکہ میدان کربلا میں ریت پر تشنگی اور گرسنگی میں جس شخص نے ایسا کام کیا ہو۔ اُسکے سامنے رستم کا نام وہی شخص لیتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں"

مسٹر گبن جو بڑے نامور مصنف ہیں اپنی کتاب گبنز رومن امپائر کی فورتھ جلد صفحہ ۳۴۶ میں رقمطراز ہیں +

"امام حسینؑ کا پُر درد واقعہ ایک دور دراز زمانہ اور دور دراز ملک میں واقع ہوا۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو بیرحم اور سنگدلوں کو بھی ہلا دیتا ہے۔ اگرچہ کوئی کتنا ہی بیرحم دل ہو مگر حسین کا نام سنتے ہی اُسکے دل میں ایک جوش ہمدردی پیدا ہو جائے گا"+

اسیطرح مسٹر جان لونگ نے حضرت امامؑ کا چار سو شعر میں نہایت دردناک مرثیہ لکھا ہے جسمیں آخری رائے حضرت امامؑ کی نسبت ان الفاظ میں دی ہے:۔

"وہ شخص دین دار۔ خدا پرست۔ فرومتن خلیق اور بے مثل بہادر تھا۔ وہ سلطنت وحکومت کیواسطے نہیں لڑتا تھا۔ بلکہ خداپرستی کے جوش میں۔ وہ یزید سے اسواسطے بیزار تھا کہ یزید کے افعال اسلام اور دین احمدی کے خلاف تھے"۔

ایک شہرۂ آفاق انگریز مسٹر آرتھر این ولسن سی آئی ای۔ نے کتاب ہاف اور وڈ محمد میں حسینؑ کا شہادت نامہ نہایت درناک پیرایہ میں لکھاہے۔ حضرت علیؓ اور امیر معاویہ کے سیاسی تعلقات اور مابعد کے واقعات پر اس کتاب میں نہایت معقولیت اور واقفیت سے بحث کی گئی ہے۔ اگر ہم اُس کتاب کا اور مصنف کے اُن محبتانہ خیالات کا جو حضرت امامؑ کی نسبت ظاہر کئے گئے ہیں اس جگہ اقتباس بھی کریں۔ تب بھی یہ مضمون جس میں اختصار نویسی کی تاکید ہے بہت طولانی ہو جائے گا۔ لہذا انہی دو تین اقتباسات پر یہ تحریر ختم کیجاتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر اپنے ہی آنسو نہیں بہاتے ہیں بلکہ اس غم میں اغیار بھی چشم پُرآب ہیں۔

محمد علیخاں نظامی

قلب شہید

مہر تاباں ہوا سوزِ جگر قلب شہید — اب دکھائینگے جہاں کو اثر قلب شہید
ہے کبھی ستر کبھی جلوۂ انوار جمال — ہیں عجب رنگ کے شام وسحر قلب شہید
نور برزخ کی تجلی سے ہے ماہ کامل — چشم اخفے میں ہے نور نظر قلب شہید
ردِ شمسی سے ہوا معجزہ شق قمر — رہنما ہو گئے شمس وقمر قلب شہید
سوز خوننابۂ دل نالۂ جانسوز سے کر — اُسنے دیکھے ہی نہیں اشک تر قلب شہید
بلبل شیفتہ جو اُس گل رعنا کا ہوا — رشک فردوس ہے خونیں جگر قلب شہید
بسمل عشق ترے زندۂ جاوید ہوئے — کچھ نہوگا مرے قاتل ضرر قلب شہید
دم آخر بھی جو محو رُخ دلدار رہا — وارہے دیدۂ حسرت نگر قلب شہید

۱۶۸ سوز باطن سے ہے یہ کالۂ آتش باطن — شعلہ انگیز ہیں ساقی اثر قلب شہید

حسینؑ اب بھی بیکس ہے

تیرہ سو برس سے مظلوم امام حسین علیہ السلام کو دنیا کی آنکھیں روتی ہیں شیعہ سنی ہندو مسلمان یہود و نصاریٰ۔ کوئی قوم اور فرقہ ایسا نہیں جسکا دل واقعہ کربلا سے غمناک نہو جاتا ہو۔ بلکہ بعض سنیوں خاصکر تمام شیعوں نے غم حسینؑ کو اپنی زندگی کے ساتھ ایسا وابستہ کر لیا ہے کہ بغیر ماتم واری کے وہ اسیطرح بے چین رہتے ہیں جسطرح انسان روٹی اور پانی کا حاجتمند ہوتا ہے اور بغیر کھائے پیئے قرار نہیں پا سکتا ۔

پس جس شخص کے اتنے رونیوالے ہوں جسکی محبت کا کروڑوں آدمیوں کو دعوےٰ ہے جسکے نام پر بیشمار انسان فدا اور قربان ہونا چاہتے ہوں۔ اُس کو بے یار و مددگار۔ اور بے کس سمجھنا غلطی ہے

لیکن نہیں غلطی نہیں ہے۔ بالکل سچ اور درست ہے کہ مظلوم کا ساتھی کوئی نہیں۔ یہ سب آہ و بکا بے سود ہے اگر عملی ثبوت محبت کا نہ دکھایا جائے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اب بھی غریب حسینؑ اور اُسکے خاندان کو علانیہ گالیاں دیجاتی ہیں۔ اس تشنہ لب سید پر شرمناک بہتان اُٹھائے جاتے ہیں۔ اور مدعیانِ محبت اسکی کچھہ پروا نہیں کرتے ۔

لاکھوں آدمی ہیں جو واقعات کربلا سُنکر اور دشمنانِ اہل بیت کی سفاکیاں معلوم کرکے حسرت سے کہتے ہیں۔ کاش ہم بھی اُسوقت ہوتے اور اپنے امام و آقا پر قربان ہو جاتے ہمکو غلامانِ حسینؑ کی حالت پر رشک آتا ہے کہ وہ کیسے خوش قسمت تھے جنکو ایسے نازک وقت میں رسولؐ کے نواسے پر صدقے ہونیکا موقع مل گیا ۔

ان حسرت کے آنسو بہانے والے لوگوں سے کہدو۔ کہ اگر تم اُس زمانہ میں ہوتے تو بس اسیطرح گھر میں بیٹھکر عورتوں کیطرح سر پیٹا کرتے۔ میدان میں تمہارا ایک قدم بھی نہ جاتا

نہ بڑھتا۔ کیا تمکو خبر نہیں کہ آج بھی حسینؓ کے ساتھ کربلا کا واقعہ پیش آرہا ہے۔ چار برس سے مظلوم حسینؓ اور اُسکے برگزیدہ خاندان کو ملامت و دشنام دہی کے تیروں کا ہدف بنایا جارہاہے۔ تم نے اپنے آقا کی کیا حمایت کی؟ کچھ نہیں! بلکہ حیب سے دام خرچ کرکے ان گالیوں کو خریدا۔ اور پڑھا۔

ہم کو صاف کہنے میں کچھ باک نہیں کہ میرزا حیرت نے عمر سعد اور شمر ذی الجوشن سے زیادہ زخمی حسینؓ کو تکلیفیں دیں۔ کرزن گزٹ میں ہزاروں عیب خاندان نبوت پر لگائے امام المشارق والمغارب امیر المؤمنین مولیٰ علی رضہ کو نعوذ باللہ ایسی شرمناک گالیاں دیں جن کا نقل کرنا بالکل ناممکن۔ نامرد۔ بزدل ہیٹیل۔ بیغیرت تو ایسے الفاظ ہیں جنکو بارہا اُس شیر خدا کی شان میں بے تکان استعمال کیا گیا۔

الغرض نیا اور پرانا کوئی حربہ باقی نہیں رہا جو حیرت نے رسول خدا صلعم کی اولاد پر بیباکی سے نہ چلایا ہو۔ مگر یہ سب محبانِ اہل بیت اپنے گھروں میں بیٹھے رہے کسی نے بے کس و بے بس حسینؓ کی پاسداری میں زبان و قلم کو جنبش نہ دی۔

میں دل سوختہ ہوں۔ اور آزادی سے ہز ہائنس آغا خاں۔ سید امیر علی سید حسین بلگرامی پر الزام لگاتا ہوں کہ باوجودیکہ انکو گورنمنٹ میں اتنا رسوخ حاصل ہے مگر انہوں نے کبھی ایک لفظ اپنے آقا کی حمایت میں منہ سے نہ نکالا۔ انگریزی گورنمنٹ نے اگرچہ پریس کو اور عوام کو ہر طرح کی آزادی دی ہے لیکن ایسی آزادی ہرگز نہیں دی کہ دوسروں کی دل آزاری کی جائے۔ کیا چھ کروڑ مسلمانانِ ہند میں ایک بھی مسلمان ایسا نکل سکتا ہے جو آلِ رسولؐ کو گالیاں دیتے سُنے۔ دیکھے۔ اور اُسکے دلکو تکلیف نہو۔ جب تکلیف ہوتی ہو تو کیوں اپنے حاکم انگریزوں سے دادخواہی نہیں کرتے جس طرح تم دنیاوی حقوق کیلئے مسلم لیگ بناکر رات دن حقوق طلبی کی کوشش کرتے ہو۔ دین کی حفاظت اور مقتدایانِ دین کی حمایت کیلئے بھی زبان کھولو۔ انگریز عادل ہیں۔ انہی سے کہو انگریز محقق ہیں انہی سے انصاف

بمبئی میں ہز ہائینس آغا خاں سے التماس ہے۔ کلکتہ میں میرزا شجاعت علیخاں مع الالقاب سفیر ایران سے درخواست ہے۔ ممالک متحدہ میں نواب صاحب رام پور اور راجہ علی محمد خاں مع الالقاب سے التجا ہے۔ پنجاب میں نواب فتح علی خاں قزلباش سے خواہش ہے۔ لندن میں سید امیر علی مع الالقاب سے گزارش ہے۔ کہ وہ سب ملکر انگریزی سرکار کو اپنے دل کے زخم دکھائیں کہ حیرت نے خاندان رسالتمآب صلعم کو گالیاں دیکر ہمارے کلیجے چھلنی کر دیئے۔ اے اے تمام ہندوستان کے شیعوں اور سنیوں! تم بھی ایک عام آواز فریاد کی بلند کرو اور کرزن گزٹ کے سب گزشتہ پرچے گورنمنٹ کو دکھاؤ۔ اور انصاف کی خواہش کرو۔ بس یہی ضابطہ کی اعانت ہے۔ اس سے زیادہ کوئی حرکت نہ کرنا کیونکہ تمہارے امام نے بھی قانونی حد سے قدم باہر نہیں نکالا تھا +

اگر تم ایسا نہیں کر سکتے یعنی اس ظلم و ستم کی فریاد گورنمنٹ تک نہیں لیجانی چاہتے تو آج سے حسین الشہید کربلا کی الفت کا دعویٰ چھوڑدو۔ یہ جھوٹے آنسو نہ بہاؤ۔ جنکا اثر تمہارے دل میں نہیں ہوا۔ ہمیں یہ کہنے دو کہ

حسین اب بھی بیکس ہے!

اے شہیدوں کے سردار۔ اے بھوک پیاس سے سر کٹانیوالے۔ اے وہ جسکی آنکھوں کے سامنے بیٹوں کی جوان لاشیں خاک و خون میں تڑپیں۔ جسکے بے زبان معصوم بچہ کو تیر کا نشانہ بنایا گیا۔ جسکی بیچاری معصوم لڑکی کو طمانچے مارے گئے۔ اور وہ بیچاری اپنے ساتھیوں کی طلبگاری میں چاروں طرف دیکھنے لگی۔ مگر کوئی نہ آیا جو اسکو اپنی گود میں لیتا۔ جسکی بہن کو برہنہ سر اونٹ پر بٹھا کر تشہیر کیا گیا۔ جسکے بیمار لڑکے کے ہاتھوں کو موٹی رسی سے باندھا گیا اور جانوروں کی طرح گھسیٹا گیا +

جو کربلا کے میدان میں اکیلا رہ گیا۔ جسکو خدا کے سوا زمین پر کوئی سہارا نہ رہا۔ اور جسنے سر کو سجدہ میں کٹوا دیا۔ آج بھی دنیا میں تیرا کوئی نہیں۔ تیرے قاتلوں اور دشمنوں کی تعریف

ہندوستان کا سب سے قدیم گنج شہدا

پیران دہار میں جو مالوہ کا قدیم شہر اور موجودہ ریاست دہار کا صدر مقام ہے. شاہ عبداللہ چنگال نام ایک بزرگ کی خانقاہ کے صحن میں یہ گنج شہدا واقع ہے. خانقاہ کے دروازے کی پیشانی پر جو کتبہ کندہ ہے. اُسکے لحاظ سے یہ ہندوستان کا سب سے قدیم گنج شہدا خیال کیا جاتا ہے. کتبہ سے واضح ہے کہ شاہ عبداللہ چنگال مالوہ کے مشہور راجہ بھوج[1] کے زمانہ میں تشریف لائے تھے. اور جن شہدا کا یہاں مزار ہے. یہ شاہ صاحب سے پہلے وارد دہار ہو کر صبح کی نماز پڑھتے ہوئے شہید ہو چکے تھے. یہ خانقاہ شہر سے باہر ایک پہاڑی پر واقع اور زیارتگاہ خاص و عام ہے. شاہ عبداللہ کے مزار کے گنبد سے مشرقی جانب ایک چبوترہ گنج شہدا پر بنا دیا گیا ہے جس پر برابر برابر چالیس نشان بنے ہیں. خانقاہ کی موجودہ عمارت محمود شاہ خلجی سلطان مالوہ کے عہد اور ۸۵۹ھ کی تعمیر شدہ ہے. کتبہ بہت طول طویل ہے صرف چند اشعار اس جگہ نقل کیے جاتے ہیں:

تعالی ربنا این قبۂ نور ــــــ براین قبر از صفا چون بیت معمور

سر ابدال عبداللہ چنگال ــــــ چہ چنگالیکہ شب جنبش سحر سور

نخست از وے شد این مرکز مسلمان ــــــ ہمہ اعلام دین زو گشت منشور

شنیدستم کہ پیش از وے تنے چند ــــــ رسیدہ اندرین ویرانۂ عور

موذن چون ندائے صبح برداشت ــــــ بلند مستانہ صوت چون نفخ صور

خروشے خواستہ ہر سو. ز کفار ــــــ دویدہ ہر تنے با تیغ و ساطور

بخستند آخر آن مردان دین را ــــــ پس از کشتن بجائے کردہ مستور

کنون آن مشہد گنج شہیدان ــــــ نشان ماندہ ازان پاکان مسرور

چو وقت آمد کہ خورشید حقیقت ــــــ شود طالع ورین یلدائے دیجور

مو رسید این شیر مرد از مرگ دین * دین دیر کہن با تیغ جمہور * بتد برہم تماثیل بتان را * مصلا ساختہ آن معبد زور * چو رائے بھوج دیدش از فراست * مسلمان گشتہ با اہل بہ سور

کنون این روضہ زان در سنہ ایام * مطاف عالم بود مشہور * سعد احمد باد مروی

---

[1] راجہ بھوج کے زمانہ میں اختلاف ہے. بموجب تحقیقات سر رابرٹ ہملٹن صاحب سمت ۱۰۲۱ میں مسندنشین ہوا اور سو برس سے زیادہ ...

مرض خشنہ کے لئے اکسیر فوائد

جس کی تصدیق حکیموں ڈاکٹروں اور ذی علم لوگوں نے کی ہے

[illegible] تصدیق کے ایک سو بیس مریضوں نے آپ کا استعمال کر کے سرٹیفکیٹ دیئے ہیں

فائدہ (۱) [illegible] الکلف یا سوزاک ہو چکا ہو اور [illegible] کے بعد جلد پر سیاہی آ جائے [illegible] جسم پر [illegible] ہاتھوں اور پاؤں میں [illegible] ہو تو [illegible] استعمال کرنے سے تمام دھبے دور ہو جاتے ہیں۔

فائدہ (۲) جس کی تصدیق [illegible] اور مختلف [illegible] لوگوں نے کی [illegible] جگہ جگہ [illegible] بند [illegible] ہو جاتے تھے [illegible] سبب بے رونقی [illegible] پیدا ہوتا [illegible] اور [illegible] بعض نے [illegible] تھی وہ سب اس کے استعمال سے دور ہو گئے۔

فائدہ (۳) جس کی تصدیق [illegible] کر سکتے ہیں خون گندہ ہو جیسے چہرہ پر چھائیاں جسم پر [illegible] چہرہ [illegible] مختلف [illegible] پیدا ہو [illegible] گلتا [illegible] ہو جاتے تھے۔

فائدہ (۴) جس کی تصدیق [illegible] کی ہے۔ ان کی [illegible] کا چہرہ سیاہ [illegible] ہو گیا تھا اور پسینہ [illegible] سخت [illegible] رہتا تھا اور اُن سے بدبو آتی تھی۔

فائدہ (۵) جس کی تصدیق گیارہ مریض [illegible] مختلف حصہ جسم میں۔ بغل اور گردن میں [illegible] گلٹیاں [illegible] اس کے استعمال سے [illegible] اور آگے پیدا ہونے سے بند ہو گئیں۔

فائدہ (۶) جس کی تصدیق [illegible] ناسور [illegible] سے پیپ جاری رہتی تھی [illegible] استعمال سے ناسور [illegible] گیا۔

فائدہ (۷) جس کی تصدیق [illegible] بیمار کرتے ہیں [illegible] تمام [illegible] اور پنڈلیوں میں [illegible] کرتا تھا جس [illegible] جاتی تھی [illegible] ایک [illegible] سے [illegible] جاتا رہا۔

فائدہ (۸) جس کی تصدیق [illegible] استعمال کے بعد [illegible] ہیں [illegible] جاری رہتا تھا [illegible] کے استعمال سے ایام ماہواری باقاعدہ ہو گئے [illegible]

الغرض مرض [illegible] اور خشنہ وغیرہ کا سب سے بہتر دوا ہے

[illegible] نقصان [illegible] ثابت ہوئے [illegible] فائدے دکھائے [illegible]

[illegible]

[illegible] لاہور

فہرست کتب تصوف سوانح عمری اولیاء اللہ وغیرہ دکان غلام نظام الدین تاجر کتب متصل فوارہ چاندنی چوک دہلی

تاریخ حبیب اللہ یعنی سوانح عمری حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ۶ر

فضائل بو عمر اویس رضی اللہ عنہ یعنی فضائل و حالات حضرت خواجہ اویس قرنی قدس سرہ العزیز ۱ر

بہار معینی یعنی سوانح عمری حضرت خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ العزیز ۴ر

سوانحعمری حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی چشتی بہشتی قدس سرہ العزیز ۸ر

حیات فریدی یعنی حالات حضرت بابا فریدالدین مسعود گنجشکر قدس سرہ العزیز ۳ر

شواہد نظامی یعنی سوانحعمری کلاں حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ ۷ر

حیات خسرو یعنی حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ (طوطی ہند) کی مکمل سوانح عمری عہ ر

سوانح عمری حضرت علاؤالدین صاحب علی احمد صابر کلیری قدس سرہ العزیز ۲ر

سوانح عمری حضرت سید محمد گیسو دراز بندہ نواز قدس سرہ العزیز ۸ر

سوانح عمری حضرت عاشق جناب بو علی شاہ قلندر پانی پتی قدس سرہ العزیز ۴ر

فضائل غوثیہ یعنی سوانحعمری حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز ۲ر

مفلسی کا مجرب علاج - اسمیں مفلسی دور ہونے کی مجرب دعائیں درج ہیں تالیف خواجہ حسن نظامی صاحب ۱ر

حیات منصور یعنی منصور حلاج قدس سرہ العزیز کی سوانح عمری۔ ۴ر

مطلوب الطالبین ترجمہ مناقب العارفین یعنی سوانح حضرت مولانا روم قدس سرہ العزیز ۸ر

سفرنامہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ [illegible]

تاریخ سید سالار مسعود غازی قدس سرہ ۴ر

خلاصہ تاریخ حضرات مشائخ چشتیہ بہشتیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ ۴ر

مجموعہ اعمال مجربہ سورہ مزمل شریف مع موکلات و طریقہ زکوٰۃ وغیرہ جس میں نہایت مستند و مجرب ایک سو بائیس اعمال دربارہ محبت و عداوت و تسخیر و کشایش رزق و ترقی روزگار وغیرہ درج ہیں اور نیز عمل سورہ یوسف شریف و سورہ واقعہ شریف کے عجیب غریب درج ہیں۔ اور باوجود ان خوبیوں کے قیمت بغرض رفاہ عام صرف۔ ۴ر

دیدار محبت نبی درود مصطفےٰ۔ اسمیں وہ درود شریف و اعمال درج ہیں جن کے باقاعدہ کرنے سے رسول مقبول صلعم کی زیارت نصیب ہو جاتی ہے۔ ۳ر

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۰۴

ماہ مارچ ۱۹۱۰ء — صفر ۱۳۲۸ھ

جلد — نمبر ۳

قسم دوم — قیمت سالانہ

نظام المشائخ

تمام سلسلوں کے صوفیہ مشائخ کی دینی و دنیاوی اغراض کا حامی اردو زبان کا ماہوار رسالہ

اعلیٰ ایڈیٹر ٭ حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی خواہرزادہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی رحمۃ اللہ

نائب ایڈیٹر ٭ خادم الفقرا سید محمد ارتضیٰ واحدی دہلوی ٭

فہرست مضامین

(دنیا کی آبادی میں تین چوتھائی حصہ صوفی مشرب لوگوں کا ہے)

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک قسم اول پانچ روپیہ فی پرچہ ۸ قسم دوم سالانہ مع محصول ڈاک فی پرچہ ۴

منشی فضل حسین کے بلالی پریس دہلی میں چھپوا کر محمد الواحدی مالک و ڈپٹی منیجر حلقہ نظام المشائخ نے شائع کیا

قیمت فی پرچہ ۴

معاونین خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری لکھنے کا ضرور خیال رکھیں ورنہ تعمیل میں دقت ہوگی ٭

اغراض و مقاصد حلقہ نظام المشائخ دہلی

حلقہ نظام المشائخ ایک انجمن کا نام ہے جو صوفیائے کرام کے تمام سلسلوں کی خدمتگزاری کے لیئے دہلی میں قائم کی گئی ہے۔ اسکے چار مقصد ہیں ✤

(۱) علم تصوف کی حفاظت و اشاعت۔ (۲) سب سلسلوں کے مشائخ میں باہمی میل جول اور اخلاقی اتحاد قائم کرنے کی کوشش۔ (۳) عرسوں اور خانقاہوں کی اُن رسوم کو جو دائرہ شریعت و طریقت سے علیحدہ ہوگئی ہیں۔ اصلی حالت پر لانے کی سعی۔ (۴) عرسوں اور خانقاہوں کے اُن انتظامی معاملات میں جن کا تعلق گورنمنٹ سے ہے مشائخ کے جائز حقوق کی حفاظت ✤

اِس حلقہ کے ممبر دو قسم کے ہوتے ہیں **ایک** تو وہ جو خود درویش ہیں یا کسی درویشی تعلق کے سبب لوگوں میں کوئی امتیاز رکھتے ہیں انکو **رکن حلقہ** کے نام سے شریک کیا جاتا ہے۔ اور **دوسری** قسم میں وہ حضرات ہیں جو نہ خود درویش ہیں نہ کسی درویش کی اولاد ہونیکے سبب لوگوں میں کوئی امتیاز رکھتے ہیں لیکن صوفیائے کرام کے عقیدتمند ہیں۔ اور انکی خدمتگزاری چاہتے ہیں انکو **خادم حلقہ** کے لقب سے شامل کیا جاتا ہے ✤

ممبران حلقہ پر کوئی فیس یا چندہ بطور داخلہ کے لازمی نہیں ہے۔ لیکن ہر ممبر کو سال بھر میں کم از کم ایک روپیہ اخراجات حلقہ کے لیئے دینا چاہیئے ✤

ہر ممبر کا فرض ہے کہ مذکورہ مقاصد کی تکمیل کے لیئے زبان و قلم قدم و درم سے کوشش کرے ✤

تفصیلی حالات خواجہ **حسن نظامی** دبیر حلقہ نظام المشائخ کوٹھی نواب انصار جنگ۔ بازار چتلی قبر۔ دہلی سے دریافت کرنے چاہئیں ✤

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظام المشائخ

نور و نار یا کائنات محمدی کے اسرار

عارف کامل حضرت مولانا قاری شاہ محمد سلیمان صاحب چشتی قادری پھلواروی کے نام نامی سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے۔ انکی تقریر نئی اور پرانی روشنی کے لوگوں میں یکساں مقبول اور موثر مانی جاتی ہے۔ لیکن شاہ صاحب کی سب تقریروں میں بیان میلاد رسالت مآب صلعم نہایت ہی مدلل و پرتاثیر ہوتا ہے۔ ہم حضرت شاہ صاحب کے فرزند رشید جناب مولانا حسن میاں صاحب کے نہایت احسان مند ہیں کہ انہوں نے ناظرین نظام المشائخ کے لیئے ربیع الاول میں ایک تحریری محفل میلاد مہیا کر دی۔ یعنی حضرت شاہ صاحب کی ایک قلمی کتاب فخر الحبیب سے اس نور کا فسانہ منتخب کر کے بھیجدیا جو عشاق سرور عالم کے دلوں پر نار اللہ بھڑکائیگا۔ اور جس سے کائنات محمدی کے اسرار ارباب تصوف کی زبان میں معلوم ہونگے۔ اسی لیئے ہم نے اسکا عنوان "نور و نار۔ یا کائنات محمدی کے اسرار" مقرر کیا ہے۔ (حسن نظامی)

ایک وقت و زمانہ وہ تھا کہ ایک وجود مطلق اور ایک ذات بحت کے سوا کوئی چیز نہ تھی کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَّعَہٗ شَیْءٌ حتی کہ وقت اور زمانہ بھی نہ تھا ؎

تہدار روزے کہ پیش از روز و شب فارغ از اندوہ آزاد از طلب

بس خدا ہی خدا تھا اور کچھ نہیں وَلَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا ؎

آفرینش کا جب کہ طور نہ تھا اللہ اللہ تھا کوئی اور نہ تھا

لیکن وہ اپنی جمیع صفات کاملہ کیساتھ متصف تھا۔ کیونکہ اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ اُس کی شان ہے۔ وہ سمیع بھی تھا۔ اور بصیر بھی۔ علیم بھی تھا اور کلیم بھی۔ مگر کیونکر اور کس طرح ؟ اسکا جواب مست و سرشار بادہ توحید حضرت مولانائے مغربی رح کی زبان سے سنو ! ؎

اے تو مخفی در ظہور خویشتن وے رخت پنہاں بنور خویشتن

خود بخود نازد و خود با ناز خود بشنود ہر دم زبور خویشتن

حقائق اشیاء اور تمام موجودات اُسی ایک وجود میں موجود تھیں ؎

باز چندیں در تماشا گاہِ ذات جنت خود بود و حور خویشتن

ہم اور تم بھی وہیں تھے۔ ایک بحر وجود میں سب غوطہ زن۔ اور ایک وحدت میں سب متحد تھے۔ نہ ممکن و واجب کا امتیاز تھا نہ من و تو کا جھگڑا ؎

متحد بودیم با شاہِ وجود حکم غیریت بکلی محو بود

نے ز حق ممتاز و نے از یکدگر غرق در دریائے وحدت سربسر (رومی)

ایک مدت تک یہی رنگ رہا۔ اور حضرت احدیت نے اپنے غرور کبریائی سے ادنے تنزل بھی پسند نہ فرمایا ؎

مدتے باکس نمیکرد التفات حسن ذاتیت از غرور خویشتن (مغربی)

لیکن دفعۃً کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ کے ایک نئے جلوے نے عجب انقلاب پیدا کر دیا ؎

ناگہاں در جنبش آمد بحر جود ۔ ہر دو جنبش کیفیتے پیدا نمود
ممکن از واجب ز ہم ممتاز شد ۔ رسم انجام و دوئی آغاز شد

وحدت نے کثرت کی تجلی کی۔ اور حضرت حق نے اپنے نور سے ایک نور پیدا کیا لیکن یعنی کی برائے نام۔ ورنہ در حقیقت وہی اتحاد تام۔ اسی نور کو **نور محمدی** یا **حقیقت محمدی** یا **تعین اول** کہتے ہیں۔ عنوانات و تعبیرات مختلف ہیں لیکن معنون ایک ہے ؎

عبارا تنا شتی وحسنک واحد ۔ کل الی ذاک الجمال یشیر

پھر اس نور کو تمام صفات جمالی و جلالی سے متصف کیا۔ اور خلق اشیاء میں جس چیز کو جس صفت سے جیسی مناسبت تھی ویسی ہی اس نور سے عالم ظہور میں لایا۔ مثلاً ؎

ز قدرت سرو بستاں آفریدند ۔ ز رویت ماہ تاباں آفریدند
لب و دندان او راچوں کہ دیدند ۔ دُر و یاقوت و مرجاں آفریدند

کہیں اُس نور سے رحم کا ظہور ہوا۔ کہیں قہر کی شان نمایاں ہوئی۔ سب اُسی کی طرف سے ہے۔ بلکہ وہی ہے ؎

چو عکس زلف و رخسارش نمودند ۔ بگیتی کفر و ایماں آفریدند
یکے را بہر طاعت برگزیدند ۔ دگر را بہر عصیاں آفریدند

غرض اسی نور محمدی سے تمام کائنات کا وجود ہوا یہی مطلب ہے حدیث "اول ما خلق اللہ نوری" اور "انا من نور اللہ والخلق کلھم من نوری" کا۔ ہم تمامی مخلوقات کا وجود اور نام و نشان اُسی نور محمدی کی شان ہے (حضرت فرد پھلواروی)

مکین لامکاں باشد محمد ۔ نشان بے نشاں باشد محمد
بعہد خود نہ تنہا بود پیدا ۔ بہر جزو زماں باشد محمد
ز نور اوست پیدا ہر چہ بینی ۔ تمامی کن فکاں باشد محمد

(حضرت نصیر قدس سرہ)

در جملہ جہاں دیدم فیضانِ محمدؐ را ۔۔۔ بینیم بہ ہر ذرہ سریانِ محمدؐ را
اے نصیر منؐ احمدؐ یک جانم و دو قالب ۔۔۔ دیدم بہمہ قالب یک جانِ محمدؐ را

پھر منظور ہوا کہ اُس نور کو بشری لباس پہنائیں۔ اور نزول علی النزول یا یوں کہو کہ تخصیص بعد التخصیص کا کرشمہ دکھائیں۔ پھر کیا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیئے گئے۔ اور وہ نور اُنکی جبین با تمکین میں تاباں تھا۔ اِسیطرح شیث و ادریس و نوح و ابراہیم و اسمٰعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام میں بھی نمایاں تھا ع عباراتنا شتّٰی وحسنک واحدٌ

گہے در کسوتِ لیلےٰ فرو شد ۔۔۔ گہے در صورتِ مجنوں بر آمد

بالآخر قریش کے خاندان میں عبد المطلب کے گھر سے سنہ عامۃ الفیل میں وہ مہر تابانِ نبوت ۱۲۔ ربیع الاول کو دوشنبہ کے دن صبح صادق کے وقت طلوع ہوا۔ اور حضرت سرورِ عالم رسول اکرم حضور پرنور سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم اِس عالم میں تشریف لائے۔

اُس زمانہ کی مخلوق توحید سے بہت دور اور مبتلائے فسق و فجور ہو رہی تھی حضور پرنور نے ایک مدت تک تو اپنی قوم کے ساتھ بسر کیا۔ مگر جب اُن کے عادات و عبادات و معاملات اور رفتار و گفتار کو بالکل شرک آمیز دیکھا۔ اور مقتضائے انسانیت و تہذیب سے اُنکو بالکل معرا پایا تو آپنے خلق سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی و خلوت گزینی اختیار فرمائی۔ اور غارِ حرا میں جا بیٹھے۔ وہیں اپنی فطرتی وحدت میں دھیان و مراقبہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ فیض مطلق جبرئیلی لباس میں وہاں آپہونچا۔ اور اُس نے اپنے آغوش رحمت میں لیکر تین معانقہ و توجہ کے ذریعہ سے مقامِ ناسوت جبروت اور ملکوت طے کرا کر اپنے عالمِ لاہوت میں جا دیا۔ اِس واقعہ کے بعد حضور نے سمجھا کہ

ہیں رسول و نبی ہوں۔ نامہ پیام کا سلسلہ جسے وحی کہتے ہیں شروع ہو گیا ورنہ حقیقت رسالت و نبوت کوئی باہر کی چیز نہ تھی۔ وہ جوہر ذاتی تھا جو اب بروز کیا اور چالیس برس کی عمر میں رسول و نبی سمجھو۔ حدیث "کُنْتُ نبیًا و آدم بین الروح والجسد" کا یہی منشا ہے (رواہ الترمذی) یا یوں سمجھو ؎

دل زمدت ناز بردار تو بود   تو نہ ہستی و در کار تو بود

نبوت و رسالت کے بعد حضورؐ نے اسلام کی دعوت اور خلق کی ہدایت شروع کی۔ پہلے آپ نے توحید ظاہری کا سبق دیا۔ بری خصلتوں اور جہالت کی رسموں سے انکو پاک کیا۔ پھر تزکیۂ نفوس و تصفیۂ قلوب اور تعلیم حکمت کی جو موجب عرفان کامل ہو تعلیم فرمائی۔ "یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ، وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ"

مگر علی حسب الاستعداد جسکو جیسی صلاحیت تھی ویسا اس نے فیض پایا۔ اور اس حکمت عرفانی کی وہ باتیں جو دقائق سے پُر تھیں۔ اور عوام کے مغالطہ میں پڑ جانیکا جنمیں شبہہ تھا انکو خاص ہی کیا۔ مع قلیل دون قوم۔ چنانچہ حضرت مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ رضوان اللہ وسلامہ علیہ کو آپ نے بارہا تخلیہ میں حقائق و معارف و اسرار کی تعلیم و تلقین فرمائی حتی کہ بروز طائف حضورؐ نے ان سے اسقدر تخلیہ و سرگوشی فرمائی کہ لوگوں کو تعجب ہونے لگا۔ جسپر خود آنحضرتؐ نے فرمایا "ما انتجیتہ ولکن اللہ انتجاہ" کہ یہ کوئی معمولی تخلیہ نہ تھا۔ بلکہ خدائی اسرار اور راز و نیاز تھا (جامع ترمذی) اور حضرت حذیفہؓ رسول خدا کے صاحب اسرار مشہور ہوئے۔ کتب حدیث صحاح اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث صحیح میں مروی ہے وہ فرماتے ہیں "حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وِعَائَیْنِ فَاَمَّا اَحَدُھُمَا فَبَثَثْتُہٗ فِیْکُمْ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُہٗ قُطِعَ ھٰذَا الْبُلْعُوْمُ" رواہ البخاری۔ یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم سے دو علم سیکھے ہیں۔ ایک تو تمہیں بتا رہا ہوں لیکن دوسرا اگر میں کہوں تو میری گردن ماری جائے "۔ اس علم کو علم قلبی و علم سینہ بسینہ کہتے۔ اور علم ظاہری کو علم لسانی و علم درسفینہ بولتے ہیں۔ چنانچہ خود حدیث شریف میں آیا ہے "العلم علمان علم فی القلب وذلک العلم النافع۔ وعلم علی اللسان وذلک حجۃ اللہ علیٰ بنی آدم " حضرت صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علم قلبی ہے اور یہ اصلی نفع کی چیز ہے۔ دوسرا علم لسانی اور یہ اللہ کی حجت ہے بنی آدم پر" (رواہ الدارمی)

اب سُنیے ! اُس نور مطلق کی تجلی جلال وجمال دونوں ہی پیرایہ میں ہوتی ہے اور ہمارے حضورؐ اسکے مظہر اتم تھے۔ اسلیئے دونوں ہی شانوں کا آپنے تماشا کیا نبوت کی ابتدا سے تیرہ برس مکہ معظمہ میں دعوت اسلام کیا کیئے۔ بدقت کچھ لوگوں کو اپنا ہمخیال بناکر خدائی رنگ میں رنگ دیا۔ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً۔ مگر مخالفین اور دشمنان دین نے تکلیف و ایذادہی، سب وشتم اور ظلم وجفا کا کوئی درجہ حضورؐ اور حضورؐ کے تن چند ساتھیوں کے ساتھ اُٹھا نہ رکھا۔ بالآخر آپ کو کوچہ گردی و صحرانوردی کی نوبت آئی۔ وطن اور اہل وطن کو خیر باد کہکر مکہ سے نکلے۔ اور راہ کی تمام تکلیفوں اور ایذاؤں کو راضی برضا ہوکر برداشت کرتے ہوئے۔ عاشقی کے مرحلے اور مقامات طے فرماتے ہوئے مدینہ طیبہ میں پہونچے۔ اب یہاں محبوبیت کی شان نے نہایت زور وشور سے ظہور کیا۔ جمال کی تجلی نے جوق جوق لوگوں کو اپنے جلوہ گاہ کی طرف کھینچا۔ ہر سمت سے لوگ کھنچے آتے تھے اور اپنی نیازمندی کا اظہار کرتے تھے۔ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا کی دُھوم دھام ہوئی، ہر کوہ ودشت نعرہ موحدانہ سے تھرانے لگا۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ کی صدا نے ہر گلی وکوچہ میں حق حق حق پکروا دیا۔ اُنکے ساتھی سنگھاتی

نقیب چوبدار۔ ڈاکیئے وپیادے۔ جدھر اور جہاں گئے وہیں اپنا سکہ جما آئے ؎

عراقین زد، روم زد، شام زد　　ہر جا کہ شد کوس اسلام زد

مجلس شریف اور محفل منیف ایسی نورانیت اور انکشاف تام تھا کہ کسی کو دوزخ و جنت دکھائی پڑتی ۵۱ کوئی ملائکہ سے ہم سلام و کلام ہوتا ۵۲ کسی کی سیر اس سے بھی زیادہ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۵۳ اور کوئی خود انہیں میں گم ہو جاتا اور اپنا اسم و رسم سب بھول جاتا ؎

آنچناں چوں فرد گم گردیدم اندر ذات تو　　خلق گر پرسند از نامم عیاں سازم ترا

بیرونی شخص کو حیرت ہوتی کہ یہ رسول ہیں یا یہ رسول ہیں۔ پھر انہیں صاحب کی اس سیر کو جب نزول ہوتا تو اٹھ کھڑے ہوتے۔ اور خدمت گزاری کے ساتھ اپنی غلامی کا اظہار کرتے کہ "یہ خواجہ ہیں میں غلام ہوں۔ میں خود آفتاب نہیں بلکہ اسکی شعاع ہوں۔ میں خود دریا نہیں بلکہ اسکا ایک قطرہ ہوں۔ یہ مستقل میں ظل۔ یہ اصل میں فرع۔ یہ بحر ذخار میں حباب وار۔ یہ روح لطیف میں جسم کثیف۔ یہ بدر منیر ہم نجم ثاقب۔ یہ مطلوب ہم طالب۔ یہ محبوب ہم انکے فدائی۔ یہ سلطان میں گدا۔ یہ **محمد** صلے اللہ علیہ وسلم میں **صدیق** رض یہ سرکار میں رفیق۔ انکی محبت اپنا ایمان۔ جان و دل سب ان پہ قربان۔ انہیں سے سروکار۔ انکے سوا سب سے بیزار۔ انہیں کا متوالا

۵۱ صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت حنظلہ بن ربیع اسیدی کا قصہ دیکھو کہ حضوری مجلس شریف میں گویا ان کو جنت و دوزخ برای العین دکھائی پڑتی تھی ۱۲ حسن ۵۲ صحیح مسلم و استیعاب و اصابہ و اسد الغابہ وغیرہ میں ہے کہ حضرت عمران بن حصین صحابی رض ملائکہ کو برابر دیکھتے اور فرشتوں سے سلام و کلام کرتے تھے۔ اور صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت اسید بن حضیر رض قرأۃ قرآن کے وقت فرشتوں کا ہجوم اور عالم ملکوت کے عجیب و غریب انوار مشاہدہ کرتے تھے۔ رضی اللہ عنہم ۱۲ حسن ۵۳ حضرت صدیق اکبر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جو اس وقت فنافی الرسول کے اعلے مقام میں تھے صحیح بخاری وغیرہ میں یہ واقعہ مذکور ہے ۱۲ حسن پہلو اور

ہوں۔ انہیں کا مست و دیوانہ ہوں ؎

گردش چشم بتاں گردش جام ست اینجا　　　غیر ایں بادہ دگر بادہ حرام ست اینجا

ہمارے سرکار جیسے جسم خاکی کی ارواح کے مربی تھے۔ اسیطرح ملائکہ کروبیان کے بھی مربی تھے۔ پس جب ایک مدت تک اہل زمین مورد نوازش ہوچکے تو عالم علوی کی کائنات کی کشش نے حضور کو ادھر متوجہ کیا۔ اسی لیئے ہجرت سے دس برس بعد حضرت نے رفیق اعلیٰ کو پسند کیا۔ اور ظاہری آنکھیں بند کرکے مرقد مبارک میں آرام فرمایا۔

ربیع الاول کا مہینہ اور **دوشنبہ** کا دن۔ اسی میں **ولادت** اسی میں **نبوت** اسی میں **ہجرت** اور اسی میں **رحلت** جو اول وہی اوسط۔ وہی آخر اور وہی ابتدا وہی انتہا۔ ھو الاول ھو الاٰخر ھو الظاھر ھو الباطن جل جلالہ وعم نوالہ۔ وصل وسلم وبارک علیہ ع الا کل شئ ما خلا اللہ باطل ؎

بخدا غیر خدا در دو جہاں چیزے نیست

بے نشان است کز و نام و نشاں چیزے نیست

محمد سلیمان چشتی قادری۔ پھلواری

عصمت۔ اس نام کا ایک ماہوار رسالہ شیخ محمد اکرام صاحب اڈیٹر مخزن کی اہلیہ دہلی سے شائع کرتی ہیں۔ اس پرچہ میں مستورات کی علمی دینی تمدنی ترقی کے لیئے ملک کے تمام مشہور عورت مرد مضمون نگار نہایت دلچسپ مفید مضامین لکھتے ہیں۔ ہمکو اس سفارش میں کچھ تامل نہیں ہے کہ مشائخ صوفیہ کے شریف گھرانوں میں یہ رسالہ ضرور جانا چاہیئے۔ لکھائی چھپائی نہایت اعلیٰ۔ قیمت سالانہ ۲؍ روپیہ۔ دفتر رسالہ عصمت دہلی سے منگانا چاہیئے۔

مستانہ بزم مولود

نئے الفاظ میں پرانے مطالب

ذیل میں جو حقائق و معارف سے لبریز مضمون درج کیا جاتا ہے۔ اُسکی خوبی اور تاثیر ہر درد آشنا دل خود ہی سمجھ لیگا۔ لیکن چونکہ الفاظ اور طرز و پیرایہ حضرات قدامت شعار کے لیئے بالکل اجنبی ہے۔ اس لیئے ممکن ہے کہ ہمارے ہادی و پیشوا اقدس آپ حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی پر بھی کفر کے فتوے دیئے جائیں جو حافظ رح و جامی رح پر آجکل کے بعض متعارف علماے خشک مزاج نے محض اُن الفاظ کے سبب جو اُنہوں نے وفورِ شوق میں بے باکانہ لکھ دیئے تھے۔ دیئے ہیں۔ لیکن ہمارے حضرت کا تو اسپر عمل ہے ؎

گر مرید راہ عشقی فکر بدنامی مکن۔ (واحدی)

دن آگئے کہ ہم فراق کی راتوں سے رخصت ہوں۔ ربیع الاول کا چاند عرب کے اُفق سے بلند ہونیکو ہے۔ آؤ۔ سب ملکر اُسکو دیکھیں اور چشم منتظر کو ٹھنڈا کریں +

سارا جہان اس ماہ مبارک میں اُس پاکیزہ وجود کے میلاد کا ذکر کرے گا جو تمام موجودات کے وجود کا سبب ہے۔ ہم بھی جہان میں ہیں۔ کیوں نہ ایک بزم میلاد منعقد کریں +

نظام المشائخ کے اوراق کا فرش بچھادو۔ حروف کے نقش و نگار سے محفل کو آراستہ کردو۔ اور صدائے مستانہ شنو +

ہم اپنی محفل میں اغیار کو نہیں بلائیں گے۔ نہ کوئی اس قابل ہی کہ اس شاندار بزم میں مدعو ہوسکے۔ رقعہ خدا کو گیا تھا۔ اور اس سے درخواست کیگئی تھی کہ ہماری مجلس کی صدارت قبول فرمائے اور اپنی مرضی سے جسکو چاہے۔ شرکت جلسہ کی دعوت دے۔ سو اس نے لوح محفوظ کے چکنے کاغذ پر مطبع وحی میں حسب ذیل اعلان چھپوا کر اخبار القرآن میں شایع کر دیا۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۝

"خدا اور اسکے فرشتے نبی پر درود پڑھتے ہیں۔ تم بھی اے ایمان والو اسپر درود و سلام بھیجو"۔

چونکہ القرآن کثیر الاشاعت اخبار ہی۔ بیشمار اہل ایمان اس بزم درود سلام و ذکر خیر الانام کی شرکت کیلئے جمع ہو گئے۔ اسوقت صدر انجمن صاحب جل جلالہ و عم نوالہ کرسی لامکان پر جلوہ افروز ہوئے۔ اور اپنی افتتاحی تقریر آواز منور میں شروع کی جو یہ تھی۔

فرشتوں! اور جنٹلمین (ایماندار آدمیوں)!! میں خوش ہوں کہ تم سے آجکے دن شان تعین میں خطاب کرنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ تمہاری کوئی بزم ایسی نہیں ہی جو میرے دائرہ وجود سے باہر ہو مگر یہ محفل ایک خاص محفل ہے جسمیں علانیہ میری تجلی تم سے ہمکلام ہوتی ہے

آجکے جلسہ کی غرض یہ ہے کہ ہم سب اسم کثرت کی شان میں اُس نور کا ذکر کریں جو ہماری ذاتِ وحدت مآب کا ظہور بشکل محمدؐ تھا، جسکو ہم نے احمدؐ بھی کہا اور محمدؐ بھی ✢

میں تمکو بتانا چاہتا ہوں کہ اُسکا ذکر کیونکر کیا جائیگا۔ سنو سنو ہر وجود اپنی شکل و صورت کے اعتبار سے اُسکا ذکر کرے۔ مگر ہم کبریائی کے مالک ہیں۔ سب کچھ ہمارا ہے۔ سب کچھ ہم میں ہے۔ سب کچھ ہم سے ہے۔ اور سب کچھ ہم ہیں۔ اس لیئے ہمارا ذکر صرف ان الفاظ میں ہوگا ✢

"اے کملی اوڑھنے والے اُٹھ۔ رات کو ہماری یاد کر۔ لوگوں کو ہدایت کا رستہ بتا۔ ہماری شان سے انکو آگاہ کر۔ مانگ۔ تجکو دیا جائیگا بول۔ اُسکو سُنا جائیگا۔ سفارش کر۔ قبولیت ہوگی۔ اے اندھیری رات کی مثل سیاہ گیسو والے۔ اے صبح کی روشنی کی مانند منور چہرے والے۔ میں تجکو پسند کرتا ہوں۔ تو ازل سے ابد تک میرا ہے تجھپر میرا سلام ✢

فرشتوں! تمھارا ذکر یہ ہے کہ اس آدم زاد کو سجدہ کرو۔ مومنو! تم اسکے احکام کی اطاعت کرو۔ یہی تمھارا ذکر ہے ✢

جب حضرت قدوس اپنا ایڈریس ختم کر چکے تو ایک گدڑی پوش مست کھڑا ہوا اور اس طرح بولنے لگا ✢

جناب باری! و دیگر یاران خراباتی!! میں دیوانہ ہوں۔ اور عقل و خرد سے بیگانہ۔ اجازت دیجیے کہ میں اپنے ممدوح کا ذکر اس قاعدہ اور ضابطہ سے نہ کروں جسکا مجمل خاکہ پریسیڈنٹ صاحب نے قائم کرکے دکھایا ہے بلکہ ذوق

شوق اور ولولوں سے میں جو چاہوں کہہ جاؤں۔ چیرز (نعرۂ حق) امید ہے کہ آنریبل چیرمین مجھ ذرہ بیمقدار کی گستاخی و بے ادبی سے ناراض ہو کر ظلوماً جہولاً سے زیادہ کوئی اور دوسرا خطاب تجویز نہ فرمائیں گے۔ خندہ اور زور شور سے چیرز (نعرۂ حق) ؛

میں حضرت سبحانی سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ قرآنی دعوت نامہ میں جس نبی پر درود و سلام بھیجنے کا ذکر ہے وہ کونسا نبی ہے۔ کیا وہ جسکا خاکی وجود سب سے پہلے بنا۔ اور جسکے متحرک ہونیکے واسطے خود ذات ربانی نے اپنے دم کو بلایا اور آ۔ دم کے حکم کو سنکر سب سے پہلے جس ذات نے اس پیکر خاک کو آدم کا لقب دیا یا وہ جسکو نوح کہتے ہیں۔ جسنے حضرت کی شان تھی کہ طوفان آب پر علانیہ جنبش کرتے دیکھا۔ یا نبی مراد۔ آپ پر فقط تا ایمان نبوالے ابراہیم سے ہے یا ان ست جنہوں نے طور پر راز نیاز کے کلام کے بعد ذرا بے باکانہ جرأت پردہ اٹھانے کی کی تھی۔ یا نبی کا لفظ ابن مریم کی شان میں فرمایا گیا ہے جو آپ کی حیران کرنے والی نشانیوں میں ایک نشانی تھے ؛

اگر یہ سب نہیں تو کیا وہ یتیم جو امن کی آغوش میں پلا۔ وہ جو چھوٹے سے قد پر لمبے لمبے بال بکھیرے۔ لکڑی ہاتھ میں لیئے بکریاں چراتا تھا۔ وہ جو کمبل اوڑھ کر آیا۔ اور دو شالہ اوڑھا کر گیا۔ جسنے جو کا آٹا کھایا اور گیہوں کا کھلایا۔ پروردگار! ہمیں بتا۔ کیا وہی جو امن میں شیر کی طرح شیریں اور صاف۔ اور جنگ میں شیر کی مانند دلیر و صف شکن تھا۔ کیا وہی جو نیزہ و شمشیر کا مالک اور میدان کارزار کی رونق تھا۔ جس کی پشت دشمن نے کبھی نہیں دیکھی جسکا قدم ہمیشہ آگے بڑہتا رہا۔ وہ جسکو آپ کی گورنمنٹ نے خُلُقِ عَظِیم کی ڈگری عطا فرمائی۔ وہ جو غریبوں۔ بیکسوں۔ لاوارثوں کا والی و سرپرست تہا۔ وہ جو مدینہ

کی گلیوں میں معمولی آدمیوں کی طرح چلتا پھرتا تھی۔ آہ۔ آہ۔ آہ۔ وہ کون تھیں جنکی نقشیں کی یاد نے ہمکو آنسوؤں کے دریا میں ڈبو رکھا ہے +

اگر وہ سب۔ تو ہمکو اجازت دیجائے کہ اسکی محبت کا جام سر جلسہ نوش کریں (چھیڑیں) اور اس دربار میں جتنے تھے جیسے مستانے ہیں انکو رخصت ملے۔ تاکہ

خراباتیاں مے پرستی کنند محمد بگویند و مستی کنند

رند خراباتی اسقدر گفتگو کرنے پایا تہا کہ محفل میں گردش پیدا ہوئی اور عاشقان سوختہ تڑپنے لگے۔ تجلی کی بجلیاں چمکنے اور کڑکنے لگیں۔ اور میرا۔ جو ہوا بیچارہ حسن کی مجال نہیں کہ اس سے زیادہ اس محفل کی نسبت زبان کھولے +

صاحب بزم میلاد کے اخلاق

اس مستانہ دہیا کانہ بیان کے بعد بزم میلاد کے سالکانہ طریق کو ادا کیا جاتا ہے۔ جسمیں میرے عقیدے میں سب سے زیادہ مفید اور ضروری صاحب میلاد کی اخلاقی خوبیوں کا تذکرہ ہے۔ جنکو احادیث کی معتبر روایتوں سے اخذ کرکے لکھا جاتا ہے +

جس طرح ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام رسولوں پر فوقیت اور فضیلت ہے اسی طرح ان کے اوصاف و خصائل سب پیغمبروں سے اعلیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کلام قرآن شریف میں اسکا ذکر فرمایا ہے۔ مگر وصف بھی وہ بیان کیا گیا جو تمام اوصاف کی جان ہے۔ چنانچہ یہ ارشاد ہوا۔ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم تمہاری پیدایش (اے محمدؐ) بہت بڑے خلق پر ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حسن خلق محمدی ہی شان دار چیز ہے کہ حضور رسول مقبولؐ کے اعلیٰ اوصاف میں

اس کا شمار ہوا۔ خود حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حسن خلق کی فضیلت میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اسکو ذیل میں قلمبند کیا جاتا ہے۔

احمد۔ حاکم اور بیہقی نے حضرت ابی ہریرہ رض سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اسواسطے بھیجا گیا ہوں کہ عمدہ اخلاق کو پورا کروں۔ ابو داؤد اور ترمذی نے ابو الدردا سے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بھاری چیز جو میزان اعمال میں رکھی جائیگی وہ خدا سے ڈرنا اور خوش خلقی ہوگی۔ ایک دفعہ کسی نے آپسے دریافت کیا دین کیا چیز ہے آپنے فرمایا خوش خلقی۔ اُس شخص نے آپکے داہنی طرف آکر یہی سوال کیا۔ اور یہی جواب پایا۔ یہاں تک کہ چاروں رخ سے پوچھا اور ایک ہی جواب پایا ایک اور آدمی نے دریافت کیا اعمال میں افضل چیز کیا ہے فرمایا حُسن خلق کسی نے عرض کیا باعتبار ایمان کون افضل ہے۔ فرمایا جو خُلق میں سب سے اچھا ہے طبرانی نے مکارم الاخلاق میں بروایت حضرت ابی ہریرہ رض کے بیان کیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم لوگوں سے دولت میں نہیں بڑھ سکتے تو خندہ پیشانی اور خُلق حُسن میں بڑھ جاؤ۔ حضرت جریر بن عبد اللہ کو ایک دفعہ ارشاد ہوا۔ تجھ کو اللہ نے خوبصورت بنایا ہے اپنے خلق کو بھی خوبصورت بنا۔ حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یوں دعا فرماتے تھے اللھم احسنت خلقی فحسن خلقی۔ الٰہی تونے میری صورت اچھی بنائی ہے تو میرا خُلق بھی اچھا بنا۔ دریافت کیا گیا بندہ کو سب سے اچھی چیز کیا دیگئی ہے فرمایا۔ خُلق حسن۔ دوسری جگہ فرمایا۔ قیامت کے دن زیادہ محبوب اور میرے قریب بیٹھنے والے وہ لوگ ہونگے جن کے اخلاق اچھے ہیں۔ فرمایا خوش خلقی گناہ کو اس طرح گھلا دیتی ہے جس طرح دھوپ برف کو۔ فرمایا کوئی تدبیر عقل کے موافق

نہیں ہے اور کوئی حسب خوش خلقی +

بدخلقی کی برائی

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا نحوست کیا چیز ہے فرمایا بدخلقی فرمایا بدخلقی اعمال نیک کو اس طرح خراب کر دیتی ہے جس طرح سرکہ شہد کو بدمزہ کر دیتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ بدخلقی ایسا گناہ ہے جو کبھی بخشا نہیں جائیگا۔ نیز آپنے فرمایا۔ بدخلق آدمی دوزخ کی تہ میں ڈالا جائیگا ؛

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ بیمار کی عیادت کو خود تشریف لیجاتے۔ غلام کی دعوت منظور کر لیتے۔ پاپوش مبارک کی خود مرمت کر لیتے کپڑوں میں پیوند لگا لیتے۔ اپنے گھر والوں کے کام میں شریک ہو کر خود کام کرنے لگتے۔ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے صحابہ کو تکلیف نہ دیتے۔ بلکہ جو کام خود کر سکتے تھے اُسکو دوسرے سے کرانا بُرا تصور فرماتے تھے جب آپ کا گزر لڑکوں پر ہوتا اُن کو سلام کرتے۔ ایک شخص آپکے پاس آیا وہ آپ کی ہیبت سے کانپنے لگا آپنے فرمایا کیوں ڈرتا ہے۔ میں بادشاہ نہیں ہوں۔ میں تو قریش کی ایک عورت کا لڑکا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔ آپ کا دستور تھا کہ اپنے اصحاب میں اسطرح مل جلکر بیٹھتے کہ اجنبی آدمی آپ کو پہچان نہ سکتا تھا آخر صحابہ نے بار بار عرض کر کے مٹی کا ایک چبوترہ بنا دیا۔ جسپر آپ تشریف رکھنے لگے۔ اور لوگوں کو اس امتیاز کے سبب شناخت کی دقت جاتی رہی ؛

ایکدفعہ حضرت عائشہ رض نے آپسے عرض کیا کہ میں آپ پر قربان جاؤں تکیہ لگا کر کھانا نوش فرمایا کیجیئے تاکہ تکلیف نہو۔ آپنے ارشاد کیا۔ میں اسی طرح کھاؤنگا جس طرح بندہ کھاتا ہے اور ویسا ہی بیٹھوں گا جیسا کہ بندہ بیٹھتا ہے۔ آپکے اصحاب میں سے یا اور کوئی آدمی آپ کو پکارتا تو آپ جواب میں لبیک فرماتے

جس قسم کی بات کا آپ کے اصحاب میں پہلے سے ذکر ہوتا آپ بھی اُس کے متعلق باتیں کرتے۔ اگر وہ اشعار خوانی کرتے ہوئے ہوتے تو آپ بھی شعر پڑھتے۔ اگر اصحاب ہنستے تو آپ بھی تبسم فرماتے۔ اور سوائے حرام اور ناجائز امور کے اور کسی بات میں صحابہ کو زجر و توبیخ نہ فرماتے تھے۔ فقیروں میں بیٹھتے۔ مساکین کو اپنے ساتھ کھانا کھلا لیتے۔ جو لوگ اخلاق میں افضل ہوتے اُن کا احترام فرماتے تھے۔ جو آپ کے سامنے عذر کرتا اُس کا عذر قبول کر لیتے۔ خوش طبعی فرماتے مگر جھوٹ کو نہ آنے دیتے۔ مباح کھیل کو دیکھتے اور منع نہ فرماتے۔ اپنے اہل کے ساتھ دوڑتے کہ دیکھیں کون آگے نکلے۔ لوگ آپ کے سامنے بلند آواز سے بولتے تھے جس سے آپ کو اذیت ہوتی تھی۔ مگر آپ صبر فرماتے۔ کسی کو مفلسی و بیماری کے سبب حقیر نہ جانتے تھے۔ کسی بادشاہ سے اسکی دنیاوی شوکت کے سبب خوف نہ کرتے تھے۔

آپ نے کبھی کسی عورت یا نوکر کو لعنت نہیں کیا۔ اگر آپ سے کہا جاتا کہ کسی کے لیے بد دعا کیجیے تو آپ اُسکو دعا دیتے۔ سوائے جہاد کے آپ نے کسی پر وار نہیں کیا۔ اگر آپ کے واسطے بچھونا بچھوا دیا جاتا تو آپ اُس پر لیٹ رہتے اور اگر بچھونا نہ بچھایا جاتا تو زمین پر لیٹ جاتے۔ جب کوئی آپ سے ملتا۔ سلام میں سبقت فرماتے اور جب تک وہ چلا نہ جاتا آپ کھڑے رہتے۔ اگر کوئی آپکا ہاتھ پکڑ لیتا تو آپ چھڑانے کی کوشش نہ کرتے یہاں تک کہ وہ خود ہی چھوڑ دیتا۔ آپ کے پاس کوئی آتا اور آپ نماز میں مصروف ہوتے تو نماز کو مختصر کر دیتے۔ اور پوچھتے تم کو مجھ سے کچھ کام ہو تو کہو۔

کسی مجمع میں تشریف لیجاتے تو جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے۔ کسی کو اُٹھانے کی تکلیف نہ دیتے۔ مجمع میں اسطرح پھیل کر نہ بیٹھتے۔ ہاں گھر میں کبھی کبھی پیر پھیلا کر

بیٹھتے تھے۔ جو لوگ آپ کے پاس آتے۔ اُنکی خاطر اور تعظیم فرماتے۔ قرابت داروں کے لیئے اپنی چادر بچھا دیتے۔ جس تکیہ کے سہارے آپ تشریف رکھتے تھے۔ آنیوالے کو وہ تکیہ عنایت فرماتے کہ اِسکے سہارے بیٹھو۔ اگر وہ عذر کرتا تو قسم دیکر تکیے کے سہارے آرام سے بٹھاتے۔ ہر شخص سے ایسا برتاؤ کرتے کہ وہ یہ سمجھتا کہ مجھ سے زیادہ اور کسی پر مہربانی نہیں ہے +

قصہ مختصر۔ یہ آپکے حُسن اخلاق کا مجمل سا بیان ہے۔ اِس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مسلمان خاصکر صوفیائے کرام جو حضور کی پیروی واتباع کو مقصود حقیقی تصور کرتے ہیں۔ آیا واقعی اِس قسم کے اخلاق رکھتے ہیں۔ یا کچھ فرق و تفاوت ہے۔ اب تو مشائخ کی محفلیں متکبر اُمرا کے درباروں سے بڑھکر پائی جاتی ہیں۔ جہاں غربا اور کم حیثیت لوگوں کو کوئی نہیں پوچھتا۔ اور جو معمولی بات چیت ایسی درشتی سے کرتے ہیں کہ سُننے والا ندامت مخواہ مخواہ رہ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اب فقرا میں اگلے وقت کے بزرگوں کی سی تاثیریں نہیں پائی جاتیں۔ نہ پہلا سا قال ہے نہ حال۔ ہر چیز میں آسمان و زمین کا فرق پڑگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عنایت فرمائے کہ آقائے نامدار مرشد حقیقی حضرت رسول العرب و العجم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سے سبق حاصل کریں اور یورپ کی خودغرضانہ زندگی میں اسلامی صداقت کے اخلاق کا زندہ نمونہ بن کر نمودار ہوں تاکہ روحانیت کی پیاسی دنیا اسلامی چشمۂ حیات سے سیراب ہونے کو آگے بڑھے۔ آمین +

حسن نظامی

رباعی

شیخے بزن فاحشہ گفتا مستی؟ | کز خیر گسستی و بہ شر پیوستی؟
زن گفت۔ چنانکہ مینمایم ہستم | تو نیز چنانکہ مینمائی ہستی؟

حضرت بختیار کاکی

زندۂ جاوداں زفیضِ عمیم
کشتۂ زخمِ خنجرِ تسلیم

یہ اسم با مسمےٰ قطب بلکہ قطب الاقطاب جنکا پورا اسم گرامی مع مشہور القاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی شہید المحبتہ رحمۃ اللہ علیہ ہی سرزمین **اوش** میں (جو ماوراء النہر کے علاقہ میں واقع ہی) پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی نسبت بہت سے ایسے واقعات بیان کیے جاتے ہیں جنسے معلوم ہوتا ہی کہ

آپ کی ولایت کا سکہ

آپ کی ولادت باسعادت سے پہلے ہی بیٹھنا شروع ہو گیا تھا۔ لیکن افسوس ہی کہ ان عجیب غریب باتوں کے دیکھنے پر بھی کسی نے اس غیر معمولی شان کے انسان کی تاریخ پیدائش کو خیالست نہ یاد رکھا۔ اور آج ہم اُسے کامل تحقیق اور وثوق کے ساتھ آپکے سامنے پیش نہیں کرسکتے۔ **فتحیہ مرشدیہ** میں آپ کی عمر شریف اور سن وفات سے حساب لگا کر سنہ ۵۶۱ ہجری بیان کیے گئے ہیں۔

حضرت خواجہ کا سلسلۂ نسب کل چودہ واسطوں کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام سے جا ملتا ہی۔ آپکے **والد** بھی ایک بزرگ شخص تھے جن کا اسم مبارک خواجہ کمال الدین احمد تھا۔ لیکن اُنکے زیر سایہ آپنے اپنی عمر کا کل ڈیڑھ ہی سال گزارا تھا کہ ان کا انتقال ہو گیا اور آپ کا سارا بوجھ بار آپ کی والدہ ماجدہ پر پڑگیا

نہوں نے اپنے مقدور بھر اپنے لخت جگر کی

تعلیم و تربیت

میں بہت کوشش کی۔ لیکن وہاں تو نہ باپ کے سایہ کی ضرورت تھی اور نہ ماں کی تگ و دو کی حاجت۔ ہونہار خواجہ کا خود خدا منتظم تھا **فرشتہ** بحوالہ کتاب حیۃ الالیاس آپ کے بچپن کے حالات میں لکھتا ہے کہ جب آپ کی عمر شریف پڑھنے کے قابل ہوئی تو آپ کی والدہ نے آپ کو اپنے کسی پڑوسی کے سپرد کیا اور فرمایا کہ جاکر کسی مکتب میں بٹھا آؤ۔ وہ شخص آپ کو لے کر جارہا تھا کہ راستے میں اُسے ایک بزرگ ملے جنہوں نے اُس سے پوچھا کہ "یہ بچہ کس کا ہے"۔ اُس نے جواب میں سارا حال سنادیا اور کہا کہ اس طرح میں اسے مکتب میں داخل کرانے لیجارہا ہوں اُن بزرگ نے فرمایا کہ "بھائی! یہ کام تم میرے سپرد کرو۔ میں اس بچہ کو ایک ایسے اُستاد کے پاس پہنچا دوں گا جسکی صحبت کی برکت سے یہ لاثانی انسان بنجائیگا اُس نے کہا "بسم اللہ۔ بڑی خوشی کے ساتھ"۔ غرضکہ یہ دونوں اُن بزرگ کے ساتھ ہوئیے اور چلتے چلتے **ابوحفص** نامی ایک بزرگ کے مکان پر پہونچے۔ ابوحفص اپنے زمانہ میں بڑے صاحب کمال شخص تھے۔ حق تعالی نے انہیں علوم ظاہری باطنی دونوں میں بہرہ وافر عطا فرمایا تھا۔ راہگیر بزرگ نے اِن کے ہاتھ میں حضرت خواجہ کا ہاتھ دیا۔ اور کہا کہ "اے ابوحفص! یہ بچہ ایک دن سلطان الاولیا ہونیوالا ہے اسے خاص غور و توجہ سے پڑھائیگا" بس اتنا کہکر وہ بزرگ فوراً باہر چلے گئے۔ ابوحفص نے حضرت خواجہ کے ساتھی سے دریافت کیا۔ "جانتے ہو یہ کون بزرگ تھے"۔ اُس نے کہا "نہیں مجھے تو یہ آج ہی اتفاقیہ راستے میں مل گئے تھے۔ اس سے پہلے میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا"۔ ابوحفص نے فرمایا۔ "یہ حضرت خضر تھے"۔ اسی قسم کے اور بہت سے واقعات پیش آتے رہے۔ لیکن وہ سب اس چھوٹے سے مضمون میں نہیں

سما سکتے۔ اس لیے نظر انداز کیے جاتے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت خواجہ نے ابوحفص کی تعلیم سے خوب لیاقت حاصل کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ ایک جید عالم بن گئے علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد حضرت خواجہ کے اس خداداد مادے نے اپنا کام شروع کیا جسکی جھلکیاں آثار دیکھنے میں آیا کرتی تھیں شروع میں اشارۃً ذکر آچکا ہے کہ آپ ولی مادرزاد تھے۔ لیکن اس صورت میں بھی ضرورت تھی کہ کوئی ایسا شیخ کامل ملے جو ہاتھ پکڑ کر آپکو

سلوک

کی تمام منزلیں طے کرادے۔ چنانچہ آپ کو اسکی تلاش ہوئی۔ اور آپ اسی دھن میں پھرتے پھرتے بغداد پہنچے۔ اسمیں مورخین کا اختلاف ہے **صاحب سبعہ سنابل** لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری خود ہی سیر کرتے کرتے **اودش** میں پہنچ گئے تھے اور گھر بیٹھے حضرت خواجہ کے گوہر مراد ہاتھ آگیا تھا۔ لیکن **سیر الاولیا** جو سبعہ سنابل سے زیادہ قدیم کتاب ہے اسمیں یہی لکھا ہے کہ حضرت خواجہ بغداد گئے اور وہاں ابواللیث سمرقندی کی مسجد میں شیخ شہاب الدین سہروردی۔ شیخ اوحدالدین کرمانی۔ شیخ برہان الدین چشتی اور شیخ محمود اصفہانی کی موجودگی میں خواجہ بزرگ کے مرید ہوئے ؛

مرید ہونیکے بعد حضرت خواجہ نے خواجہ بزرگ کی خدمت میں رہنا اختیار کیا اور عرصہ تک حضرت کیساتھ عبادت اور ریاضت میں مصروف رہے۔ اس اثنا میں اتنا تعلق بڑھا کہ جب خواجہ بزرگ بغداد چھوڑ کر ہندوستان چلے آئے۔ اور مستقل طور سے **اجمیر شریف** میں مقیم ہوگئے تو آپ سے یہ فرقت گوارا نہ ہوسکی اور آپنے بھی

وطن کو خیرباد کہا

اور راہی ہندوستان ہوگئے۔ پہلے سیدھے ملتان پہنچے اور کچھ دن شیخ بہاء الدین زکریا اور شیخ جلال الدین تبریزی کے ہاں مہمان رہکر دہلی آئے اور یہاں آکر ایک عرضی خواجہ بزرگ کی خدمت اقدس میں اس مضمون کی ارسال کی۔ کہ شوق قدمبوسی کشاں کشاں

یہاں تک آیا ہے۔ اب ارشاد ہو تو حاضر ہو کر آستانہ عالی پر جبہ سائی کروں لیکن خواجہ بزرگ نے جواب میں لکھا کہ قرب روحانی کے آگے بعد مکانی کوئی چیز نہیں ہے ہمارے واسطے دوری و نزدیکی یکساں ہے۔ تمہیں ابھی دہلی میں قیام کرنا چاہیے میں عنقریب خود وہاں آکر تم سے ملوں گا۔ حضرت خواجہ نے پیر کے حکم کی تعمیل کی اور شہر سے باہر موضع کیلوکھری میں جو اب تلوکری کہلاتا ہے لب دریائے جمن سکونت اختیار کی۔ یہ سلطان شمس الدین التمش کی حکومت کا زمانہ تھا۔ سلطان شمس الدین ولی تھا، ذوق میں اعلیٰ درجہ کا صاحب کیفیت اعتقاد بادشاہ گزرا ہے۔ اُسے بزرگوں سے بڑی محبت تھی اور اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ آخر کار اُسے ولایت کا درجہ حاصل ہو گیا اور اقلیم باطن کی بادشاہی بھی اُسکے حصہ میں آئی۔ **سیر العارفین** میں لکھا ہے کہ جب اُسے معلوم ہوا کہ حضرت دہلی میں تشریف لائے ہیں اور آپ نے کیلوکھری میں قیام کیا ہے۔ تو سجدۂ شکر بجالایا۔ اور حاضر خدمت ہو کر ملتجی ہوا کہ حضور جنگل سے شہر میں چلے چلیں اور اُسے اپنے قدوم میمنت لزوم سے برکت بخشیں۔ لیکن آپ نے عذر کر دیا کہ شہر میں پانی کی کمیابی ہے اس لیے میں وہاں نہیں رہ سکتا۔ بالآخر اُس نے خود اپنے لیے مقرر کر لیا کہ ہفتہ میں دوبار آتا اور حضرت کی زیارت اور صحبت سے فیضیاب ہو کر چلا جاتا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد حضرت خواجہ شہر چلنے پر راضی ہو گئے۔ اور سلطان نے علٰحدہ ایک موقع کی جگہ پر آپ کو ٹھیرا دیا یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت خواجہ کچھ زیادہ مشہور تو نہیں ہوئے تھے۔ لیکن جو ایک دفعہ آپ کو دیکھ لیتا تھا آپ کا معتقد ملک و الہ و شیدا بن جاتا تھا۔ آپکے ملتان جانیکے حال میں غالباً ہم نے یہ نہیں لکھا کہ سلطان ناصر الدین قباچہ اور سارے ملتان والے آپسے عرض کرتے رہے کہ آپ یہاں سے نہ جایئے۔ لیکن آپ عشق شیخ میں ایسے سرشار تھے کہ وہاں نہ رہ سکے اور جب شیخ ہی نے حکم دیدیا کہ دہلی میں رہو تب مجبور ہو گئے ورنہ دلی تمنا تو اُن کی شیخ کی خدمت میں رہنے کی تھی۔ اب جب دہلی میں رہایش اختیار کی تو یہاں کی بھی ساری

خلقت آپ کی طرف رجوع ہو گئی۔ عوام و خواص۔ غریب امیر سب آپکے معتقد ہو گئے۔ خود بادشاہ نے آپکے ہاتھ پر بیعت لی۔ اس موقع پر پہنچکر مورخین ایک نہایت عبرت ناک اور سبق آموز واقعہ لکھتے ہیں۔ یعنی شیخ نجم الدین صغریٰ کے

رشک و حسد

کا حال۔ یہ باتیں اگر کسی عام یا دنیادار انسان سے سرزد ہوئی ہوتیں تو کوئی محل تعجب نہ تھا لیکن جب معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نجم الدین صغریٰ جیسے یگانہ روزگار شخص سے انکا ارتکاب ہوا تو خدا کی شان نظر آنے لگتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ دنیا بڑے امتحان کی جگہ ہے۔ یہاں بڑے بڑے انسان قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ خیر قصہ اسطرح پر ہے کہ حضرت خواجہ کو شہر میں آئے ہوئے تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ شیخ الاسلام مولانا جمال الدین بسطامی رح کا انتقال ہوگیا۔ بادشاہ التمش رح نے آپسے درخواست کی کہ آپ شیخ الاسلام کا عہدہ قبول فرمائیے۔ لیکن آپنے منظور نہ کیا۔ اور بالآخر وہ جگہ شیخ نجم الدین صغریٰ کو دیدی گئی۔ شیخ نجم الدین صغریٰ حضرت خواجہ بزرگ کے ملنے والے اور بڑے باخدا شخص تھے لیکن اس عہدہ جلیلہ پر ممتاز ہوتے ہی خدا جانے اُنہیں کیا ہوگیا۔ کہ خواہ مخواہ حضرت خواجہ سے رشک کرنے لگے۔ اور اس رشک کے مادّے نے اتنی ترقی کی کہ حسد و بغض کے درجے تک پہنچ گیا۔ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ خواجہ بزرگ حضرت خواجہ کے پاس دہلی تشریف لائے تو سارا شہر اُمنڈ کر اُن کی زیارت کو چلا گیا۔ لیکن شیخ نجم الدین باوجود تعلق رکھنے کے صرف اس وجہ سے خواجہ بزرگ سے ملنے نہیں گئے کہ وہ حضرت خواجہ کے پیر تھے۔ لیکن جسوقت خواجہ بزرگ کو معلوم ہوا کہ نجم الدین صغریٰ انسے ملنے نہیں آئے تو وہ خود اُنکے مکان پر تشریف لے گئے۔ مگر وہ اسپر بھی آپسے بالکل بے التفاتی اور کج خلقی سے پیش آئے تو آخر خواجہ بزرگ نے فرمایا کہ "نجم الدین! شاید شیخ الاسلامی نے تمہارا دماغ بگاڑ دیا ہے جو دوستوں سے اس قدر

نوت سے پیش آتے ہو"۔ اسپر شیخ کھل گئے اور بولے کہ "حضرت! میں تو آپ کا ویسا ہی عقیدت کیش ہوں جیسا پہلے تھا۔ لیکن آپنے اس شہر میں اپنا ایک مرید ایسا چھوڑ رکھا ہے جسکے سامنے میری شیخ الاسلامی کی ذرہ بھر قدر نہیں ہوئی"۔ خواجہ بزرگ نے فرمایا "خاطر جمع رکھو۔ میں بابا قطب الدین کو اپنے ہمراہ اجمیر لیئے جاتا ہوں"۔ یہ سُنکر شیخ رہ نے حضرت کی خاطر تواضع شروع کی۔ مگر آپ جلدی اٹھکر چلے آئے اور حضرت خواجہ سے فرمایا کہ "**بابا بختیار!** یہاں تمہاری شہرت سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ تم میرے ساتھ اجمیر چلے چلو"۔ حضرت خواجہ کو کیا عذر تھا وہ تیار ہو گئے۔ لیکن جب آپ کی روانگی کی خبر شہر میں پہنچی تو لوگ چیخ اُٹھے۔ اور بادشاہ۔ امیر و غریب سب روتے ہوئے آپکے پاس آئے۔ یہ دیکھکر خواجہ بزرگ نے اپنی رائے کو بدل دیا۔ اور فرمایا۔ بابا! میں اتنے دلوں کو صدمہ پہنچانا نہیں چاہتا۔ تم یہیں رہو۔ میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ اور دہلی کو تمہارے سپرد"۔ اہل شہر نے جب یہ سنا تو انکی تو جان میں جان آگئی۔ لیکن شیخ کا رنج اور بڑھ گیا۔ اور اسی رنج و حسد میں آخر کار سلطان کی ناراضی کا شکار ہو کر عہدۂ شیخ الاسلامی سے معزول ہوئے اور رسوائی و پریشانی کی تکلیف اٹھا کر دنیا سے چل بسے +

ریاضت و مجاہدہ

فرشتہ لکھتا ہے کہ جب تک حضرت خواجہ **خواجہ بزرگ** کے مرید ہوئے ہیں اس وقت آپ کی عمر مبارک کل بیس سال کی تھی بس تعلق کے پیدا کرنے سے پہلے آپ کی ریاضت و عبادت کا یہ حال تھا کہ دن رات میں ڈھائی سو رکعتیں نماز کی پڑھتے تھے اور تین ہزار دفعہ یہ درود حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک پر بھیجتے تھے۔ اللھم صل علی محمد عبدک ونبیک وحبیبک ورسولک النبی الامی والہ وسلم۔

حضرت محبوب الٰہی رہ سے منقول ہے کہ قصبہ اُوش میں ایک رئیس حضرت خواجہ کا مرید تھا۔ اُس نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ ایک عالیشان مکان ہے جسکے گرد لوگوں کا ہجوم

ہو رہا ہے۔ اور ایک نہایت نورانی شکل کا شخص ہے کہ وہ بار بار اُن لوگوں کے پاس آتا ہے۔ اور ایک آدھ بات کرکے پھر اندر چلا جاتا ہے۔ اِن مرید صاحب نے حاضرین میں سے کسی سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ اِس محل عالیشان کے اندر حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ اور یہ صاحب جن کا نام عبداللہ مسعود ہے۔ حضرت کا پیام نام بنام اِن لوگوں کو پہنچا رہے ہیں۔ حضرت خواجہ کے مرید نے عبداللہ مسعود سے کہا کہ حضور سے عرض کیجئے کہ فلاں شخص دیدار فیض انوار کا مشتاق ہے۔ عبداللہ اندر گئے اور حضور کا جواب لائے کہ "تم میں ابھی ہمارے دیکھنے کی قابلیت نہیں ہے۔ تم جاؤ۔ اور قطب الدین کو ہماری طرف سے سلام کہکر کہو کہ جو تحفہ تم ہر شب ہمارے لیئے بھیجا کرتے تھے تین شب سے ہمارے پاس نہیں پہنچا۔ جب اُسکی آنکھ کھلی تو وہ فوراً حضرت خواجہ کے پاس گیا۔ اور اُسنے ساری کیفیت حضرت کو سنادی۔ معلوم ہوا کہ حضرت نے نکاح کیا ہے اور اِسکی وجہ سے تین شب سے درود شریف کا ورد ناغہ ہوجاتا ہے۔ حضرت نے خواب کا حال سنتے ہی بیوی کو طلاق دیدی۔

صاحب جوامع الکلم لکھتے ہیں ایکدفعہ نوعمری ہی کے زمانہ میں آپ کو شوق پیدا ہوا کہ کسیطرح حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہو۔ ایک صاحب نے بتلایا کہ یہاں ایک منارہ ہے۔ اُسکے پاس حضرت خضرؑ روز شب کو تشریف لاتے ہیں اور جو شخص وہاں بیٹھکر رات بھر بیدار رہتا ہے اور دعا کرتا ہے۔ اُس سے ملاقات کرتے ہیں خواجہ صاحب وہاں گئے۔ اور ساری رات عبادتِ خدا میں مشغول رہے۔ لیکن کوئی دکھائی تک نہ دیا۔ آخر مایوس ہوکر گھر کو چلے۔ راستے میں ایک شخص نے سامنے آکر آپ سے پوچھا کہ "خواجہ کہاں گئے تھے"۔ فرمایا "یہیں اِس منارے تک گیا تھا"۔ اُسنے کہا "وہ مقام تو نہایت خراب اور وحشتناک ہے وہاں کیوں گئے تھے"۔ آپنے فرمایا "ایک شخص نے کہا تھا کہ وہاں رات بھر دعا کرنیسے خضر علیہ السلام کی زیارت ہوجاتی ہے۔ اسلیئے گیا تھا"۔

اس شخص نے پوچھا "پھر ملاقات ہوئی یا نہیں" فرمایا "نہیں"۔ اُس شخص نے سوال کیا "اگر ملاقات ہو جاتی تو تم اُسے کیا مانگتے" فرمایا "خدا کی محبت مانگتا اور کیا مانگتا"۔ وہ شخص اِس جواب کو سُن کر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ "خواجہ خضرؑ کی تلاش میں کیوں پھرتے ہو وہ خود تمہاری طرح سرگردان رہتا ہے۔ لیکن ہیں اسی شہر میں ایک بزرگ رہتے ہیں جنکے پاس حضرت خضرؑ آیا کرتے ہیں۔ وہ شخص صرف اتنا کہنے پایا تھا کہ ایک سفید ریش بزرگ برابر سے نکلکر آئے۔ وہ اُنسے مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ "یہ صاحبزادے آپسے ملنے کے متمنی تھے"۔ حضرت خواجہ سمجھ گئے کہ یہی نو وارد بزرگ حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ بہت خوش ہوئے۔ لیکن وہ دونوں کے دونوں آناً فاناً میں نظروں سے غائب ہو گئے۔ تاہم حضرت خواجہ کامیاب گھر واپس آئے +

صاحب سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ اوائل عمر میں تو غلبۂ خواب کے سبب قدرے آرام کر بھی لیا کرتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ آخر عمر تک آپنے اتنا آرام کرنا بھی ترک کر دیا تھا۔ دن رات بیدار رہتے تھے اور ۲۴ گھنٹے یادِ خدا میں گزارتے تھے +

حضرت خواجہ امیر حسن علاء سنجری رح اپنی مشہور کتاب فوائد الفواد میں ناقل ہیں کہ حضرت خواجہ بہت چھپا کر عبادت کیا کرتے تھے۔ اور اپنے مریدوں کو بھی اسی قسم کی تعلیم دیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت شیخ فرید الدین گنجشکر رح نے آپسے عرض کیا کہ "میں ایک مقررہ وقت پر اوراد و وظائف کرنے چاہتا ہوں"۔ حضرت خواجہ نے منع فرمایا اور کہا کہ "ہمارے پیروں کا یہ قاعدہ نہیں رہا۔ اِس سے شہرت ہوتی ہے اور فقیروں کے لیے شہرت سخت آفت ہے"۔ حضرت شیخ نے عرض کیا کہ "میں اِس سے شہرت حاصل کرنی نہیں چاہتا"۔ حضرت خواجہ کو آپ کا یہ کہنا پسند نہ آیا اور آپ خاموش ہو گئے۔ حضرت شیخ فرید الدین گنجشکر رح ہمیشہ افسوس کیا کرتے تھے کہ میں نے حضرت کو کیوں ایسا جواب دیا جو حضرت کو ناگوار گزرا +

صبر و قناعت

حضرت خواجہ صبر و قناعت میں بھی فرد تھے۔ اکثر آپ پر اور آپ کے اہل و عیال و دیگر متعلقین پر فاقے گزرتے تھے لیکن آپ کی صحبت کا اثر تھا کہ چھوٹے سے لیکر بڑے تک کسی کو قسمت سے شکایت نہوتی تھی۔ سب علی کل حال شاکر رہتے تھے۔ صاحب **اسرار الاولیاء** ایک نہایت مؤثر اور دلچسپ واقعہ لکھتے ہیں کہ "آپکے پڑوس میں ایک مسلمان بقال رہتا تھا۔ اکثر آپ اُس سے بوقت ضرورت قرض دام لیا کرتے تھے۔ ایک دن کہیں اُس بقال کی بیوی کو اسپر غرور آگیا اور حضرت خواجہ اہلخانہ سے باتیں کرتی کرتی بول اُٹھی کہ ہم یہاں نہ رہتے ہوتے تو تمہیں کون قرض دیتا اور کیونکر تمہارا گزارہ ہوتا۔" حضرت خواجہ کے محترم اہل خانہ کو اُس کا یہ طعنہ ناگوار گزرا اور انہوں نے حضرت خواجہ سے اِسکی شکایت کی۔ حضرت نے فرمایا کہ "آیندہ سے قرض نہ لیا کرو! میرے اِس مصلّے کے نیچے تمہیں ضرورت کیموافق کاک (روٹیاں) ملجایا کرینگی" چنانچہ ایک زمانہ تک اسی خدائی خوان سے حضرت کا کنبہ پلتا رہا۔ آپ اپنی ضرورت سے زیادہ اپنے پاس روپیہ پیسہ نہ رکھتے تھے۔ اور اگر کوئی کچھ نذر کرتا تھا تو بے ضرورت اُسے ہرگز قبول نہ کرتے تھے۔ **تذکرۃ الاصفیاء** میں منقول ہو کہ ایک دفعہ سلطان شمس الدین رح نے کچھ تھیلیاں اشرفیوں کی آپ کی خدمت میں بھیجیں آپنے اُنہیں واپس کردیا اور کہلا بھیجا کہ "بادشاہ! میں تو تمہیں اپنا دوست سمجھتا ہوں لیکن تم میرے ساتھ دشمنی کرنی چاہتے ہو" ایک اور موقع پر بادشاہ نے چھ گاؤں آپ کی نذر کرنے چاہے۔ لیکن آپنے مسکرا کر جواب دیدیا کہ میرے پیروں کا یہ شیوہ نہیں رہا۔ میں اُن کے خلاف کرکے اُنہیں کیا مُنہ دکھلاؤنگا۔ اور بہتیرے ضرورتمند ملجائینگے۔ اُنہیں یہ گاؤں دیدیے جائیں"۔

کرامات

صاحب سیر الاولیا لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں حضرت خواجہ اپنے وطن سے ہندوستان آتے ہوئے ملتان میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے مہمان ہوئے تھے۔ اُس زمانہ میں ملتان میں کچھ کفار نے بہت شورش برپا کر رکھی تھی ایک دن انہوں نے شہر کو گھیر لیا اور اتنا سخت محاصرہ کیا کہ ملتان کا حاکم سلطان ناصر الدین قباچہ پریشان ہو کر حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رح سے باطنی امداد طلب کرنیکے لیئے آپکے مکان پر حاضر ہوا۔ حضرت خواجہ بھی اُسوقت شیخ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اُس نے آپسے بھی دعا کے واسطے درخواست کی حضرت خواجہ کے ہاتھ میں اُسوقت ایک تیر تھا۔ آپنے وہ تیر اُسے دیدیا اور فرمایا کہ یہ لیجاؤ اور جدہر دشمن کا لشکر پڑا ہوا ہو اُدہر چھوڑ دو۔ اُسنے ویسا ہی کیا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن آپ ہی آپ تھوڑی سی دیر میں تتر بتر ہو گئے +

جواہر فریدی سے منقول ہے کہ سلطان شمس الدین التمش رح کی داد و دہش اور ہمت و سخاوت کا شہرہ سنکر ایران کے مشہور شاعر **ناصری** نے اُس کی شان میں ایک قصیدہ لکھا۔ اور دہلی میں آیا۔ جب اُن سے قصیدہ پیش کرنیکی اجازت ملگئی تو وہ شاہ کی حضوری میں جانیسے پہلے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر ملتمس ہوا کہ میں اتنی دور دراز کی مسافت طے کر کے یہاں آیا ہوں اور اب دربار میں قصیدہ پڑھنے کے لیئے جاتا ہوں۔ آپ میری کامیابی کے لیئے دعا فرمائیے۔ حضرت خواجہ نے ارشاد فرمایا۔ جاؤ کامیابی ہوگی۔ وہ خوش خوش دربار میں پہنچا۔ بادشاہ نے قصیدہ پڑھنے کا حکم دیا۔ اُسنے شروع کیا۔ لیکن اتفاقاً کسی وجہ سے بادشاہ کی توجہ ہٹ گئی۔ ناصری نے حضرت خواجہ کا تصور کیا۔ بادشاہ پھر اُس سے مخاطب ہوا۔ اور بولا "ہاں پڑھو۔ اور شروع سے پڑھو"۔ اس نے دوبارہ شروع کیا + **مطلع**

"اے فتنہ از نہیب تو زنہار خواستہ تیغ تو مال و فیل ز کفار خواستہ"

جب مقطع پر پہنچا تو بادشاہ نے فرمایا۔ سارے قصیدے کو ایک دفعہ اور پڑھو۔ اُس نے پھر سُنا دیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ قصیدے میں کتنی بیتیں ہیں ناصری نے عرض کیا "چھپن" حکم دیا کہ چھپن ہزار اشرفیاں انعام میں دیدی جائیں ناصری کو ہرگز اتنے انعام کی امید نہ تھی۔ وہ اشرفیاں لیکر حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نصف اشرفیاں آپ کی نذر کرنے لگا۔ آپ نے لینے سے انکار فرمایا اور اُسے رخصت کر دیا۔

کتاب **فردوسیہ قدسیہ** میں لکھا ہے کہ ایک روز شاہی نانبائی سے خاص سلطان التمش کے کاک جل گئے۔ نانبائی بہت پریشان اور ہراساں ہوا۔ اتفاقیہ آپ کا اُدھر سے گزر ہوا۔ اُسکا یہ حال دیکھکر آپ نے فرمایا کہ "تردد کی کیا بات ہے۔ بسم اللہ کہہ کر ہاتھ ڈال اور کاک نکال لے"۔ اُس نے تعمیل کی۔ دیکھا تو سب کاک بے جلے تھے وہ بہت خوش ہوا اور اُسدن سے آپ کا معتقد ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ اسی واقعہ کی وجہ سے **کاکی** آپ کا لقب مشہور ہو گیا۔

ذوق وشوق اور وصال

حضرت خواجہ کو شروع سے سماع کیجانب بہت میلان تھا۔ علمائے ظواہر ہمیشہ سلطان التمش سے عرض کرتے کہ آپ جیسے حامی شریعت بادشاہ کے زمانہ میں گانے بجانے کے جلسے ہوتے ہیں اور آپ کچھ تدارک نہیں فرماتے۔ سلطان جواب دیتا کہ بابا تم کیا جانو جسپر تم الزام لگاتے ہو وہ گانے کی صلاحیت رکھتا ہے میری اتنی مجال نہیں کہ اُسکو روکوں۔ علمائے نے کہا کہ محفل سماع میں امرد لڑکوں کا شریک ہونا تو خود خواجگانِ چشت کے عقیدے کے برخلاف ہے۔ پھر حضرت خواجہ جو ڈاڑھی مونچھ نہیں رکھتے کیوں گانے میں شریک ہوتے ہیں۔ اُنکی عمر ابھی جواز کی حد کو نہیں پہنچی۔ سلطان نے کہا کہ اچھا جاؤ۔ اور اس معاملہ کو حضرت خواجہ ہی سے طے کر لو

علما خانقاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپکے ابھی ڈاڑھی مونچھ نہیں نکلی آپ امردکے حکم میں ہیں طریق چشتیہ کے موافق محفل سماع میں شریک ہونا آپ کو کسی صورت روا نہیں حضرت نے تبسم فرمایا اور چہرہ پر ہاتھ پھیر کر کہا دیکھو تو۔ بس یہ کہنا تھا کہ علما کی آنکھوں سے حجابات اُٹھ گئے۔ اور انہوں نے دیکھا کہ ایک دراز ریش فرشتہ صورت بزرگ سامنے تشریف رکھتے ہیں۔ گویا حضرت خواجہ نے اپنی شکل حقیقت کا انکو مشاہدہ کرادیا۔ یہ دیکھکر تمام علما قدموں میں گر پڑے اور معافی مانگی +

القصہ ساری عمر ذوق سماع میں گزری۔ لوگوں نے ہر چند طرح طرح کے خلجان پیدا کیے اور آپ کو اِس شوق سے روکنا چاہا۔ مگر ہمیشہ سب کو ناکامی ہوئی۔ اور حضرت کا مقام اِس کوچہ میں روز بروز بڑھتا گیا اور آخر وہ دن آپہنچا کہ خنجرِ تسلیم میان سے نکلکر مشتاقانِ شہادت کو دیکھنے لگا۔ مگر سوائے حضرت خواجہ کے اور کوئی اُسکی نگاہ میں نہ جچا۔ اِسلیئے اُس نے جانِ غیب کو زمانہ کے مختلف پردوں سے سمیٹ سمیٹ کر دہلی کے ایک نورانی مقام میں جمع کرنا شروع کیا +

یعنی وہ وقت آگیا کہ ارباب ذوق کا قربان گاہ میں خنجر تسلیم سے ایک سر تن سے جدا ہو اور لوگوں کے مردہ دلوں میں جان ڈالے۔ چنانچہ ایک دن شیخ علی سنجری کی خانقاہ میں جو حضرت خواجہ کے مخصوص مخلصین میں تھے۔ محفل سماع منعقد ہوئی۔ حضرت خواجہ بھی تشریف لیگئے۔ قوالوں نے جسوقت حضرت احمد جام کا یہ شعر پڑھا ؎

کُشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است

تو حضرت خواجہ نے اس شعر کی اپنی زبان مبارک سے تکرار کی۔ اور بیہوش ہو گئے لوگوں نے بیہوشی میں حالت نزع محسوس کی تو آپ کو خانقاہ میں لے آئے۔ یہاں آکر پھر قوالی شروع ہوئی۔ اور کامل چار روز اسی شعر کی تکرار رہی۔ نماز کے وقت آپ کو ہوش آجاتا تھا۔ اور نماز سے فارغ ہوتے ہی پھر بے خودی طاری ہو جاتی تھی۔ کیفیت یہ تھی کہ

جب پہلا مصرعہ پڑھا جاتا تو آپ بالکل بے حس و حرکت ہو جاتے۔ اور ایسا معلوم ہوتا گویا بے جان ہیں۔ مگر دوسرا مصرعہ پڑھتے ہی آپ جنبش کرنے لگتے۔ آخر لوگوں کی رائے سے دوسرے مصرعہ کو بند کر دیا گیا۔ اور پہلے مصرعہ کے خنجر تسلیم نے دو چار ہی ضربوں میں آپ کا کام تمام کر دیا۔

جسوقت یہ آسمان ولایت کا قطب جسم خاکی سے جدا ہوا اور محبت کے خنجر نے دل، جگر کے ٹکڑے کر ڈالے۔ تو حضرت قاضی حمید الدین ناگوری نے آپکے سر مبارک کو اپنی گود میں لے لیا۔ اور شیخ بدر الدین غزنوی نے آپکے قدم اپنی آغوش میں رکھ لیے۔ اور روح پاک غیب کی بے شمار جانوں کے جمگھٹے کو ساتھ لیکر اپنے نورانی پردوں عالم راز میں اڑ گئی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ شہادت کبرٰے دوشنبہ کی رات کو ربیع الاول کی ۱۴ تاریخ ۶۳۳ھ ہجری میں واقع ہوئی سلطان شمس الدین التمش رح نے خود اپنے ہاتھ سے جسم شہید کو غسل دیا۔ نماز پڑھائی اور اس مقام پر دفن کیا۔ جسکو حضرت خواجہ نے عالم حیات ظاہری میں چشم حقیقت سے منور مشاہدہ کرکے اپنے مرقد کے لیے خرید لیا تھا۔

رحلت سے پہلے حضرت خواجہ نے اپنا خرقہ نعلین مصلے وغیرہ لوگوں کو دیکر ارشاد کیا کہ یہ **فریدالدین مسعود** کا حق ہے وہ **ہانسی** سے آئیں تو دے دینا گویا اسطرح حضرت خواجہ نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنجشکر کو اپنا جانشین خاص مقرر فرمایا۔ اگرچہ اسوقت حضرت خواجہ کے فرزند موجود تھے مگر آپنے خلافت جانشینی کا اصلی مستحق اپنے معنوی فرزند حضرت گنجشکر کو قرار دیا۔

یہ امر اچھی طرح تحقیق نہو سکا کہ آپ کی اولاد کا نسبی سلسلہ چلا یا نہیں حضرت کی خانقاہ میں چھ سات سو کے قریب پیرزادے رہتے ہیں مگر وہ عموماً یا تو حضرت

حمید الدین ناگوری کی اولاد ہیں اور یا حضرت سید نور الدین مبارک غزنوی کی۔ ان کے علاوہ دو اور بزرگوں کی اولاد بھی وہاں پائی جاتی ہے لیکن اُنکے اسمائے گرامی اسوقت ہمیں معلوم نہو سکے۔

حضرت خواجہ کا مزار بالکل خام ہے اور اُسپر کوئی چھت یا گنبد نہیں ہے۔ قریب کے زمانہ میں سنگ مرمر کا ایک احاطہ مزار شریف کے گرد بنا دیا گیا ہے۔ جسکے اندر علاوہ حضرت کے مزار کے اور بھی متعدد مزارات ہیں۔ حضرت خواجہ کے پائیں بلند چبوترہ پر حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کا مزار ہے۔

مزار مبارک سے دو ہزار قدم کے فاصلہ پر اولیا مسجد اور حوض شمسی مشہور مقامات ہیں۔ اولیا مسجد میں دو مصلے بنے ہوئے ہیں جنکی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ اجمیری اور حضرت خواجہ بختیار کاکی نے اُنپر نماز پڑھی ہے۔ یہ مقام بڑا دلچسپ پُر تاثیر ہے۔ اگر وہاں خلوص و یکسوئی سے دعا کیجائے تو قلب کو اُسیوقت مقبولیت کا یقین ہو جاتا ہے۔

اولیا مسجد کے متصل **شمسی تالاب** واقع ہے۔ یہ تالاب کسی زمانہ میں بڑا مشہور تاریخی مقام تھا۔ اسکے چاروں طرف تمام مشہور بزرگوں کی خانقاہیں تھیں جنکے تماشے یا تو کتابوں میں نظر آتے ہیں۔ اور یا ان کھنڈروں سے معلوم ہوتے ہیں جو اب شکستگی کے عالم میں سر جھکائے کھڑے ہیں۔

انہیں کھنڈروں میں حضرت مولانا [illegible] الدین کی خانقاہ اور مزار بھی ہے جو قوم کمبوہ کے [illegible] میں اور ہمایوں بادشاہ کے پیر و مرشد مولانا جمالی کے شیخ طریقت تھے۔ نواب [illegible] سکرٹری علیگڈہ کالج انہیں کی اولاد میں ہیں۔ مگر آجکل دنیاوی تفکرات [illegible] کے سبب [illegible] کسکو فرصت ہے کہ اپنے بزرگوں کے ان نشانوں کی حفاظت کرے جو [illegible] ہونے کے قریب آ گئے ہیں۔

حضرت خواجہ کے آثار قدیم میں کئی چیزیں اب تک موجود ہیں قطب مینا کے قریب آپکی خاص حویلی قائم ہے جو ایک دفعہ آریہ سماج والوں کے قبضہ میں آگئی تھی اور قریب تھا کہ اسمیں گھوڑوں کا اصطبل بنا لیا جاتا مگر صاحبزادگان درگاہ حضرت خواجہ نے بروقت کوشش شروع کردی اور خان بہادر ڈپٹی محمد اکرام اسد خاں صاحب مرحوم کے ذریعہ سے اسکو اس فتنہ سے محفوظ کرالیا۔

موقع ہوا تو انشاء اللہ وہاں کی موجودہ حالت کے متعلق آئندہ کسی موقع پر وضاحت سے لکھا جائے گا۔ اب حضرت خواجہ کے چند

ملفوظات

اور نصیحت آمیز اقوال پر اس مضمون کو ختم کیا جاتا ہے۔

فرماتے ہیں "اگر تو مرد کامل بننا چاہتا ہے تو لوگوں سے صحبت کھنی کم کردے۔ تھوڑا بول۔ تھوڑا کھا۔ تھوڑا سو۔ جواہر درویشی پیدا ہو جائینگے"۔

فرماتے ہیں "شیخ میں اتنی قوت اور قدرت ہونی چاہیئے کہ جو کوئی مرید ہونے آئے۔ اُسکے سینہ کی کدورت اور زنگار نظر باطن کے زور سے صاف کردے پھر ہاتھ پکڑے اور خدا تک پہنچا دے۔ اگر اتنی قوت پیر میں نہیں ہے تو وہ بھی گمراہ ہے اور اُسکا مرید بھی"۔

فرماتے ہیں "درویش کی شان یہ ہے کہ آلائش دنیا سے اپنے تئیں پاک رکھے۔ بجز خدا کے کسی کو دلمیں جگہ نہ دے۔ اور اسرار معرفت کو چھپائے۔ ایک خُم میں مست نہو جائے بلکہ قدح کے قدح پئے اور پھر ھَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کہے"۔

فرماتے ہیں "عاشق عالم تحیر میں ہوتا ہے۔ گلے پر چھریاں پھرتی ہیں سر پر آرے چلتے ہیں۔ لیکن عاشق کو خبر نہیں ہوتی۔ وہ ہر بات میں لطف لیتا ہے اور کہتا ہے

"ہرچہ از دوست میرسد نیکوست"

فرماتے ہیں "اگر درویش تونگری چاہتا ہے تو زہد و طاعت بہت کرے اگر فقر چاہتا ہے تو نامرادی اختیار کرے۔ اور اگر قرب چاہتا ہے تو ناامیدی پیدا کرے"

فرماتے ہیں "اہل سلوک کا قول ہے کہ طریقت کا رستہ بہت پرخوف ہے اسمیں قدم رکھکر بڑی احتیاط سے کام لینا چاہیئے"۔

واحدی

نوٹ

ناظرین نے شہید المحبة قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی چشتی رح کے حالات ملاحظہ فرمائے۔ جنکو میرے ہونہار قوت بازو سید محمد ارتضی واحدی سلمہ اللہ تعالی نے نہایت محنت و جانفشانی سے مشائخ قدیم کے تذکروں اور معتبر تاریخوں سے منتخب کرکے لکھا ہے۔

حقیقت آگاہ حضرات سے مخفی نہیں ہے کہ آجکل کے زمانہ میں کن واقعات کو سوانح عمری کے لیئے پسند کیا جاتا ہے۔ اسلیئے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ نئے زمانہ کے مورخ کو اگلے مورخین کے ذخیرہ میں اپنے مطلب اور ضرورت کیموافق بہت کم سامان میسر آسکتا ہے کیونکہ پرانے لوگ محض خرق عادت اور کرامات کے واقعات سے اپنی کتابوں کو لبریز کردیا کرتے تھے جن چیزوں کی آجکل تلاش ہے اُسکی طرف انکو توجہ نہ تھی۔

پس اگر اس تحریر میں بھی حضرت خواجہ کے حسب ضرورت تفصیلی حالات نظر نہ آئیں تو اسکو میرے واحدی کا قصور نہ سمجھنا چاہیئے۔ اُنھوں نے تلاش و جستجو کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ حلقہ اور میرے ذاتی کتب خانہ کے علاوہ دہلی کی پبلک لائبریری کی کتابوں کو بھی عرصہ تک گردش اوراق میں مبتلا رکھا گیا۔ مگر نتیجہ وہی نکلا جو آپکے سامنے ہے۔

اس دنیا کی زندگی میں خدا تعالی نے جو سب سے بڑی نعمت مجکو عطا فرمائی ہے اور جسکو اُسکے ارشاد وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کے موافق بیان کرنا ضروری ہے یہ ہے کہ عزیزم محمد ارتضی واحدی اور انکی طرح ور چند نوخیز وجود اپنی سراپا انگریزی زندگی کو ترک کرکے میرے ساتھ اس طرح وابستہ ہوگئے ہیں۔ اور اُنھوں نے اپنی ہستی کو اُسکے تمام لوازمات سمیت میرے خیالات اور میرے منشا میں

ایسا جذب کردیا ہی کہ میں اسکو فخریہ کثرت میں حدت کا لقب دے سکتا ہوں۔ اور بار بار اُس مقلب القلوب کا شکرانہ بھیجتا ہوں +

زمانہ جانتا ہی کہ آجکل کے نوجوانوں کا علمی مشغلہ مخرب اخلاق ناولوں کا پڑھنا ہے مگر میں جب ان چند فیشن ایبل نوجوانوں کو بزرگانِ دین کے ملفوظات پڑھتے دیکھتا اور ہر وقت اسی شغل میں مصروف پاتا ہوں تو میری خوشی و شادمانی کی کوئی حد باقی نہیں رہتی +

اب ایک ارمان میرے دل میں اور ہے خدا تعالی اُسکو بھی پورا فرمائے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس طرح یہ چند نوجوان میرے دست و بازو بنکر خدمت مشائخ عظام میں مصروف ہیں اسیطرح خاص مشائخ کی نسل جدید بھی میرا ہاتھ بٹائے۔ اور اس کام کو جو محض اسکے بزرگوں کی خدمت گزاری کیلئے شروع کیا گیا ہے اپنا سمجھے +

گزشتہ عرس کے موقع پر جب میں اجمیر شریف حاضر ہوا تو چند نوعمر و نو تعلیم یافتہ صاحبزادگان درگاہ نے میرے خیالات سے خاص اُنس ظاہر کیا تھا۔ مگر اسکے بعد گردش افلاک نے مجھکو دربار خواجہ تک جانے ہی نہ دیا جو دوبارہ اُن حضرات کی صحبت میسر آتی۔ لیکن میرا یقین ہے کہ جبدن حلقہ کے اغراض و مقاصد کو وہاں کامل تشریح سے پیش کیا جائیگا تو سب سے پہلے یہی نسل جدید اُنکو لبیک کہیگی +

خاصکر آستانہ حضرت خواجہ بختیار کاکی رح کے صاحبزادوں سے میری بہت سی امیدیں وابستہ ہیں کہ وہ ضرور اپنے اس ذاتی کام کو انجام دینے کے لیئے جوش و خروش سے حصہ لینگے کیونکہ اُن میں اسکے آثار ابھی سے نظر آنے لگے ہیں۔ تہوڑا عرصہ ہوا اُنہوں نے باہمی اتفاق و مشورہ سے عہد کر لیا ہی کہ درگاہ شریف میں زائرین کو کسی قسم کی پریشانی نہونے دیں گے چنانچہ اب جو شخص زیارت کو جاتا ہے تو نہایت امن و طمینان سے رہتا ہے۔ ایک بچہ بھی اُس سے کچھ طلب نہیں کرتا۔ حالانکہ ایک وقت میں محض اسی شکایت کی بنا پر سیکڑوں آدمی ان حضرات کو جو نامور بزرگوں کی اولاد ہیں اور خواجہ کاکی رح جیسے قطب زمانہ شیر کے جوار میں

رہتے ہیں بُرا بھلا کہا کرتے تھے بلکہ اخباروں میں شکوے چھپواتے تھے جن کا میں نے بارہا جواب دیا ہے +

حرمین شریفین کے مطوفوں کی شکایتیں بھی ہمیشہ اخباروں میں چھپا کرتی تھیں اب جبکہ ترکی حکومت میں پارلیمنٹ قائم ہوئی تو بہر یہ اُن کا انتظام کیا گیا۔ مگر حضرات صاحبزادگان خواجہ کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو اس معاملہ میں سارے جہان پر فوقیت ہے کہ انہوں نے اپنا انتظام خود ہی کیا +

یہ وہ لوگ ہیں کہ مسلمان بادشاہ انکی تعظیم کے لیے تخت سے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ انکی رگوں میں اُن بزرگوں کا خون ہے جو ہندوستان میں دین اسلام کے قیام دوام کا سبب تھے۔ اگر مسلمانوں کی بہتری ہو سکتی ہے تو ان ہی جیسے حضرات کی توجہ سے ہو سکتی ہے۔ لوگوں کو چاہیئے کہ درگاہوں کے جوار میں رہنے والے بزرگوں کو مسلمانوں کی ضرورتوں سے آگاہ کریں اور انکو اپنے درد کا شریک بنائیں۔ اسوقت جبکہ حالات حضرت خواجہ صاحب شائع کیے جاتے ہیں۔ میں تمیع حضرات صاحبزادگان درگاہ حضرت خواجہ صاحب سے نہایت ادب کیساتھ درخواست کرتا ہوں کہ وہ حلقۂ نظام المشائخ کے اغراض و مقاصد کو رسالہ کے پہلے ورق پر ملاحظہ فرمائیں۔ اور غور کریں کہ یہ حلقہ ان ہی حضرات کی حمایت و حفاظت کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ اور خاکسار حسن نظامی کے حق میں دعا کریں کہ وہ ہمیشہ آپکے بزرگوں کی خاکِ قدم کو اپنا سرتاج بنائے رکھے"+

حسن نظامی

کسوٹی۔ مولوی حسن الدین صاحب خاموش نے مومن کے دل کو پرکھنے کیلئے یہ ایک دلچسپ ناول لکھا ہے جو سکرٹری انجمن معین المسلمین بہادر راجپوتانہ سے محصول ڈاک بھیجنے پر مفت ملتا ہے +

کلام فوق منشی محمد الدین صاحب فوق اڈیٹر کشمیری میگزین لاہور کے کلام کا مجموعہ نئے پیرایہ سے شائع ہوا ہے یعنی ہر نظم کا سبب تصنیف بھی لکھا گیا ہے ۶ر میں دفتر کشمیری میگزین لاہور سے منگانا چاہیے

پیرِ مجیب قدس سرہٗ

یعنے

حضرت آفتاب طریقت تاج العارفین مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ القادری الجعفری الزینبی الپھلواروی رضی اللہ عنہ و نفعنا

مولانا سید محمد شعیب صاحب رضوی پھلواروی نے جن بزرگ کے حالات شروع کیے ہیں وہ اضلاع بنگال و بہار میں نہایت برگزیدہ و ذی اثر مانے جاتے ہیں اور اُن کی خانقاہ ہزارہا مقبول بندگانِ الٰہی کا مرکز ہے۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ تحریر قطع نظر متوسلین سلسلہ مجیبیہ کے دیگر سلاسل کے مشائخ کی آگاہی کے لیے بھی مفید ہوگا۔ نظام المشائخ میں اسیطرح تمام ہندوستان کے بزرگوں کے حالات شائع کیے جائینگے۔ تاکہ ہر دیار کے مشائخ ایک دوسرے کے کوائف سے خبردار ہوں۔ اور باہمی اتحاد پیدا ہونے کی صورت نکلے ٭ (واحدی)

آپ خاندان جعفریہ کے بہترین احفاد سے ہیں۔ آپکا خاندان صوبہ بہار کے اس متبرک قصبہ پھلواری میں (جو عظیم آباد سے ۶ کوس کے فاصلہ پر جانب مغرب واقع ہے) ا چار سو برس سے آباد ہے[1] اور ہمیشہ علم و فضل میں یگانۂ روزگار رہا ٭

دسویں صدی ہجری کے ابتدا میں تاج العارفین کے جد اعلےٰ حضرت شاہ سعد اللہ جعفری زینبی قدس سرہٗ نے (جو حضرت نور الدین ملک بازپران دہلوی کے نواسے

[1] نہ صرف پھلواری ہی میں آپکا خاندان آباد ہوا بلکہ اطراف الہ آباد و مچھلی شہر میں بھی جاکر بسا۔ چنانچہ مولوی عبدالرزاق صاحب مچھلی شہری نے اپنے رسالہ مکاتیب الانساب میں اسکا پتہ دیا ہے۔ مَن شاء الاطلاع

حضرت شاہ فتح اللہ جعفری زینبی کے بڑے صاحبزادے تھے۔ بعد وفات اپنے والد ماجد کے بعض خانگی منازعت کی وجہ سے ترک وطن کرکے آپنے دہلی سے پورب کا قصد کیا۔ اس قصبہ کا عامل آپکے والد علیہ الرحمۃ کے مریدوں سے تہا۔ جسوقت عامل نے آپکے ترک وطن کی خبر سُنی بہت دور دور سے استقبال کرکے نہایت اعزاز واکرام کے ساتھ لے آیا۔

حضرت شاہ سعد اللہ علیہ الرحمۃ کچھ دن پہلواری میں قیام پذیر رہے۔ ایک دن بنظر سیر و شکار دریائے پُن پُن کی طرف (جو پہلواری سے تین کوس کے فاصلہ پر دکھن کی جانب جاری ہے) گئے تھے۔ چونکہ وہ زمانہ شیر شاہ کی نئی سلطنت گیری کا تہا۔ اس لیئے تمام ملک میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ زمینداروں میں بغاوت کی سخت زہریلی ہوا چل رہی تھی۔ باغیوں نے سرکاری ملازم سمجھکر شہید کرڈالا۔ ہمراہیوں نے لب دریا مشہد ہی پر آپ کو دفن کردیا۔ موضع منورہ سالارپور سے پورب لب دریا یہ مزار **سعد و شہید** کے نام سے مشہور ہے۔ اس جانگسل واقعہ کے کچھ دن بعد شاہ سعد اللہ شہید علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے حضرت امیر عطاء اللہ جعفری نے سہسرام کا قصد کیا۔ بادشاہ کا وزیر جو امیر علیہ الرحمۃ کے قرابتمندوں سے تہا آپ کی تشریف آوری کی خبر سُنکر خاص عاملوں ارکان دولت کو استقبال کے لیئے بہیجا۔ ملاقات کے بعد امیر صاحب علیہ الرحمۃ نے کسی منصب کی درخواست کی وزیر صاحب نے امیر صاحب کی شرافت کیساتھ وجاہت و علم و فضل کو غنیمت جانکر اپنی صاحبزادی سے بیاہ دیا۔ جنسے دو بیٹے محمد مظفر و محمد حسین اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں (کہتے ہیں کہ شادی کے بعد وزیر صاحب نے آپ کو بجائے خود خدمت وزارت پر مامور کیا۔ مگر اسکا تحقیقی ثبوت نہیں ہے۔ باانیہمہ کسی معزز عہدہ پر ممتاز کردیا۔ چندے امیر صاحب علیہ الرحمۃ خدمت مفوضہ پر حکمراں رہے آخر عمر میں اپنے بڑے بیٹے امیر مظفر کی وفات سے دل برداشتہ ہوکر نوکری چھوڑکر

باقی متعلقین کے ساتھ پھلواری میں چلے آئے اور اسی قصبہ میں اقامت اختیار کرکے ایک مسجد سنگ سرخ کی (جسکا سامان آگرہ سے اپنے ہمراہ لائے تھے) بنواکر عبادت خدا میں مشغول ہوگئے +

امیر صاحب علیہ الرحمۃ کے انہیں دو صاحبزادوں محمد منظفر و محمد حسین کی متعدد اور کثیر التعداد اولاد سے اس متبرک قصبہ کی آبادی ایک ممتاز پیمانہ پر ہوگئی۔ اور سیکڑوں علماء و فضلا انکے مقدس اصلاب سے ظہور میں آئے جو علم وفضل میں اپنی آپ ہی نظیر تھے +

حضرت آفتاب طریقت تاج العارفین امیر عطاء اللہ کے چھوٹے بیٹے محمد حسین کے چوتھی پشت میں پوتے ہیں +

سلسلہ نسب جدی آپکا

حضرت ذوالجناحین جعفر طیار رضی اللہ عنہ تک حسب ذیل واسطوں سے پہنچتا ہے جس سے تاج العارفین کی عالی نسبی کا پورا پتہ لگ سکتا ہے۔ حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ القادری بن شاہ ظہور اللہ بن کبیر الدین بن رکن الدین بن محمد حسین بن امیر عطاء اللہ بن سعد اللہ بن فتح اللہ بن محب اللہ بن محمد بن امین بن ابراہیم بن عمر دراز بن عبید بن حمید بن اسمٰعیل بن محمد الرئیس بن علی الزینبی بن عبد اللہ الجواد بن جعفر طیار رضی اللہ عنہم اجمعین

اور حضرت تاج العارفین کو نہ صرف آبائی حیثیت سے ہی اپنی عالی نسبی میں امتیاز حاصل تھا بلکہ **مادری نسب** کیطرف سے بھی آپ کو حسینی سید ہونیکا فخر حاصل تھا شاہ مجیب اللہ بن بی بی خدیجہ بنت سید برہان الدین خضر پوری بن سید زین العابدین بن سید عبدالعزیز بن سید قطب الدین عرف سید بھیکہ بن سید الہ داد بن محمد اسحاق بن محمد یوسف بن محمد خواجہ بن سید نصیر الدین بن حسام الدین بن ابراہیم ابوالحسن بن عباس ثانی بن سید حسن بن حمزہ بن احمد حسین ابوالحسن عباس بن سید علی بن سید حسین

ف۱ عبد اللہ الجواد زوج زینب بنت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے اس لیئے علی زینبی کی اولاد

ابو الحسن بن سید علی بن سید محمد بن سید علی اکبر بن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بن امام محمد باقر علیہ السلام بن امام زین العابدین رضی اللہ عنہم ؂

سنہ ۱۰۹۱ھ میں تاج العارفین نے اپنے مبارک قدم سے روئے زمین کو منور فرمایا

تذکرۃ الکرام میں لکھا ہو کہ آپ کی ولادت سے دو چار ساعت پہلے تاج العارفین کے والد حضرت شاہ ظہور اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا تھا کہ ایک منور و چمکتا آفتاب میرے مکان میں طلوع ہوا ہے جس کی تعبیر شاہ ظہور اللہ علیہ الرحمۃ کے پیر حضرت شاہ برہان الدین قادری پہلواروی علیہ الرحمۃ نے تاج العارفین کی مفید ولادت سے کی ؂

آپ کی باسعادت ولادت کے چند ہی ماہ و سال کے بعد آپکے والدین آپ کے ننھے اور مقدس دل پر داغ یتیمی لگا کر راہی ملک بقا ہوئے۔ افسوس مشیت ایزدی کی وجہ سے آپ کی پرورش کا حق ادا نہ کر سکے۔ اگرچہ یہ صدمہ تاج العارفین کے لیے بہت ہی عظیم تھا مگر پھوپھی اور پھوپھی زاد بڑے بھائی کا سایہ عاطفت والدین کی ظل گستری سے کم نہ تھا۔ آپنے اپنے حقیقی پھوپھی زاد بھائی محبوب رب العالمین خواجہ عماد الدین قلندر پہلواروی قدس سرہ کے کنار عاطفت میں پرورش پائی ؂

جب ذی شعور ہوئے تو ذوق تحصیل علوم دلمیں جاگزیں ہوا اور ابتدائی مختصرات حضرت خواجہ سے تمام کیں۔ لیکن مطولات کی تحصیل کا موقع حضرت خواجہ سے اسلئے نہ مل سکا کہ اکثر حضرت خواجہ اپنے کثرت مشاغل اوراد و اذکار کے سبب سے عدیم الفرصت رہا کرتے تھے۔ اسلئے تاج العارفین کو تکمیل علوم ظاہری کی غرض سے سفر کا قصد ہوا ؂

اُسوقت آپکے ہمعمروں اور قرابتمندوں میں سے ایک بزرگ حضرت شاہ محمد مخدوم قادری جعفری زینبی پہلواروی قدس سرہٗ نے جو بنارس میں حضرت صاحب المقام الاویسیہ النبویہ مولانا شاہ محمد وارث رسولنما غازی پوری ثم البنارسی قادری قدس سرہٗ کی خدمت بابرکت میں بغرض تحصیل علوم ظاہری و باطنی حاضر رہا کرتے تھے۔ تاج العارفین سے مولانا

قدس سرہ کے محامد و فضائل بیان فرمائے۔ تاج العارفین کو مولانا کے شرف زیارت کا از حد شوق پیدا ہوا اور رہ رہ کر یہ بے چین کرنے والا شوق آپ کے مقدس دل میں چٹکیاں لیا کرتا تھا۔ یہانتک کہ بنارس کے دور و دراز سفر کی دشوارگزار مشقت برداشت کرنیکے لئے حضرت خواجہ سے باصرار اجازت لینے پر مجبور ہوئے۔ حضرت خواجہ کو اس وجہ سے کہ تاج العارفین کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اور بجائے بیٹے کے سمجھتے تھے ایک دن کی مفارقت گوارا نہ تھی۔ مگر حضرت خواجہ کی شفقت یہ بھی پسند نہیں کرتی تھی کہ تاج العارفین تحصیل علوم ظاہری سے محروم رہیں۔ دل پر جبر کر کے بنارس مولانا کیخدمت میں رخصت فرمایا۔

تاج العارفین مولانا کی شرف زیارت سے مشرف ہوئے اور نہایت جانفشانی کے ساتھ علوم متداولہ درسیّہ کی تحصیل کیطرف مشغول ہوگئے۔ مولانا۔ تاج العارفین کی جودت طبع و ذہن رسا دیکھکر بہت زیادہ نظر شفقت فرمانے لگے۔ اور تمامتر مولانا کی پاک ہمت تاج العارفین کی تعلیم و تربیت کیطرف مصروف ہوگئی۔ اور نہایت قلیل مدت میں آپنے تمامی علوم متداولہ درسیہ سے فراغت حاصل کی۔

جب تاج العارفین علوم ظاہری کی تحصیل سے فراغت پاچکے تو حصول علم باطنی کا شوق پیدا ہوا۔ اگرچہ حضرت مولانا کی بزرگی اور صفات ملکی و مدارج علیا کا اقرار تاج العارفین کے نورانی دل نے اول ہی ملاقات میں کرلیا تھا۔ اور مولانا کی پاک محبت کا تخم جسکو تاج العارفین کے پُراسرار دل میں صانع قدرت نے ازل ہی میں بویا تھا پودے کی صورت میں پہلے ہی نمایاں ہوچکا تھا اور اثنائے تحصیل میں تاج العارفین نے طریقت کی طرف (حضرت خواجہ کی استرضا کے مطابق جسکا واقعہ ذیل میں درج کرینگا) حضرت مولانا سے رجوع بھی کیا تھا۔ مگر تمامتر آپ کی ہمت بوجہ تحصیل علوم ظاہری کے ادہر منعطف نہ تھی۔ فراغ حاصل کرنیکے بعد ہمہ تن ریاضات و مجاہدات نفس میں مصروف ہوگئے

تاج العارفین کی تقلیل غذا و ریاضت نفس

تذکرۃ الکرام میں تاج العارفین کی تقلیل غذا اور ریاضت نفس کے بارے میں لکھا ہے کہ ہر روز حضرت مولانا کے مطبخ میں کمی فتوحات کی وجہ سے باوجود کثرت علما و مسافرین کے صرف ایک سیر آرد گندم میں ساٹھ روٹیاں پکتی تھیں تین تین سے تین نان تک ہر شخص کو ملا کرتی تھیں۔ تاج العارفین ایک سقائے خانقاہ کو دوسری خاکروب کو دیکر تیسری خود تناول فرمایا کرتے۔ اور اکثر شب ایسے بھی گزر جاتی تھی کہ وہ کل روٹیاں بچ رہیں اور صبحکو بانٹ دی گئیں۔ اور تاج العارفین نے تمام شب اس میں سے ایک ٹکڑہ بھی نہ کھایا +

حصول علم میں شب بیداری

تحصیل علوم کے زمانہ میں شب بیداری کے لیے تاج العارفین کا یہ معمول تھا کہ اپنی نشستگاہ میں کنکریاں بچھا دیا کرتے تھے۔ اُسی زمانہ میں آپ کے سر مبارک میں بڑے بڑے بال تھے جن کو مضبوط رسّی سے باندھکر چھت سے لٹکا دیا کرتے تھے تاکہ ان تکلیفوں سے آنکھ پر غنودگی طاری نہو +

یوں تو ہر مسلمان کے دلمیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت منجملہ کمال ایمان کی علامت ہے مگر تاج العارفین کی یہ محبت عشق کے درجہ تک پہونچی ہوئی تھی۔ دل آپ کا ہر لحظہ بچشم سر دیدار جمال سے مشرف ہونیکی تمنا میں مضطرب رہتا تھا چنانچہ چند بار بذریعہ استخارہ کے اس دولت بے بدل سے فائز المرام بھی ہو چکے تھے

خفتہ بخت آنکس کہ در خوابش ندید ۔۔۔ وانکہ دیدش دولت بیدار اوست

اسوقت تک تاج العارفین کو اسکی خبر نہ تھی کہ اس معزز اور قیمتی خدمت پر ہمارے حضرت ... دربار رہیں اور یہ دولت ابدی مولانا ہی کے قبضہ تصرف میں ہے ع

آب در کوزہ و من تشنہ دہاں میگردم

... عین درس کے بر سبیل تذکرہ جمال جہان آرائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ... کا ... آیا۔ تاج العارفین نے عرض کیا کہ مجکو بھی اس سعادت ازلی کے حصول کی

اسقدر تمنا ہے کہ احاطہ تقریر سے باہر ہے۔ چنانچہ استخارہ کے ذریعہ سے دو تین بار فائز المرام بھی ہو چکا ہوں۔ مولانا نے فرمایا کہ خواب کے ذریعہ سے اُس بارگاہ عالم پناہ کی باریابی۔ اسکے کیا معنی ہیں۔ بچشم سر بیداری کیحالت میں بجسدہٖ صلی اللہ علیہ وسلم بانشان مشرف ہو سکتا ہے۔ اور وہ آفتاب برج نبوت اس جسم سے زندہ طلوع ہو سکتا ہے کیونکہ ارباب تحقیق کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا زندہ رہنا محقق ہے۔

تاج العارفین کو مولانا کی اس حیرت انگیز گفتگو پر سخت تعجب ہوا عرض کیا کہ اس زمانے میں بھی یہ امر ممکن ہے؟ اگلوں ہی کے لیئے یہ بات مخصوص تھی۔ مولانا نے فرمایا۔ ہاں صاحب ممکن ہے؟

ہنوز آں ابر رحمت درفشان است

اگر تم چاہتے ہو تو اس زمانہ میں بھی اس دولت بے بدل سے باریاب ہو سکتے ہو۔ تاج العارفین کو یہ مژدۂ جاں بخش سنکر بہت مسرت ہوئی اور کہا ع

واللہ جسے ڈھونڈھتی تھیں پاگئیں آنکھیں

اور آتش عشق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ایک چھپی آگ کیطرح دل ہی دلمیں مشتعل ہو رہی تھی یکایک بھڑک اُٹھی اور بے اختیار دل چاہا کہ اس نعمت غیر مترقبہ کے حصول کے لیئے مولانا کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو جاؤں لیکن حضرت خواجہ کے استحفاظ حقوق بندگی کے سبب سے کسی دینی و دنیاوی کام میں بلا رضا مندی حضرت خواجہ کے جرأت نفرماتے تھے اُسیوقت ایک عریضہ ذیل کے مضمون کا لکھکر روانہ فرمایا۔

"اُستاذی حضرت مولانا و سیدنا سید محمد وارث دامت برکاتہ وعنایاتہ روزے در ذکر مشرف شدن از جمال جہاں آرائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از فقیر چناں ارشاد فرمودند کہ ہر کس از چشم سر مشاہدۂ جمال جہان آرائے نبوی کردن میتواند و ع ہنوز آں ابر رحمت درفشان است + اگر شما ہم خواہید

مضمون عریضہ [illegible]

ممکن است و میسر شدن میتواند۔ امر محال نیست ۔ چوں غلام را در باب فقر دخلے نیست کہ ازآں فرقے درمیان حق و باطل و صدق و کذب تواند کرد ہرچند تمنائے این معنی وسوداے این کار از حد زیادہ است لیکن بے استرضائے حضور عالی در دریافت حال حضرت استاذی جرأت برجوع آوردن نیافت درین باب ہرچہ ملازمان حضور ایمائے فرمایند بعمل آوردہ شود۔"

حضرت خواجہ نے تاج العارفین کا عریضہ ملاحظہ فرمانیکے بعد فوراً اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

"عریضہ ایشاں بود دل را مسرور فرمود حسب خواہش ایشاں تا صدور دریافت حال مولویصاحب این فقیر شدہ بود نزد فقیر آنست کہ ہرقدر کہ اوشاں گفتہ اند و مدعی آں اند۔ رشحہ ایست از دریائے کمال شان قطرہ ایست از سحاب دُرفشاں آنصاحب عرفان نائب خاص رسول خدا است ہر رسول نما صادق در اقوال خود۔ و یکتائے زمانہ در احوال خود بیروئے زمین از قاف تا قاف شرقاً و غرباً و جنوباً و شمالاً نظیر خود ندارد اخذ طریق بے تامل باید کرد۔ فرزنداں ہر کہ بقوت بازوئے خود دولتے بدست آرد ورنہ میراث پدری ہر کسے را میسر است ہر قدیکہ خواہند بگیرند تکلفے ندارد۔ اگر بحصول وے کمر ہمت بندند و ہمت آرند نزد ارباب طلب اعتبارے دارد"

تاج العارفین نے حضرت خواجہ کا مکتوب ادبی اسلوب مطالعہ کرنیکے بعد حضرت مولانا کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوکر حضرت خواجہ کا مکتوب پیش کر دیا۔ مولانا نے فرمایا شاہ صاحب محبوب رب العالمین ہیں جو کچھ فرمائیں بجا ہے۔ مختصر اینکہ حضرت

۱؎ یہ ہی مولانا کا خطاب ہے جو حضرت خواجہ کی زبان سے ظاہر کیا گیا ۱۲ ۲؎ محبوب رب العلمین اشارہ ہے ... خطاب کیطرف اور قبل اسکے کسیکو خواجہ کے اس خطاب کی خبر نہ تھی ۱۲

تاج العارفین نے حسب رضائے حضرت خواجہ کے طریقہ اویسیہ وارثیہ کے حصول کیطرف رجوع فرمایا۔ مولانا نے اول تو تاج العارفین جیسے طریقت کی طرف مناسب قلب والاسترشد پایا۔ دوسرے حضرت خواجہ کی تاکید تاج العارفین پر حصول طریقت کیطرف ملاحظہ فرماکر بہت زیادہ تربیت کی طرف اپنی پاک ہمت مبذول فرمائی یہانتک کہ کل سات برس کی مدت میں تاج العارفین کی سعی جمیلہ و مولانا کی باطنی توجہ نے آپکو ترقی کے اعلےٰ مدارج پر پہونچا دیا۔ اور بہت کم عمری میں سیر مقامات سے فراغت حاصل فرمائی۔ گویا تمام علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل اپنی عمر شریف کے چوبیسویں ہی سال میں کر لی اِسکے بعد مولانا نے اپنی طرف سے سلسلہ قادریہ وارثیہ کا مجاز مع اذکار و اشغال و خرقہ[1] خلافت کے بناکر وطن کی طرف رخصت کر کے ارشاد و ہدایت خلق کے لئے مامور فرمایا۔ (باقی آیندہ)

شعیب رضوی مجیبی۔ پھلواروی غفرلہٗ

[1] یہ کل تبرکات ہنوز محفوظ ہیں اور سجادگی کے وقت نئے سجادہ نشین کو تبرکاً پہنائے جاتے ہیں ۱۲ منہ

تذکرۃ المصطفےٰ۔ نظام المشائخ کے **مولود نمبر** میں کتاب تذکرۃ المصطفےٰ کا ذکر بالکل برمحل ہے۔ جناب مولوی سید نواب علی صاحب ایم اے پروفیسر بڑودہ کالج نے کمال خوبی و محنت سے حضرت رسالتمآب صلعم کا ۲۰۰ صفحہ میں یہ تذکرہ مرتب کیا ہے۔ سید صاحب کے نام کے ساتھ ایم اے کے دو حرف پہلے ہی اِس بات کی شہادت ہیں کہ یہ تذکرہ موجودہ وقت کی ضرورت اور نئی روشنی کے لوگوں کی طبائع کے موافق لکھا گیا ہوگا۔ لیکن کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے واقعی ایک بہت بڑی ضرورت کو یہ کتاب لکھکر پورا کیا ہے۔ آنحضرت صلعم کی حیات پاک کی نسبت اکثر وہ باتیں انتخاب کیگئی ہیں جن کا دیکھنا اور معلوم کرنا نئی روشنی کے مسلمانوں کو ازبس مفید اور ضروری ہے۔ مختلف فیہ واقعات اور مسائل فلسفیانہ قابلیت سے صاف

۲۱۶ م اور مستحکم کرکے دکہائے گئے ہیں۔ اِس ماہ مبارک میں جو لوگ حضرت سرور کائنات پر

مراسم عرس خانقاہ پھلواری شریف

"یہ امر نظام المشائخ کے مخصوص مقاصد میں داخل ہو کہ اس میں تمام سلسلوں کی خانقاہوں اور عرسوں کے حالات شائع کیے جائیں۔ پھلواری شریف کے وقائع نگار ہمارے دلی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے وہاں کے مراسم عرس قلمبند کرکے نظام المشائخ کو دیئے۔ آیندہ صوبہ بہار کی دیگر خانقاہوں کے حالات بھی لکھے جائیں گے"

(واحدی)

پھلواری کی خانقاہ اور سجادہ وسلسلہ حضرت تاج العارفین آفتاب طریقت مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ قادری قلندر پھلواروی قدس سرہٗ کی ذات بابرکات سے وابستہ اور انہیں کے نام نامی پر موسوم ہے +

حضرت تاج العارفین پیر مجیب اللہ رضی اللہ عنہ کے احوال اسی پرچہ میں دوسری جگہ ناظرین ملاحظہ فرمائینگے +

ذیل میں اس خانقاہ کے معمولات و مراسم عرس ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں یہاں اعراس کی تقریبیں متعدد اور بکثرت ہوتی ہیں۔ لیکن سب سے پہلا اور مقدم اور سب سے زیادہ مہتم بالشان عرس ماہ مبارک ربیع الاول کی یازدہم و دوازدہم کو خاص حضور پرنور سرور عالم سیدنا و مولانا و حبیبنا محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالی علیہ آلہ وسلم کا ہوتا ہے۔ اس عرس کے موقع پر نہ صرف صوبہ بہار اور اطراف و جوانب کے مشائخ و اہل علم و معززین اور عوام الناس کا مجمع ہوتا ہے بلکہ دور و دراز مقامات ہندوستان سے ہر طبقہ کے لوگ آتے اور شریک عرس ہوتے ہیں +

ربیع الاول کی ابتدائی ہی تاریخوں سے مہمانوں کی آمد شروع ہو جاتی ہے۔ اور دسویں تک بہت بڑا مجمع ہو جاتا ہے۔ شب یازدہم سے عرس شروع ہوتا ہے اسطورپرکہ ۳ بجے شب سے فرش و فروش اور روشنی وغیرہ کا پورا اہتمام کیا جاتا ہے اور تمام لوگ تہذیب اور قرینہ سے آآکر بیٹھ جاتے ہیں قریب صبح صادق حضرت سجادہ نشین مد اللہ ظلہ اپنی خلوت سے خانقاہ کے سماع خانہ میں تشریف لاتے ہیں قُلْ کے لیے دسترخوان بچھایا جاتا ہے جسپر مٹھائی لاکر سامنے رکھدی جاتی ہے اور ایک طرف سلسلہ وار متعدد بخورات اور خوشبو دار چیزیں جلادی جاتی ہیں۔ دسترخوان کے کنارے گر صاحب سجادہ دامت برکاتہ کے مواجہہ میں قرآن خوانوں کی ایک معزز جماعت صف بستہ اور ترتیب وار بیٹھ جاتی ہے اور حضرت سجادہ صاحب قبلہ کی خاموش اجازت کا اشارہ پاکر اُنمیں کا پہلا شخص سورہ فاتحہ سے قل کا افتتاح کرتا ہے۔ اور ترتیب وار مقررہ اشخاص مقررہ سورتوں کو پڑھکر ختم کرتے ہیں آخر میں وہی پہلا شخص وہ خاص درود شریف پڑھتا ہے جسمیں دوازدہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے اسمائے گرامی نہایت خوبی لطف کیساتھ مذکور ہیں۔ پھر فاتحہ کے بعد شیرینی اور صندل اور برگ تنبول بالکل باقاعدہ طور پر تقسیم کیے جاتے ہیں۔ اسیطور پر گلاب پاش سے صاحب سجادہ اور تمام حاضرین پر گلاب پاشی کی جاتی ہے۔ پھر محفل سماع شروع ہوتی ہے۔ مجلس میں نہایت ادب اور انتہا کی تہذیب برتی جاتی ہے تمام لوگ دوزانو بیٹھتے ہیں۔ شروع سے آخر تک اسی نشست کی سخت پابندی کی جاتی ہے۔ کوئی شخص مجلس کے اندر دوسری نشست یا داب محفل کے خلاف کوئی کام کرنے کا مجاز نہیں ہوتا۔ جوش و خروش کرنے والے جب تک اپنے جوش اور وجد سے فارغ ہو کر خود بیٹھ نہ جائیں صاحب سجادہ اور سب لوگ کھڑے رہیں گے اس حالت میں چاہے کتنا ہی عرصہ گزر جائے۔ لیکن نہ تو صاحب حال کو روکا جا سکتا ہے اور

نہ کوئی شخص درمیان میں بیٹھ سکتا ہے ۔

اس سُہانے وقت کی مجلس سماع واقعی ایک خاص اثر اور عجیب لطف رکھتی ہے اسوقت محفل اکثر گرم ہو جاتی ہے۔ لیکن چونکہ فوراً ہی صبح نمودار ہو جاتی ہے اس لئے نماز کے لئے تھوڑی دیر تک سماع موقوف کر دی جاتی ہے۔ کیونکہ مؤذن صبح نمودار ہوتے ہی اپنے وقت مقررہ پر اذان دیدیتا ہے۔ اور لوگوں کے جوش و خروش یا محفل کے گرم ہونے کی پروا نہیں کی جاتی ۔ قوال اَللّٰہُ اَکْبَرُ کی آواز بلند ہوتے ہی فی الفور خاموش ہو جاتے ہیں۔ اذان کی دعا پڑھ لینے کے بعد چونکہ غلس (اندھیرا) باقی رہتا ہے۔ اس لئے پھر کچھ دیر کیلئے قوالی شروع ہو جاتی ہے۔ اور جب اسفار کا وقت آتا ہے تو سماع موقوف ہو کر مسجد میں جو سماع خانہ بالکل ہی متصل ہے با جماعت نماز ادا کیجاتی ہے۔ نماز وغیرہ سے فارغ ہونیکے بعد پھر محفل سماع اسوقت سے گیارہ بارہ بجے تک گرم رہتی ہے۔ اور ابتدا سے انتہا تک صاحب سجادہ لازمی طور پر محفل میں تشریف فرما رہتے ہیں محفل برخاست ہونے کے بعد حضرت سجادہ صاحب اپنی خلوت میں تشریف لیجاتے ہیں ۔

شب دوازدہم کو پہلے بعد نماز عشاء بیان مولود شریف بالکل صوفیانہ رنگ میں نہایت جوش و خروش کے ساتھ ہوتا ہے۔ بعدہ شیرینی تقسیم ہوتی ہے پھر صبح صادق کے قریب حسب معمول قل و فاتحہ اور نماز با جماعت اور مجلس قوالی اسوقت سے ۱۲ بجے دن تک گرم رہتی ہے اسوقت پھر دستر خوان قل بچھایا جاتا اور قل و فاتحہ اور تقسیم شیرینی ۔ شربت و بیڑے و صندل کیجاتی ہے اور گدایان حسب دستور مقررہ ہوتی ہے۔ اب اسوقت سے زیارت موئے مبارک کا اہتمام شروع ہو جاتا ہے۔ ۲ بجے ظہر کی اذان ہوتی ہے اور حضور سجادہ نشین دامت برکاتہ خلوت سے مسجد میں تشریف لاکر نماز با جماعت ادا فرماتے ہیں۔ اسوقت تمام خانقاہ شریف

کے وسیع حلقہ میں اسقدر مجمع کثیر اور جم غفیر عوام و خواص کا ہوتا ہے کہ شانہ سے شانہ چھلتا ہے۔ سماع خانہ کے ایک جانب زیارت گاہ نہایت ادب تعظیم اور خوبی اور خوش اسلوبی سے لوہے کے مضبوط کٹہروں کے حلقہ میں مرصع کیجاتی ہے۔ صاحب سجادہ دام مجدہٗ بعد نماز ہیں آکر مؤدب و خاموش کھڑے ہو جاتے ہیں صاحب سجادہ اور چند خاص مہتممین اور مدح خوانوں کے علاوہ عام زائرین کٹہرے سے باہر حلقہ کیے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں حضرت سجادہ نشین کی خلوت شریف کیجانب سے صلوۃ وسلام کی بلند آواز تمام لوگوں کی مشتاق نظروں کو اپنی طرف متوجہ کر دیتی ہے۔ اور ایک معمر بزرگ اپنے سر پر آثار شریف کا بستہ لیے ہوئے اور چند حضرات انکے پیچھے مورچھل رانی کرتے ہوئے زیارت گاہ میں آتے ہوئے دکھائی پڑتے ہیں۔ اس وقت سب لوگ ادب سے سر جھکا دیتے اور سر تسلیم خم کر کے آہستہ آہستہ صلوۃ وسلام پڑھتے ہیں۔ مدح خوانی شروع ہو جاتی ہے اور چوبدار ایک مقررہ سیٹ میں اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر مورچھل رانی کرتے رہتے ہیں۔ وہ سنہرا مبارک و مقدس ڈبہ جسمیں رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا امام حسن علیہ السلام کے موئے مبارک ہیں۔ اور جو بہتیرے زریں و نفیس معطر کپڑوں میں لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ کھولا جاتا ہے۔ جسوقت صاحب سجادہ اس ڈبہ کو اپنا سر لگا کر کھولتے ہیں۔ حاضرین بہر جوش مگر ادب کے ساتھ سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ زائرین کی آمد و رفت کے لیئے کئی دروازے بعض داخلہ کے لیئے اور بعض باہر نکلنے کے لیئے پہلے سے بنائے جاتے ہیں۔ اور ہر دروازے پر مضبوط آدمی زیارت کرانیوالے مقرر ہوتے ہیں۔ جسوقت زیارت شروع ہوتی ہے۔ ایک دروازہ سے لوگ آتے ہیں۔ اور زیارت کرا کے فوراً دوسری جانب سے وہ باہر کر دیئے جاتے ہیں۔ دوران زیارت میں جو لوگ وہاں پر سر رکھنا یا بوسہ دینا یا ہاتھ بڑھا کر ڈبہ کو

چھوڑنا چاہتے ہیں۔ وہ اس حرکت سے روک دیئے جاتے ہیں۔

دوپہر زیارت کا اژدحام اور بار بار ریلا کرکے ایک کا دوسرے پر سبقت کرنے کی کوشش میں آپس کا دھکم دھکا۔ زیارت کرانے والوں اور منتظمین و مہتممین کا پسینہ میں ڈوب جانا اور نعت خوانوں کی مستی و ذوق و شوق کے ساتھ نعت خوانی اہل دل بزرگوں کا جوش و خروش کے عالم میں ھو حق کے نعرے لگانا۔ اور لوگوں کی آہ و بکا کی آوازیں۔ یہ تمام باتیں عجیب پرلطف اور موثر سماں پیدا کردیتی ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

دو ڈھائی گھنٹہ میں زیارت تمام ہوکر شیرینی تقسیم ہوتی ہے۔ اور غسالہ کا پانی گلاب میں ملاکر حاضرین کو تقسیم کیا جاتا۔ اور محض تھوڑی دیر کے لیے پھر مجلس سماع ہوتی ہے جو عرس ربیع الاول کی گویا آخری اختتامی تقریب ہے۔

عصر کی نماز باجماعت کے بعد حضرت سجادہ نشین (متع اللہ المسلمین بطول عمرہ آمین) اپنے روزانہ کے معمول کے مطابق درگاہ شریف پر فاتحہ و زیارت کیلیے تشریف لیجاتے اور درگاہ شریف سے آکر مغرب تک حسب معمول روزانہ ہفت درہ میں درہ مسجد کے قریب بیٹھتے اور مہمانوں سے ملاقات و مدارات فرماتے رہتے ہیں۔

عرس کی کل تقریبیں خانقاہ کے اندر ہوتی ہیں جنکا مزارات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مزارات پر سوائے سلام و زیارت و فاتحہ کے جو صاحب سجادہ کے دوامی معمولات سے ہے کوئی اور رسم کسی زمانے میں نہیں ادا کیجاتی۔ سماع خانہ خانقاہ کے اندر ہے مجلسیں وہیں ہوتی ہیں۔ قل یا ختمات قرآن وغیرہ بھی سماع خانہ ہی میں ہوتے ہیں۔ ہاں کبھی کبھی بعض متوسلین خانقاہ مزار پر قوالی کے ساتھ چادر لیجاتے ہیں اور حضرت صاحب سجادہ کی شرکت کی غرض سے چادر لیجانے کا وقت عصر کا مقرر کرلیتے ہیں۔ اور چونکہ وہ وقت سجادہ نشین کے مزار پر جانے کا ہوتا ہے اسلئے چادر چڑھانے

میں انکی بیعت ہوجاتی ہے۔ اور قوالی کے ساتھ مزار پر چادر چڑھائی جاتی ہے ۰

صوبہ بہار کی مشہور خانقاہوں اور درگاہوں میں عموماً اور پھلواری میں خصوصاً عرس کے موقع پر یا کسی زمانے میں۔ بازاری عورتوں کا ناچنا گانا۔ یا آنا جانا بالکل ممنوع و مسدود ہے۔ والحمد للہ علی ذلک ۰

میلہ عرس

عرس ربیع الاول شریف کے موقع پر کثرت ازدحام کیوجہ سے خاصہ میلا ہوجاتا ہے میلہ ۷ - ۸ - ربیع الاول سے شروع ہوکر ایک درگاہ سے اندرون خانقاہ تک پورا میلہ جم جاتا ہے صحن خانقاہ کے اندر ہی ہر طرح کی چھوٹی بڑی مختلف چیزوں کی دکانیں آجاتی ہیں۔ جن کیوجہ سے مہمانوں کو بہت کچھ آرام حاصل ہوتا ہے۔ دکاندار اپنی دکانوں کو سوقع اور سلیقہ سے سجاتے ہیں۔ میلہ صاف ستھرا ہوتا ہے۔ لیکن درگاہ شریف پر زیادہ تر عوام الناس کا میلا رہتا ہے۔ اور بہتیرے دکاندار اپنی عورتوں اور بچوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اسلیئے مزارات کے آداب میں یقیناً کمی واقع ہوتی ہوگی۔ خدا اس کمی کو بھی پورا کردے ۰

میلہ کے ایام میں اسکا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ بازاری عورتیں درگاہ شریف پر تا میلہ گلگشت لگانیکے لیئے ہرگز نہ آنے پائیں۔ اگر کوئی بازاری عورت اتفاقاً آجاتی ہے تو اُسے درگاہ و خانقاہ کے احاطہ میں ٹھہرنے کی قطعاً اجازت نہیں دیجاتی۔ یا اگر کوئی بدمعاش نشہ باز وغیرہ بدمستی کی حالت میں خانقاہ کے اندر آجاتا یا میلہ میں اسکی کوئی شرارت دیکھی جاتی ہے تو اُسکو فوراً تنبیہ کیجاتی ہے ۰

زنانہ میلہ او زیارت

خاص زنانہ میلہ و بازار۔ خانقاہ و درگاہ کے میلہ سے بالکل الگ حویلی میں ہوتا ہے جسکا سلسلہ متعدد متصل زنانہ مکانوں اور گلیوں تک رہتا ہے۔ اس زنانہ میلہ و بازار کو

مردانہ حصہ سے مطلق کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہاں سارا ساز و سامان زنانہ اندر کا ہیں بالکل عورتوں کی ہوتی ہیں جنمیں شریف بیبیوں کی دلبستگی اور خرید و فروخت کے اسباب اور شیرینی و مٹھائی کے علاوہ ہر قسم کی زنانہ ضرورت کی اشیاء موجود ہوتی ہیں۔ اس موقعہ پر تمام اطراف و جوانب کی شریف خاتونیں بکثرت آتی ہیں اور ان کی مہمانداری و راحت رسانی کا پورا انتظام کیا جاتا ہے +

دوازدہم ربیع الاول کی صبح سے ۱۲ بجے تک حویلی میں بھی زنانہ زیارت موئے مبارک کی نہایت اہتمام اور پورے انتظام کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہاں بھی پورا ساز و سامان وہی ہوتا ہے جو باہر خانقاہ شریف میں زیارت کے متعلق معمول ہے۔ آثار شریف کا لانا۔ زیارت کرانا۔ نعت خوانی۔ و چوبرداری وغیرہ سارے کا اس خاندان مجیبی کی محترم خاتونیں انجام دیتی ہیں +

۱۳ تا ۱۴۔ ربیع الاول کو زنانہ مجلس مولود شریف بھی خانقاہ شریف کی حویلی میں دھوم دھام سے ہوتی ہے +

طعام داری

خانقاہ شریف کی طرف سے اندر اور باہر اور نیز بستی میں عام طور پر کھانا تقسیم کیا جاتا۔ اور تمام مہمانوں کی طعام داری کیجاتی ہے +

چھوٹی خانقاہ (جو اصل خانقاہ شریف حضرت پیر مجیب قدس سرہ العزیز کی ایک شاخ۔ اور نسبی تعلق کی حیثیت سے **فریدی** خانقاہ ہے) میں بھی ۹ تا ۱۰۔ ربیع الاول اور نیز یازدہم اور دوازدہم کو عرس ہوتا ہے۔ یازدہم کو یہاں گاگر کی رسم بھی ادا کی جاتی ہے۔ مہمانوں کی طعام داری بھی ہوتی ہے +

حضرت قبلۂ عالم مولانا شاہ **محمد سلیمان** صاحب قادری چشتی مدالله ظلہ العالی کے خاص مکان میں پہلی تاریخ ربیع الاول سے ہر شب کو ذکر رسول کی مجلس ہوتی

ہے جسمیں حضور پُر نورؐ کی سوانح عمری ترتیب وار از ولادت تا وفات حسب گنجایش اوقات بیان کیجاتی ہے۔ اور شب دوازدہم کو یہی مجلس بجائے یہاں کے خانقاہ عالم پناہ میں بتقریب مولود شریف ہوتی ہی۔

حضرت شاہ وحیدالحق صاحب نعمی ابوالعلائی سجادہ نشین سنگین مسجد پھلواری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی یازدہم ربیع الاول کو بعد ظہر مولود شریف اور زیارت موئے مبارک ہوتی ہے۔

دیگر اعراس خانقاہ مجیبیہؓ

ربیع الاول شریف کے اس عرس کے علاوہ بہتیرے دیگر اعراس بھی خانقاہ شریف میں ہوتے ہیں مثلاً شب چہاردہم ربیع الاول کو حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا۔ اور ربیع الثانی میں حضرت غوث الثقلینؓ کا دھوم دھام سے عرس ہوتا ہے۔

اور رجب کی ۲۷۔ شب کو رجبی شریف کی تقریب نہایت اہتمام سے ہوتی ہی روشنی بہت کثرت سے ہوتی ہی۔ اور ایک بجے شب تک سماع کی محفل گرم رہتی ہی اور ۲۱۔ رمضان کو حضرت مولائے کائنات جناب امیر علیہ السلام کا عرس ہوتا ہے اور ۲۹۔ صفر کو امام حسنؑ کا عرس ہوتا ہی اور دسویں محرم کو حضرت سیدالشہدا کا عرس ہوتا ہے۔ قل و فاتحہ کے بعد اسامی شہدائے کربلا پڑھے جاتے ہیں لیکن مجلس سماع نہیں ہوتی۔ اور حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ قدس سرہٗ اور اُنکے شیخ و مرشد اور تمامی گزشتہ سجادہ نشینان خانقاہ مجیبیہ کے اعراس اُنکی وفات کی تاریخوں میں ہوتے ہیں۔

اور حضرت سرور عالم صلعم اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اور حضرت غوث الاعظمؓ اور حضرت پیر مجیبؓ اور نیز دیگر بزرگان سلسلہ کے ماہانہ قل (بلا مجلس سماع) ۱۱-۱۲-۲۱-۲۴

(۲۳-۲۴) وغیرہ تاریخوں میں ہر مہینے ہوتے ہیں۔ اور ہر مہینے کی یازدہم ہمیشہ نماز ظہر کے بعد

تسکین نامہ

ذیل میں جو مکتوب نقل کیا جاتا ہے وہ صوبہ بہار کے ایک نہایت برگزیدہ بزرگ کے دست خاص کا لکھا ہوا ہے۔ جن کا نام نامی حضرت مولانا شاہ رشید الحق قادری عمادی ہے اور جو اپنے علمی اور اکتسابی اوصاف و درویشانہ ترک کے سبب تمام صوبہ بہار میں ممتاز مانے جاتے ہیں۔ ندوۃ العلماء میں بھی ایک دفعہ آپ کو صدر انجمن بنایا گیا تھا۔ حلقۂ نظام المشائخ کے اغراض و مقاصد سے آپ کو جو گرویدگی ہے وہ آپ کے الفاظ سے عیاں ہوگی۔ ہمکو اس مخالفت کے زمانہ میں ایسے مقدس بابرکت حضرات کے یہ الفاظ تسکین و تسلی دیتے ہیں اسلئے اسکا عنوان تسکین نامہ رکھا گیا + واحدی

حق حق حق

مؤید الاسلام۔ علیک السلام ورحمۃ اللہ۔

آپ کا عنایت نامہ اخلاص آمود ورود ہوا۔ اور ساتھ اُسکے سات کاپیاں سات ماہ کی بھی ڈاکیہ نے پہونچایا۔ حالانکہ خط میں چھ لکھے تھے۔ میں اول تو دبیر صاحب اور پھر نائب دبیر صاحب یعنی آپکا نہایت مشکور ہوا۔ اللہ تعالی آپ حضرات کی ہمت میں برکت دے اور کامیابی کے قصر پر بلند کرے۔ میں بدل و جان آپکے ساتھ ہوں۔ اور میرے تمام متوسلین معززین نے آپ حضرات کا شکریہ ادا کیا ہیں امید کرتا ہوں کہ میرے ساتھ یہ ہی آپ حضرات کی مہربانی رہے اور مراسلات جاری رہے میرے بعض متوسلین بھی آپسے خط و کتابت کرینگے اور ماہوار رسالہ کے خریدار ہونگے +

میں نے اُن کاپیوں میں چار کو سن اوله الی آخره دیکھا۔ عمدہ مضامین سے
مملو پایا۔ اُن مضامین سے دلکو گداز اور سرور پیدا ہوتا ہے۔ اور باقی بہی
زیر مطالعہ ہے۔ اُن حضرات کو آفرین ہے جنہوں نے حلقہ خادمی حلقہ نظامی
گردن میں ڈالا۔ و ترجمہ کرکے یا تالیف کرکے ایسے عمدہ مضامین واسطے درج رسالہ
نظام المشائخ کے بہیجا کرتے ہیں وان اجری الا علی الله۔ الله تعالی ہمیشہ انکو
اجر جزیل عطا فرماوے۔ جس روز سے عنایت نامہ مع کاپیاں مجھے وصول ہوا
اُس روز سے میں عازم رہا کہ رسید خط اور کاپیوں کی لکھوں۔ مگر چونکہ میں ایک
تو بوڑھا آدمی ہوں۔ ۲ کمزور ۳ ضعف بصارت ۴ بیماری درد نقرس میں
مبتلا۔ ۵ کثرت مشاغل خدمت مخلوق۔ روزانہ ارادہ کیا اور پورا نہو سکا۔
اس امر کی آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ اور مصلحت ایزدی یوں تھی کہ ایک نیا امر
پیش آیا جس کی خبر آپ حضرات کو دینا ضرور تہا۔ وہ بتاریخ ۲ صفر المظفر ظہور
میں آیا۔ یعنے ایک طومار بطور اعلان آپکے مخالفوں کی طرف سے جو نظامی
آستانہ کے حاضر باش تھے۔ اور بعض میرے ملاقاتی بہی ہیں جیسے سید
علیم الدین امام مسجد نظامی سب ۲۷ آدمی کی طرف سے چھاپا ہوا میرے
پاس آیا جسمیں پیر صاحب کا حال اور حلقہ کا۔ مخالفانہ اور مذموم پیرایہ میں لکھا
تھا۔ مجھے تو خوب معلوم ہی اور خوب تجربہ ہی کہ میلہ ریوڑی کوڑی کے واسطے ہوا کرتا
ہی۔ جب شریعت کا جھنڈا آپ کہڑا کرینگے پہر وہ ریوڑی کوڑی ضرور کم ہوجاویگی تو
ضرور شور و غل مچے گا۔ مگر کوڑی کے پیچھے ایمان جاوے یہ کیا دین دیانت ہے ہمارے
ایک آشنا اہل دہلی بولا کرتے تھے کہ جاوے ایمان رہے سب کچھ وہ قول مذاق
نہ تھا بلکہ نہایت تجربہ کا قول تہا۔ بہرکیف آپ حضرات کان بہرا بنا کے اپنے کام
میں سرگرم رہیں اگر خدا نے نتیجہ خیر دکھایا پہر سارا ہنگامہ فرو ہوجائیگا۔

حقیر مطلق محمد رشید الحق قادری [illegible]

تاریخ ۔ صفر المظفر روز جمعہ

اہلِ بیت رضؓ کا زجرِ عرضِ حال

ہم پیغمبرِ خدا کے گھر والے ہیں، قرآن ہمارے ہی گھر میں نازل ہوا، دو جہان کے سردار محمد نامدار ہمارے نانا، **علی شیرِ خدا** ہمارے باپ، **فاطمہ الزہرا** ہماری ماں، ہم میدان میں آگے بڑھکر تلوار مارنے والے تھے، سینوں پر برچھیاں کھانے والے تھے، بھوکوں کو روٹی کھلاتے تھے، قیدیوں کو رہائی دلواتے تھے، جو کا آٹا ہماری من بھاتی غذا تھی، کمبل کا کرتہ ہمارا دل پسند لباس تھا، ہمارا نام عترۃ اہلبیت ہے، امت ہمکو سونپی گئی تھی اور ہم امت کے سپرد کیئے گئے تھے، ہم نے پیٹ کو پتھر باندھے اور دین کا جھنڈا بلند کیا، ہم ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کی قربان گاہ میں اپنے جوان جوان بیٹوں اور معصوم معصوم بچوں کو قربان کیا، وہ عورتیں ہماری ہی نسل کی تھیں جو ہولناک جنگ کے میدانوں میں تلوار چلاتی تھیں اور زخمیوں کی خبرگیری کرتی تھیں

مگر آج

جبکہ تم اپنے رسول کی یاد میں میلاد و وفات کی محفلیں منعقد کر رہے ہو۔ اگر ہم کو دیکھو تو بے اختیار ٹھنڈے سانس بھرنے لگو، کیونکہ گردش نے ہمکو بگاڑ دیا نہیں ہم نے اپنے اعمال سے اپنی حالت تباہ کر لی، اب ہم سے بڑھکر کوئی گنہگار نہیں سارے جہان کی سیہ کاریاں ہمارے خاندان میں جمع ہو گئی ہیں، اب ہمیں اپنے [illegible] ہے اور آل رسول بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے، وہ وقت اب نہیں [illegible] یتیموں کو دلاسا دیتے تھے، فاقہ کشوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ ننگوں کو کپڑے [illegible] تھے، وہ زمانہ گیا، جس میں لوگ ہماری سخاوت و فیاضی کے قصیدے پڑھتے [illegible] خود یتیم ہیں اور کوئی ہمارے سر پر ہاتھ رکھنے والا نہیں، ہم اور ہمارے

چھوٹے چھوٹے بچے بھوکے سوتے ہیں اور پیٹ کو روٹی میسر نہیں آتی ہے کہ پھٹا پرانا کمبل بھی نصیب نہیں جس سے تن پوشی کریں۔ اسپر تاہم پر پہنچتی ہے امت اپنے دروازوں سے ہمکو دھکے دیتی ہے۔ امت ہمکو اپنے مال کا میل (زکوٰۃ) دینا چاہتی ہے (جو ہمارے لیے حرام ہے) اور ہم غیرت کے مارے اسکو قبول نہیں کر سکتے۔ پس اے ہندوستان کے رہنے والے **سیدوں!** سب ملکر اس **ربیع الاول** کے مبارک مہینے میں اپنے جدامجد رسول **خدا صلی اللہ علیہ وسلم** سے عرض حال کرو اور

دعا مانگو

کہ ہمارے اعمال درست ہوں۔ غیبی بیت المال سے ہماری تنخواہیں جاری کیجائیں اور ہم میں وہ قابلیت پیدا ہو جس سے امت ہمارا وقار کرنے لگے۔ اور **یاد رکھو** کہ تمہارے نانا نے اپنی صاحبزادی فاطمۃ الزہرا سے فرمایا تھا کہ "**بیٹی!** اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ میں بنت الرسول ہوں۔ عمل کرنا۔ عمل، عمل کے بغیر کچھ ہاتھ نہیں آتا" لہٰذا تم بھی نیک اعمال کی کوشش کرو اور اپنے وجود کو امت کے سامنے اس قابل بناکے دکھاؤ کہ وہ تمہارا اہل بیت رسول کی شان کے موافق ادب ملحوظ رکھے۔ اور **اے مسلمانوں!** تم بھی اپنے آقا و مولے کے اہل بیت کی خدمتگزاری کو اپنا فرض سمجھو۔ ہر شخص پر لازم ہے کہ اس **ربیع الاول** کے مہینے میں غریب سادات کی حسب حیثیت خدمت کرے۔ سیدوں کے بچوں کو کھانا کھلاؤ۔ کپڑے پہناؤ۔ مگر خیرات کے طرز پر نہیں بلکہ نذر اور پیشکش کے طریقے سے۔ کیونکہ تمہارے پیغمبر بڑے غیرت دار تھے اُنہوں نے محض غیرت اور حمیت کے تقاضہ سے زکوٰۃ و صدقات اپنے گھر والوں پر حرام کر دیئے۔ لہٰذا تم کو بھی چاہیے کہ اپنے رسول کی غیوری کو محفوظ رکھو اور کوئی برتاؤ اُن کی اولاد کے ساتھ ایسا نہ کرو جس سے اُنکی روح مبارک روح کو صدمہ پہنچے ◆

(۲۲۸) ہم تم بھی اس مبارک ماہ کی یادگار میں اعلان کرتے ہیں کہ پانچ سیدوں کو جو رسالہ ... نظام المشائخ ملاحظہ صفحہ

"اگر میں کتا ہوتا"

[illegible] (دہلوی)

یہ دلچسپ سطریں حلقہ کے ایک چلبلے نوعمر خادم نے لکھی ہیں چونکہ باتیں نصیحت آمیز ہیں اور سبق آموز ہیں اسلیے بعینہٖ درج کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ مہذب ناظرین الفاظ کو نہ دیکھینگے

اگر میں کتا ہوتا تو دم ہلا ہلا کر اپنے مالک کے احسانوں کا شکرانہ ادا کرتا۔ آجکل کی طرح نہیں کہ کھاتا ہوں اور غراتا ہوں۔ اور آدمی ہوکر خدا جیسے مالک کا شکر نہیں کرتا۔ **اگر میں کتا ہوتا** تو قناعت کا اعلیٰ مرتبہ حاصل ہوتا یعنی جو ملجاتا اُسی کو کھاکر قناعت سے بیٹھ جاتا۔ یوں مارا مارا نہ پھرتا۔ جیسے جسم آدم میں حرص کی بدولت ہر وقت ہل من مزید کا خیال ہے اور قناعت نصیب نہیں

اگر میں کتا ہوتا تو صبر و تسلیم رضا کا مقام معلوم اور حاصل کرنیکے لیے مجھے کسی کوشش کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ مفطرتاً صابر اور راضی برضا ہوتا۔ مالک سزائیں دیتا مصیبتیں ڈالتا تو تھوڑی دیر غل مچاکر پھر دم ہلانے لگتا۔ اور محبت سے اُسپر صدقے ہوتا رہتا۔ یہ بات نہوتی کہ انسان ہونیکے سبب خدا کی بھیجی ہوئی ذراسی تکلیف سے گھبرا جاتا ہوں اور اُس کی بنائی ہوئی تقدیر کو برا بھلا کہنے لگتا ہوں۔ **اگر میں کتا ہوتا** تو پیدائشی عارف ہوتا یعنی اپنی ہستی کو بھی پہچانتا اور اپنے مالک کو بھی نہ بھولتا۔ ہزار صورتوں میں مگر میرے مالک کی صورت نظر آتی تو فوراً شناخت کرلیتا۔ اور دوڑ کر اُسکے قدموں میں لوٹنے لگتا

اگر میں کتا ہوتا تو رات کو اس طرح بے خبر و مدہوش ہوکر نہ سوتا۔ بلکہ جاگتا اور تمام شب حق حق کے نعرے لگایا کرتا۔ **اگر میں کتا ہوتا** تو اپنے مالک کی چیز کو دشمن کی دستبرد سے بچاتا۔ مگر اب آدمی ہوں اسلیے خدا کی امانت کو نفس و شیطان سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ **اگر میں کتا ہوتا** تو حلقہ نظام المشائخ کی منزلگاہ کے دروازے پر ساری عمر گزار دیتا توکل سے سوکھے ٹکڑوں پر بسر اوقات کرلیتا۔ اور حلقہ سے **کلب متوکل** کا خطاب پاتا۔ یہ نہوتا کہ شوق تو توکل شعار بننے کا ہے مگر اسکول میں توکل شکن باتیں سیکھتا ہوں

دل اگر نفریں کرتا ہے تو سمجھا دیتا ہوں کہ "بر توکل زانوے اشتر بہ بند" یعنی یہ کہ اسکو لی تعلیم اونٹ کا پاؤں ڈاسن کے بوٹ کی رسی سے باندھ دیتی ہے اور توکل پورا ہو جاتا ہے **اگر میں کتا ہوتا** تو یقیناً کسی انگریز کے پاس رہتا کیونکہ آدمیت میں بھی انگریزوں سے تعلق ہے تو ایک دن اپنے صاحب کے جہاز سے جب وہ عدن پر اُتر چکے نکلکر **جدہ** کے جہاز پر چلا جاتا۔ اور وہاں سے قافلہ والوں کے ساتھ مکہ جاتا اور مکہ سے مدینہ پہنچتا۔ مدینہ کے کتے اگر مجکو اجنبی دیکھکر بھونکتے تو آدمیوں کی طرح جیسے وہ باہر والوں کو سب و شتم کرنے لگتے ہیں میں کچھ نہ کہتا اور مدنی کتوں کے آگے ادب سے سر جھکا دیتا۔ اور اسکے بعد اُن سب کو جمع کر کے کہتا کہ بھائیو! یہ زمانہ ترقی و اصلاح کا ہے آؤ سب ملکر غور کریں کہ ہماری نسل میں یہ قومی منافرت کیوں ہے۔ اسکو دور کرنا چاہیے ورنہ آدم زاد ہم پر طعن کرینگے کہ کتے اپنے ہم جنس کو دیکھ نہیں سکتے۔ لیکن اسوقت اگر کوئی کُتا یوں کہدیتا۔ کہ آدمی بھی تو اپنے ہمجنس کو دیکھ نہیں سکتے۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ بعض آدمی حلقہ نظام المشائخ کے اسلیئے مخالف ہیں کہ اسکے بانی حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی اُنکے ہمجنس ہیں جب وہ اپنے ہمجنس کی عداوت کے سبب ایک دینی اور ضروری فائدے کے کام کی مخالفت کرتے ہیں تو ہم تو پھر کُتے ہیں اور انسان کی طرح سمجھ اور انصاف کا مادہ نہیں رکھتے۔ تو میں جواب دیتا کہ نادانو تم سب انسان کے لیئے نصیحت کا ذریعہ بنائے گئے ہو۔ اگر تم اپنی حالت درست کرلوگے تو انسان کو بھی غیرت آئیگی۔ اور وہ قومی رشک و حسد کو چھوڑ دیگا۔ **اگر میں کتا ہوتا** تو آجکل سے زیادہ ذلیل اور حقیر نہ ہوتا۔ کیونکہ آجکل زمانہ کی رفتار کی مجبوری سے کوٹ پتلون پہننا پڑتا ہے اور یہ پہنکر جس بزرگ یا درویش کے پاس جاتا ہوں وہ کتوں سے زیادہ حقارت کا برتاو کرتے ہیں۔ تو میں کتا ہی کیوں نہ ہوا جو انسانی ضرورتوں کی کشمکش سے بھی آزاد ہوتا اور لوگوں کی حقارت بھی نہ اُٹھانی پڑتی +

(ایک طالب علم دہلوی)

غزل

نہ ہوتا جو تیرا سہارا محمد ؐ — تو کیا ٹھیک لگتا ہمارا محمد ؐ

قمر شق ہوا چرخ اول کے اوپر — کیا تو نے جس دم اشارا محمد ؐ

ہوا نور ایمان سے دل اسکا روشن — پڑھا جس نے کلمہ تمہارا محمد ؐ

محمد ؐ کو امت پیاری ہے ایسی — خدا کو ہے جیسا پیارا محمد ؐ

مزار مقدس ہے اک برج روشن — اور اسمیں ہیں گویا ستارا محمد ؐ

خجل جس سے ہوں چاند سورج فلک پہ — وہ ہے روئے انور تمہارا محمد ؐ

اڑی بھیڑ میں کام آیئے ہمارے — بتا دیجیے وہ استخارا محمد ؐ

صدا تھی یہ معراج میں انبیا کی — وہ آیا خدا کا پیارا محمد ؐ

نظر آگیا طور کا اسکے جلوہ — کیا جس نے تیرا نظارا محمد ؐ

کھڑے ہیں مع دست بستہ موءدب — تیرے آگے جبشی و دارا محمد ؐ

تری کفش پا کی جھلک پڑ گئی تھی — عرب کا جو چمکا ستارا محمد ؐ

فراق حزیں کا ہو جب وقت آخر — زباں پر ہو کلمہ تمہارا محمد ؐ

حکیم سید ناصر نذیر۔ فراق دہلوی

دو مہینہ سے ضروری مضامین اسقدر بڑھ جاتے ہیں کہ ہمکو رسالہ کے مقررہ ۴۸ صفحوں سے اوُر زیادہ صفحے بڑھانے پڑتے ہیں۔ ذی الحجہ کے پرچہ میں ۸ صفحے بڑھائے گئے۔ اور محرم میں ۳۶ اسپر بھی ایسے کئی مضامین درج نہ ہوسکے جو جلدی چھپنے کے قابل تھے۔ شہید نمبر کے لئے حکیم سید ناصر نذیر فراق دہلوی کا ایک دردناک علمی مضمون کربلائے دہلی آیا۔ مگر وقت پر نہ پہنچنے کی وجہ سے رہ گیا اسی طرح شاہ نذیر الحسن صاحب فتح اللّٰہی و پنڈت جواہر ناتھ صاحب ساقی دہلوی۔ مولانا محی الدین صاحب عمادی پھلواروی۔ حکیم فرید احمد صاحب نقشبندی۔ منشی فضل احمد صاحب نشید دہلوی حاجی قمرالدین حسن آفندی شاہ خوب اللہ الہ آبادی۔ مولانا وحشی نگرامی۔ وغیرہ حضرات کے مضامین نظم و نثر بھی بوجہ عدم گنجائش اس نمبر میں درج نہ ہو سکے جو انشاء اللہ آئندہ نمبر میں درج ہونگے

حلقہ کی کارگزاری

اور

تسخیرِ بنگالہ

الحمدللہ۔ میں نے بنگالہ کا سفر کامیابی سے ختم کیا۔ اِس سیاحت میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے مجھ بندہ عاجز کو اپنے فضل و کرم سے ایسا مالا مال کیا کہ میں اِسے تسخیرِ بنگالہ کے نام سے تعبیر کروں تو نازیبا نہیں ۔

اول تو اس دورے نے میری جسمانی صحت کو بہت فائدہ پہنچایا۔ جن امراض نے مجکو گھیر رکھا تھا اور جو انگریزی و یونانی اطباء کی رائے میں لاعلاج اور مہلک ثابت ہو چکے تھے بالکل جاتے رہے۔ اب کسی قسم کی شکایت باقی نہیں اور یہ سب آب ہوا کی تبدیلی کے قطع نظر بزرگان دین کی زیارتوں اور اُنکے روحانی فیضان کا سبب ہے ۔

کارگزاری دو ماہ سے نہیں لکھی گئی۔ اور اب بھی جو کچھ پیش کیا جاتا ہے وہ دو ماہا کارگزاری کا خلاصہ ہے جسکی تفصیل انشاء اللہ آیندہ ماہ میں حکیم محمود علیخاں صاحب کے سیاحت نامہ سے ہوگی جو اُنہوں نے تیار کر لیا ہے۔ مگر عدم گنجایش کے سبب اس پرچہ میں درج نہو سکا ۔

ناظرین نے کلکتہ تک کا حال تو گزشتہ کارگزاری سے معلوم کر لیا ہے۔ اسکے بعد کلکتہ میں اور بھی کئی کامیابیاں حلقہ کو ہوئیں۔ مثلاً ڈاکٹر عبداللہ المامون سہروردی مع اپنے تمام خاندان کے حلقہ میں شامل ہوئے۔ اور کلکتہ ہائیکورٹ کے جج مولوی سید شرف الدین صاحب نے کمال اخلاص و عقیدت سے خدام حلقہ کے عہدنامہ پر دستخط کیے اور اپنا بہت سا قیمتی وقت اس نیک کام کی خدمت میں خرچ کیا۔ اسیطرح بنگال کے نامور رئیس نواب بہادر نواب سید امیر حسن خاں۔ سی آئی ای نے خادمی کا عہدنامہ لکھدیا۔ اور وہیں بھوپال کے وزیر

خان بہادر مولوی سید نصیر الدین صاحب نے بھی جو اتفاق سے کلکتہ آئے ہوئے تھے دلی گرویدگی سے عہد نامہ خادمی پر دستخط کیے۔ ان تمام کامیابیوں سے بڑھکر یہ کامیابی ہوئی کہ بذریعہ جناب کرنل ڈنلاپ سمتھ صاحب بہادر پرائیوٹ سکرٹری حضور وائسرائے میں نے خود گورنمنٹ ہاؤس میں مدعو ہو کر

حلقہ سے حضور وائسرائے کا تعارف

کرادیا اور حلقہ کے اغراض و مقاصد وضاحت سے حضور وائسرائے کی خدمت میں پیش ہو گئے

کلکتہ میں جن حضرات نے حلقہ کی خدمت میں سب سے زیادہ حصہ لیا انکے اسمائے گرامی ذیل میں دلی دعا اور احسان مندی سے درج کیے جاتے ہیں:۔

شیخ محمد یعقوب صاحب چشتی جمالی نظامی	شیخ عبدالوہاب صاحب سوداگر
آنریبل ڈاکٹر عبداللہ المامون سہروردی	جسٹس شرف الدین
مسٹر احمد بیرسٹر	آنریبل غلام حسین عارف
مولانا ابوالکلام آزاد	ملک غلام حسن تاجر شال
حاجی بخش الٰہی صاحب سگرٹ والے	سید نور الحسن شاہ صاحب جمالی نظامی

کلکتہ سے ہم بدعوت نواب سر سلیم اللہ خاں بہادر ڈھاکہ گئے۔ نواب صاحب نے اپنی شان کے موافق مہماندار ی کے فرائض ادا کیے۔ اور کامل کئی گھنٹہ اپنے تمام عمائدین ریاست کو جمع کرکے ہم سے حلقہ کے اغراض و مقاصد پر گفتگو کی۔ اور انکو پسند کرکے خادمی کا اقرار اور خدمتگزاری کا وعدہ کیا۔ ڈھاکہ کے ذی اثر اور مشہور خانقاہوں کے سجادہ نشینوں نے بھی کمال پسندیدگی سے حلقہ کے عہد پر دستخط کیے۔ جن میں جناب شاہ محمد خلیل اللہ صاحب سجادہ نشین اعظم پور شریف اور جناب شاہ محمد عبداللہ صاحب سجادہ میدان میانصاحب خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ڈھاکہ میں جن حضرات نے حلقہ کی خدمتگزاری میں بہت بڑا حصہ لیا انکے اسمار گرامی یہ ہیں:۔

شہزادہ میر محمد صاحب مدار المہام نواب آف ڈھاکہ۔ مولانا حکیم حبیب الرحمن صاحب

خواجہ محمد مقصود میاں صاحب ۔ سبحان خان صاحب تاجر شال ۔ غلام محمد صاحب خادم وکیل انجمن کشمیری +

ڈھاکہ سے پھلواری شریف میں آئے اور یہاں پورے بارہ دن قیام کرکے صوبہ بہار کی کل خانقاہوں کا دورہ کیا ۔ اور خدا کے فضل سے تمام نامور مشائخ اور صاحب سجادہ حضرات نے حلقہ کی شرکت قبول کرکے عہدناموں پر دستخط کردیے جنمیں سے چند بزرگوں کے اسماء گرامی لکھے جاتے ہیں + جناب صاحب سجادہ پھلواری شریف + جناب مولانا شاہ عبید اللہ صاحب فردوسی سجادہ نشین خانقاہ خرد پھلواری شریف + جناب شاہ فرید الدین احمد صاحب فردوسی سجادہ نشین خانقاہ منیر شریف ضلع پٹنہ + جناب شاہ واجد حسین صاحب چشتی بلخی درگاہ شاہ ارزاں صاحب پٹنہ + جناب شاہ سید رضی الدین صاحب سجادہ نشین خانقاہ منعمیہ میتن گھاٹ پٹنہ + جناب مولانا شاہ رشید الحق صاحب قادری عمادی منگل تالاب پٹنہ + جناب خواجہ سید شاہ ابوالحسن صاحب خانقاہ تکیہ حضرت عشق پٹنہ + جناب سید شاہ محمد حیات صاحب فردوسی سجادہ نشین خانقاہ حضرت مخدوم الملک شرف الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ بہار شریف + جناب مولانا شاہ [illegible] احمد صاحب بہار + جناب مولانا شاہ محمد نور صاحب سہروردی سجادہ نشین خانقاہ حضرت مخدوم احمد چرم پوش بہار شریف + جناب شاہ رضا حسین صاحب خانقاہ حضرت دیوان سید شاہ عبد الوہاب صاحب چشتی نظامی بہار شریف + جناب مولانا شاہ محمد شہود الحق صاحب چشتی نظامی سجادہ نشین خانقاہ حضرت شاہ قیام الصدق صاحب نظامی مقام پیر بیگہ +

ان مشائخ کے علاوہ صوبہ بہار کے چند امرا و رؤسا نے بھی حلقہ کی شرکت قبول کی مثلاً ۔ خان بہادر مولوی سید نصیر الدین احمد صاحب و مولوی سید امیر الدین احمد صاحب و مولوی شاہ سید محمد سجاد صاحب جعفری و مولوی محمد موسیٰ صاحب و منشی محمد زاہد حسین صاحب وغیرہ +

جناب شاہ عبد القادر صاحب سجادہ نشین خانقاہ اسلام پور ضلع پٹنہ نے پھلواری میں خط کے ذریعہ سے اپنی ہمدردی حلقہ کے ساتھ ظاہر فرمائی اور نقد امداد بھیجی ۔ اسیطرح دیگر چند بزرگان پھلواری و بہار نے بھی نقد اعانت میں حصہ لیا تفصیل حساب آئندہ پرچہ میں درج ہوگی صوبہ بہار میں جسقدر کامیابی ہوئی اسمیں سب سے بڑا حصہ جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب

پھلواروی اور اُنکے صاحبزادے مولانا حسن میاں صاحب کی مساعی جمیلہ کا۔ مولانا شاہ [illegible]
صاحبؒ د تمام دورے میں ہمارے ہمراہ رہے۔ اِنکے علاوہ جناب مولانا شاہ محمد حبیب الحق
صاحب پٹنہ۔ وحسن صاحب فانی و حکیم محمد الیاس صاحب بہاری و محمد موسیٰ صاحب بہاری
وغیرہ حضرات نے حلقہ کے کام میں دلی امداد فرمائی۔ صوبہ بہار سے جونپور پہونچے
وہاں جناب مولوی فریدالحق صاحب متولی درگاہ حضرت غوث قتلغ خاں نے علاوہ
اپنی ذاتی شرکت کے جونپور کے کئی نامور رؤسا و مشائخ کو شریک حلقہ کرایا۔ اور نقد
مدد بھی کی۔ نیز جناب حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صاحب سجادہ نشین خانقاہ رشیدیہ
جونپور نے بھی کارکنان حلقہ کے لیے دعاء خیر فرمائی۔ جونپور سے الہ آباد آئے۔ یہاں
جناب مولانا شاہ محمد ولایت حسین صاحب صابری فرزند و جانشین جناب مولانا شاہ
محمد حسین صاحب شہید الہ آبادی نے عہدنامہ پر دستخط کیے اور خاص اعانت کا وعدہ فرمایا
الہ آباد سے ریاست ریواں گئے۔ جہاں حلقہ کے کئی سو خدام ہیں۔ یہاں بھی اور سو کے
قریب عورت مرد حلقہ کی غلامی میں داخل ہوئے۔ اِس ریاست میں ہندوؤں کو بھی بزرگان
اسلام سے بڑی عقیدت ہے۔ اور وہ ہمارے پاس نہایت کثرت سے جمع ہوتے تھے
ان ہندوؤں کو اسلامی تصوف کا طریقہ بتانیکے لیئے علاوہ مولوی ممدراز نظامی کے ایک
نو مسلم پنڈت کو بھی مقرر کیا گیا۔ یہ پنڈت بڑے واقفکار اور فقیر دوست ہیں انکا
اصلی نام [illegible] پرشاد ہے مگر حلقہ کی طرف سے ان کا نام پنڈت بدرالدین رکھا گیا اور ہندوؤں
کی تربیت انکے سپرد کیگئی۔

یہاں سے لکھنؤ آئے۔ یہاں صفی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن خانصاحب
نواب سید نورالحسن خانصاحب و سید مرتضیٰ خاں صاحب نے کتابوں اور نقدی سے
حلقہ کی مدد کی۔ لکھنؤ سے بریلی ہوکر دہلی پہنچ گئے۔ اور چار روز قیام کرکے پھر سرہند شریف
[illegible] گئے جہاں متعدد نقشبندی مشائخ شریک حلقہ ہوئے۔ جناب شاہ

عبدالرسول صاحب سجادہ نشین تلہ شریف اور جناب مولوی سید نذیر علی صاحب وکیل پٹیالہ نے اشاعت حلقہ میں بہت مدد دی۔ پٹیالہ میں ہی عارضی طور سے جانا ہوا جہاں خان بہادر مولوی فضل متین صاحب سشن جج پٹیالہ۔ اور خان بہادر کرنیل عبدالمجید خاں صاحب وغیرہ روسائے خادمی کے عہد پر دستخط کیئے۔ اسکے بعد پیران کلیر شریف گئے۔ اور زیارت مزار شریف و صاحب سجادہ سے مشرف ہوکر دہلی آگئے۔ راستہ میں راؤ معصوم علی خاں صاحب رئیس سکروده ضلع سہارنپور نے حلقہ کی شرکت قبول کی اور اپنے مدرسہ تصوف کو جسکا نام مدرسہ صابریہ ہے حلقہ کے زیر اثر کرنے کا ارادہ ظاہر کیا

اس مجمل کارگزاری و کامیابی سے سرسری معلومات کے سوا اور کچھہ معلوم نہیں ہوگا آئندہ وضاحت سے لکھا جائیگا۔ مگر اسقدر لکھنا ضروری ہے کہ ایسی کوئی خانقاہ اس تمام سفر میں نہیں ملی۔ جہاں مخالفین حلقہ نے میری مخالفت کے اشتہار نہ بھیجے ہوں مگر بزرگوں کی روحانی برکت ہی کہ کسی شخص پر اسکا اثر نہیں ہوا۔ بلکہ اس مخالفت کے سبب لوگوں کو اور زیادہ توجہ ہوگئی۔ حساب کتاب آئندہ درج ہوگا +

بعض حضرات نے براہ راست منزل گاہ حلقہ میں نقد امداد بھیجی ہے بعض نے ماہوار مقرر کیا ہے۔ ان سب کا ذکر آئندہ ہوگا +

ہم جناب نواب سید صدرالدین حسین خانصاحب رئیس اعظم بڑودہ کے نہایت شکرگزار ہیں۔ جنھوں نے اپنی بیش بہا تصانیف کی پانسو کاپیاں حلقہ کو دیں نیز قاری سرفراز حسین صاحب نظامی بھی قابل شکرگزاری ہیں۔ جنھوں نے درود دل کی پانسو کاپیاں دیں +

اب خدا کے فضل سے میری صحت اس قابل ہے کہ حلقہ کے مقاصد پر پورے اہتمام سے عمل درآمد شروع کروں۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ +

حسن نظامی

مرکب عشبہ کے اکتالیس ۴۱ فوائد

جس کی تصدیق حکیموں ڈاکٹروں اور ذی علم لوگوں نے کی ہے

جن کی تصدیق کے ایک سو مریضوں نے آپ استعمال کر کے سرٹیفکٹ دیے ہیں

فائدہ (۱) دو ہیں جب کبھی ... خشک یا سوزاک ہو چکا ہو اور کچھ عرصہ کے بعد جلد پر سیاہی لگ جائے جیسے اور جسم پر داغ سیاہ داغ پڑ گئے ہیں یا جوڑوں اور ہڈیوں میں درد ہو تو یہ مرکب استعمال کرنے سے دور کہ وہ ہو جاتے ہیں۔

فائدہ (۲) جس کی تصدیق دو سو مختلف ... اور مختلف عمر کے لوگوں نے کی کہ وہ بوجہ خرابی معدہ و خرابی خون ... سے بہت الافسردہ حالت تھے چہرہ پر بے رونقی اور مردہ پن پیدا ہوتا جاتا تھا۔ ہاتھ پاؤں جلتے تھے۔ معدے پر بوجھ ... کبھی تو کبھی قبض ہو جاتی تھی وہ سب اس کے استعمال سے دور ہو گئی۔

فائدہ (۳) جس کی تصدیق ... سو مریض آزما کر چکے ہیں۔ خون گندہ ہونے سے چہرہ پر چھائیاں جسم پر دانے پھوڑے پھنسیاں ... سے مختلف جگہ پیدا ہو کر نہ لیس ... جہاں وہ پانی لگتا تھا زخم ہو جاتے تھے۔

فائدہ (۴) جس کی تصدیق ... آدمی کر چکے ہیں ... کی رانوں کا چہرہ سیاہ اور موٹا ہو گیا تھا اور پسینہ آنے سے سخت خارش ... ہر وقت ... ہاتھ رہتا تھا اور ان سے بدبو آتی تھی۔

فائدہ (۵) جس کی تصدیق گیارہ مریض کرتے ہیں خنازیر مختلف حصہ جسم میں بغل اور گردن میں ... گلٹیاں ... اس کے استعمال سے ... گلٹیاں بیٹھ گئیں اور آگے پیدا ہونے بند ہو گئیں۔

فائدہ (۶) جس کی تصدیق تین سو مریض کرتے ہیں ... عرصہ سے ناسور ... سے ... پیپ جاری رہتی تھی اس کے استعمال سے ناسور ... ہو گیا۔

فائدہ (۷) جس کی تصدیق ... مریض کرتے ہیں ... تمام ران اور پنڈلیوں میں پہنچا کرتا تھا جس سے لنگ ... ہو جاتی تھی۔ اس کی ایک شیشی سے ... اور درد جاتا رہا۔

فائدہ (۸) جس کی تصدیق چار سو عورتیں استعمال کے بعد کرتی ہیں کہ انکے ... میں درد اور رحم سے بدبودار پانی جاری رہتا تھا ... ہر وقت درد ہوا کرتا تھا اس کے استعمال سے ایام ماہواری باقاعدہ ہو گئی۔ رحم کا پانی بند اور چہرہ سرخ ہو گیا۔

الغرض یہ مرکب چوب چینی اور عشبہ وغیرہ کا سب سے بہتر اور سستا ہے

... بہت سے انگریزی عشبے ناکارہ اور نقصان رساں ثابت ہوئے ہیں (کیونکہ وہ بلا لحاظ اس ملک کے ... شراب وغیرہ میں بنائے جاتے ہیں جس سے خون زیادہ غلیظ اور تیز ہوتا ہے)۔ اس سے ... کھانے میں ... اس جوہر کا اعضائے رئیسہ اندرونی پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے جس سے تمام چہرہ کی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔

یہ مرکب عشبہ ... سال سے ملک کے مختلف حصوں میں تجربہ کیا گیا ہے اگر آپ کو کوئی شکایت ہو تو آپ تجربہ کر کے ہمارے بیانات کی تصدیق کیجیے **ثبوت** کے لیے اس جوہر کے استعمال سے پہلے بدن کو وزن کر کے لکھ لو اور ایک ماہ بعد وزن کرلو وزن زیادہ ہو جائیگا اور چہرہ کا رنگ (خون صاف ہونے سے) کندن کی طرح دمکنے لگے گا۔

قیمت شیشی کلاں ایک ماہ کے لیے تین روپیہ (سے) **قیمت** شیشی خورد ڈیڑھ روپیہ (عہ)

پتہ شفاخانہ حاج الحرمین ... حکیم ڈاکٹر غلام نبی ایڈیٹر رسالہ حافظ صحت لاہور

جلد ۳ — ماہ ربیع الاول

ستمبر ۱۹۱۲ — نمبر ۴

نظام المشائخ

تمام سلسلوں کے صوفیہ و مشائخ کی دینی و دنیاوی اغراض کا حامی اور خدمتگار ماہوار رسالہ

اعلیٰ ایڈیٹر — حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی خواجہ زادہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی

نائب ایڈیٹر — خادم الفقرا سید محمد ارتقی وحیدی دہلوی

فہرست مضامین

(دنیا کی آبادی میں چین چوتھائی حصہ ہے سب لوگوں کا ہے)

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک قسم اول پانچ روپیہ فی پرچہ ۔ قسم دوم سالانہ مع محصول [illegible]

منشی فضل حسین کے ہلال پریس دہلی میں چھپوا کر [illegible] مالک رسالہ نظام المشائخ نے شائع کیا

قیمت فی پرچہ ۴ر

اغراض و مقاصد حلقۂ المشائخ دہلی

حلقۃ المشائخ ایک انجمن کا نام ہے جو صوفیائے کرام کے تمام سلسلوں کی خدمت گزاری کے لیے دہلی میں قائم کی گئی ہے اسکے چار مقصد ہیں +

(۱) علم تصوف کی حفاظت و اشاعت (۲) سب سلسلوں کے مشائخ میں باہمی میل جول اور اخلاقی اتحاد قائم کرنے کی کوشش (۳) عرسوں اور خانقاہوں کی ان رسم کو جو دائرۂ شریعت و طریقت سے باہر ہیں اصلی حالت پر لانے کی سعی (۴) عرسوں اور خانقاہوں کے ان انتظامی معاملات میں جن کا تعلق گورنمنٹ سے ہو مشائخ کے جائز حقوق کی حفاظت*

اس حلقہ کے ممبر دو قسم کے ہوتے ہیں **ایک** تو وہ جو خود درویش ہیں یا کسی درویشی تعلق کے سبب لوگوں میں کوئی امتیاز رکھتے ہیں انکو **ممبرانِ حلقہ** کے نام شریک کیا جاتا ہے۔ اور **دوسری** قسم میں وہ حضرات ہیں جو نہ خود درویش ہیں نہ کسی درویش کی اولاد ہونے کے سبب لوگوں میں کوئی امتیاز رکھتے ہیں لیکن صوفیائے کرام کے عقیدتمند ہیں اور انکی خدمت گزاری چاہتے ہیں انکو **خادمِ حلقہ** کے لقب سے شامل کیا جاتا ہے +

ممبرانِ حلقہ پر کوئی فیس یا نذر بطور واجب کے لازمی نہیں ہے لیکن ہر ممبر کو سال بھر میں کم از کم ایک روپیہ اخراجاتِ حلقہ کے لیے دینا چاہیے ؛

ہر ممبر کا فرض ہے کہ مذکورہ مقاصد کی تکمیل کے لیے زبان و قلم، قدم و درم سے کوشش کرے ؛

تفصیلی حالات خواجہ حسن نظامی مہتمم حلقۃ المشائخ دہلی نواب الفضل جنگ ۔ بازار چتلی قبر دہلی سے دریافت کرنے چاہئیں ؛

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظام المشائخ

تحفہ درویش

(نمبر ۱)

قال اللہ تعالیٰ۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم ایٰتہ ویزکیھم و
یعلمھم الکتٰب والحکمۃ

اے دوست قبولم کن جانم بستاں مستم کن واز ہر دو جہانم بستاں
ہر چہ دلم قرار گیرد بے تو آتش من اندر زن وآنم بستاں

راگ دو پہر اڑ کھانہ مو ہو جن سپنے اسکے بس ہو ہو
جنم برن جہاں لگ جنجالو سپت بپت کرم اور کالو
دھرن دھام دھن پر پر وارو سرگ نرگ جہاں لگ بیوارو
دیکھے سنیے گنیے من ناہیں موہ دل پرماہنت ناہیں
سو جانے جیسے دیو جنائی جانت تم ہیں تم ہیں ہو جائی

آیۂ قرآنی مندرجۂ عنوان میں کتاب سے مراد احکام شریعتِ ظاہریہ اور حکمۃ سے مراد احکامِ باطنی سلوک طریقت تصفیۂ باطن تزکیۂ نفس تہذیب اخلاق اور حقائق و معارف ہیں اور یہ ظاہر کہ اصلاح ظاہر و باطن فلاح دین و دنیا کے علاوہ کہ جسپر انسانی حیات و ممات کا دار مدار اور بالآخر اسی پر انجام کار ہے (اور کلام ربانی جس اصلاح کا بیڑا اٹھاتا پکار پکار کے اپنی طرف بلاتا ہے) انسان کے لیئے اور کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں۔ تو لامحالہ ماننا پڑا کہ دین اسلام ناسخ الادیان اور شریعت محمدی اکمل الشرائع ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناط دنیا میں جسقدر ادیان و ملل ہیں انکے عملیات و معاملات کی جانچ پڑتال خودانکے اُصولِ مذہبی کی کسوٹی سے ہو جاتی ہے اور پرکھنے والے پرکھ لیتے ہیں کہ یہ واقعی اصلی سونا ہے یا ملمع کیا ہوا پیتل۔ دراصل چاندی ہے یا سیمابی قلعی۔ اور یوں تو اپنی جنس کو (کھوٹی ہو یا کھری) کوئی بھی ناکارہ نہیں کہتا کہنا کیسا اُسپر نازاں اور فرحاں ہے۔ کل حزب بما لدیھم فرحون و للناس فیما یعشقون مذاھب (انسان جس چیز کو محبوب رکھتا ہو اسمیں اُسکے لیئے بہت سی راہیں ہیں) خیر باشد۔ کھری یا کھوٹی ہمیں اُس سے کام نہیں۔ یہاں تو ہم ہیں اور ہمارا مذہب اسلام۔ ہماری اطاعت اور اُسکے احکام۔ وللہ در قائل ترکت للناس دنیاھم و دینھم + شغلاً لحبک یا دینی و دنیای ۵

شدست سینۂ ظہوری پُر از محبتِ یار ۔ برائے دیدنِ اغیار در دلش جا نیست

تصوف

عرب میں صوفہ کمل کے ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ صوفی کی نسبت اسی وجہ سے ہے جیسے کوفہ سے کوفی عہد تابعین میں یہ لقب ہوا۔ حضور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صوفی نہ کہتے تھے مقرب بولتے تھے۔ معنی ایک ہی ہیں کما قال

الشیخ العارف صاحب عوارف المعارف۔ الصوفی ھو المقرب۔ بعض نے فرمایا کہ صفائی باطن کی وجہ سے صوفی کو صوفی کہتے ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ صوفی کو صفہ سے لیا ہے۔ یہ نسبت اصحاب صفہ کی طرف ہے۔ تصوف کا پہلا درجہ قول سے متعلق ہے۔ دوسرا فعل سے اور تیسرا حال سے۔ اسی پہلے کو فلسفہ تصوف[1] یا شریعت کہتے ہیں۔ اور تقسیم یا مدارج علمی میں اسکا نام علم اقوال ہے۔ دوسرا علم افعال (اسی درجہ میں اخلاق رذیلہ اخلاق حسنہ سے بدل جاتے ہیں) یہ طریقت ہے۔ تیسرا علم احوال یہ حقیقت ہے۔ اسی حقیقت کا انکشاف معرفت کہلاتا ہے جس کی صفت ہے من عرف ربه فقد کل لسانه ع کا نرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد + ولی کا اطلاق انہی مدارج ثلاثہ پر محیط ہونیسے ہوتا ہے۔ ولا یکون ولیا مالم یکن متبعا للنبی صلعم قولاً وفعلاً وحالاً۔ یعنی ولی جب ہی ہوگا کہ قول وفعل وحال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع ہو۔ اخلاق اللہ سے متخلق ہونا موتوا قبل ان تموتوا کا مصداق ہونا تصوف کی نہایت تصوف کی جان ہے (یہی تصوف کا آخری درجہ حال سے متعلق ہے) اور یہ

[1] فلسفہ تصوف کی تعبیر شریعت سے باعتبار مدارج علمی ہوئی ہے کہ ابتدائی مرحلہ قیل وقال سے متعلق ہے ورنہ ہر شے کا فلسفہ جدا گانہ ہے جو باعتبار اصل شے مغز لفظ سے موسوم ہوگا جیسے کہا جائے اسلام واصول اسلام یعنی مذہب و فلسفہ مذہب۔ تصوف واصول تصوف یعنی تصوف و فلسفہ تصوف۔ اب اس اعتبار سے غایت تصوف یا اصل تصوف فلسفہ تصوف کہلائیگا اور چونکہ تصوف علم حسی نہیں عملی ووجدانی ہے لامحالہ اسکا انکشاف عمل ہی سے ہوگا نہ قیل وقال سے ع ہر سخن موقع وہر نکتہ مقامے دارد۔ فافہم ۱۲ منہ [2] امام حجۃ الاسلام ابو حامد محمد الغزالی الطوسی قدس سرہ نے فرمایا کہ شریعت طریقت حقیقت کی مثال اخروٹ کی سی ہے۔ اخروٹ کے اوپر کا چھلکا شریعت سمجھو اندر کا باریک چھلکا طریقت۔ مغز حقیقت اور مغز کا مغز (روغن) معرفت جانو۔ بلا اوپر کا چھلکا نکلے اندر کا باریک چھلکا صاف نہوگا۔ اور جب تک باریک چھلکا نہ نکلے گا مغز میسر نہ آئیگا۔ اور بلا مغز روغن ہاتھ نہ لگیگا ایسے ہی مقدم شریعت ہے۔ بلا شریعت طریقت حقیقت معرفت کوئی بھی نصیب نہو۔ طریقت سے چلنے والا شریعت میں رک جاتا ہے۔ مگر شریعت کی لغزش سے کہیں بھی پناہ نہیں جو دونوں کا جامع ہے وہی انسان کامل کہلاتا ہے ؎ بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام وسندان باختن ۱۲ منہ

حواس ظاہری کے معطل ہونے اور حواس باطنی کی بیداری پر موقوف ہے۔ زانکہ در عالم خدادانی * جہل علم است علم نادانی * قال الغزالی رحمہ اللہ فی الاحیاء اعلم ان ھذا من عجائب اسرار القلب ولا یسمع بذکرہ فی علم المعاملة * وقال المولوی المعنوی فی المثنوی ؎

حس دنیا نردبان این جہان حس عقبےٰ نردبان آسمان
صحت این حس بجوئید از طبیب صحت آن حس بجوئید از حبیب
صحت این حس ز معموری تن صحت آن حس ز تخریب بدن
شاہ جاں مر جسم را ویراں کند بعد ویرانیش آباداں کند
آیت ہستی چہ باشد نیستی نیستی بگزیں گرا بلہ نیستی
سایہ ہائے کہ بود جویائے نور نیست گردد چوں کند نورش ظہور
ہمچنیں جویائے درگاہ خدا چوں خدا آید شود جوئندہ لا
زندگی در مُردن و در محنت است آب حیواں در درون ظلمت است
آئینہ دل چوں شود صافی و پاک نقشہا بینی بروں از آب و خاک

دل محل ادراک ہی یا نہیں۔ اور اگر ہے تو اشیائے محسوسہ وغیر محسوسہ پر یکساں ادراک حاصل ہی یا کم وبیش۔ روح ودل کے ادراک میں کیا تفاوت ہی۔ حواس خمسہ ظاہری کے معطل ہونے میں ادراک کی صورت کیا ہوتی ہے۔ ایسے ہی اور بہت سے سوالات یا اعتراضات ظاہر بینوں نے پیدا کیے اور چاہا کہ اقلیدس کی طرح چند اصول موضوعہ وعلوم متعارفہ قائم ہوکر ان کا ثبوت بھی ہوتا چلا جائے۔ اور اگر قیل وقال سے یہ مرحلہ طے نہو تو صاف صاف نہایت زور شور سے انکار کردیا جائے کہ یہ سب خیالی ڈھکوسلے اور وہمی منصوبے ہیں۔ باقی کچھ بھی نہیں۔ بیشک مادہ پرست خوب سمجھے اور ایسا سمجھے کہ کچھ بھی نہ سمجھے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ یہ کرنے کی باتیں کہنے میں نہ آئینگی۔ تمہارے

علم فہم کی کہاں تک رسائی ہے۔ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ جو شئے تمہارے احاطہ علم میں نہ آئے۔ اور تمہاری عقل جزئی کی حدود سے دور بہت دور ہو تو بجائے

سلہ پوری آیۃ یہ ہے ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا بیان کیفیت روح میں اہل تحقیق کے دو فرقے ہیں۔ ایک فرقہ اس طرف گیا ہے کہ روح دراصل ایک ہی ہے اسکو روح کل کہتے ہیں۔ ذات واجب الوجود سے ابتداءً اسیکا صدور ہوا۔ اور یہ صدور معدوم مجہول الکیفیۃ ہے۔ اس روح کے (اختلاف اعتبارات کی وجہ سے) مختلف نام ہیں۔ کبھی اسکو حقیقت محمدی سے تعبیر کرتے ہیں۔ کبھی عقل کل۔ تعین اول اور قلم اعلی کہتے ہیں۔ الی غیر ذلک۔ اس سے ارواح جزئیہ کے صدور کا طریقہ اسطرح ہے کہ جب جسم ترکیب پاتا ہے اُسپر روح کل کا پرتو پڑتا ہے جس سے آثار حیات پیدا ہو جاتے ہیں۔ جس طرح اجسام صیقل (مثل آئینہ وغیرہ) جب آفتاب کے مقابل ہوں روشن ہو جاتے ہیں۔ موت کے وقت یہی ارواح جزئیہ اپنے اصل کی طرف کہ روح کل ہے۔ رجوع ہو جاتی ہیں۔ روح کل مجرد بسیط ہے۔ تجزی و تبعیض کی اسمیں گنجایش نہیں صرف باعتبار تعدد اجسام متعدد ہے جس طرح پرتو نور آفتاب کہ زمین پر پڑتا ہے حد ذات میں قابلیت تجزی کی نہیں رکھتا۔ تجزی و تبعیض باعتبار امکنہ کے ہے جیسے زمین کو قسمت کریں۔ شعاع آفتاب کی تقسیم یا قسمت بمتابعت زمین قسمت اعتباری ہوگی۔ مگر جب شعاع آفتاب آفتاب سے ملی تعین اعتباری نہ رہا۔ پھر وہی آفتاب آفتاب رہا۔ اسیطرح ارواح جزئیہ بعد مفارقت بدن اپنی اصل سے وصل ہو جاتی ہیں۔ اور یہاں ارواح جزئیہ کو ایک دوسرے سے امتیاز نہیں ہے جس طرح کہ نہر کا پانی جو متعدد ظروف میں ہو باعتبار ظروف منقسم ہو جائے گا۔ مگر جب ظروف ٹوٹے پھر وہی آبِ ذات پانی ہی پانی۔ دوسرے فرقہ کے نزدیک (کہ وہ محققین کامل ارباب کشف شہود ہیں اور ان کے کشف کا اقتباس مشکوۃ نبوۃ سے ہے) ابدان کا انحصار صرف اجسام عنصریہ ہی پر نہیں جسم مثالی بھی ہے۔ اور اس لیئے روح کا تعلق ہر دو کے ساتھ ہے۔ جسم عنصری فاسد ہو جاتا ہے اور جسم مثالی اصلا قابل فساد نہیں۔ اسلیئے کہ اُس میں قابلیت فرق و التیام کی نہیں۔ روح جب تک اس بدن عنصری سے تعلق رکھتی ہے رکھتی ہیں۔ بعد فساد بدن عنصری بدن لطیف (جسم مثالی) سے تعلق ہو جاتا ہے۔ الی ماشاء اللہ۔ جب حشر ابدان ہوگا۔ پھر اسی بدن عنصری سے تعلق ہو جائیگا۔ جیسا کہ (عالم اجسام میں) پہلے تھا۔ اور یہ بات ہر طرح سمجھ میں آجاتی ہے اور ذوق سلیم قبول کر لیتا ہے۔ مثلاً خواب کی حالت کیا ہے کوئی اپنے آپ کو خواب میں کہاں کہاں دیکھتا۔ لیئے لیئے پھرتا ہے اور ظاہر ہے کہ جسم عنصری معطل محض ہے اور روحی تصرف کسی اور بدن پر ہو رہا ہے۔ یہی بدن جسم مثالی کہلاتا ہے۔ اور روح دونوں بدنوں کے ساتھ تدبیر کر رہی ہے۔ اگر جسم عنصری کے ساتھ ترک تدبیر ہو فاسد ہو جائے اور قابل تدبیر نہ رہے موت اسی ترک تدبیر کو کہتے ہیں۔ خواب کو بھی خواب و خیال سمجھئے جانے دیجئے۔ مرض سکتہ پر حیرت کی نگاہ

اسکے کہ تم اپنی عقل کے عجز کے معترف ہو۔ تمہیں اسکی تکذیب کا کیا حق حاصل ہے بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ۔ یہ حال ہے اور حال کی باتیں قال میں نہ آئیں گی یہاں زبان بند ہوتی ہے اور دل جاری۔ تشبیہ والے اسکو جوگی سرگن کہتے ہیں اور تنزیہہ کو نرگن۔ تشبیہ میں زبان طول ہوتی ہے فقد طال لسانہ اور تنزیہہ میں گونگی۔ من عرف اللہ کل لسانہ مطلب یہ کہ جسنے اللہ کو ذات سے پہچانا اسکی زبان گنگ ہو گئی۔ اور جس نے صفات سے پہچانا اسکی زبان دراز ہوئی۔ اور اول تمکین کے مقام میں ہے اور دوسرا تلوین میں۔ مجمع السلوک میں حضرت مولانا سعدالدین خیرآبادی خلیفہ حضرت مخدوم شاہ مینا قدس سرہم ارشاد فرماتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے۔ "پہلے سے معرفت شہودی مقصود ہے اور دوسرے سے معرفت استدلالی۔ یعنی جسنے اللہ کو معرفت استدلالی سے پہچانا۔ اسکی زبان دراز ہوئی۔ اور جسنے معرفت شہودی ضروری سے پہچانا۔ اسکی زبان کند اور بیکار رہی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵) ڈالیے اور دیکھیئے کہ آئینہ مثالی روح کو جسم مثالی میں لیے ہوئے کیا کیا دکھا رہا ہے۔ عجائب و غرائب عالم ملکوت کی سیر ہو رہی ہے علاقہ روحی جسم عنصری سے قائم ہے کہ فنا نہو جائے اور قابل تدبیر باقی رہے۔ یہاں جسم عنصری بے حس حرکت ہے فصاد نے فصد لی ادہر آنکھیں کھلیں اودہر سیر بھی ختم ہوئی۔ خواب تہا جو کچہ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تہا۔ یہی دو مثالیں نئی روشنی والوں کے لیے اگر سمجھنا چاہیں تصوف کے بہت سے مسائل سمجھا دیں گی۔ دوستو! مانا کہ تمہارا جدید علم جدید فلسفہ اور تمام مغربی علوم از قسم مشاہدات بدیہیات ہیں مگر خوب یاد رکھو کہ تصوف کا مکاشفہ مشاہدہ اس سے کہیں زیادہ روشن اور صاف ہے جس کی تکذیب صرف وہی کریں گے جنکو خدا نے آدمی بنایا ہے مگر آدمی بن کر رہنا نہیں چاہتے۔ آنکھیں ہیں۔ دیکھنا نہیں چاہتے۔ کان ہیں سننا نہیں چاہتے اولئک کالانعام بل هم اضل سبیلا۔ اولیاء اللہ کی حالت انتزاعی وانخلائی میں دس دس دن بلکہ زیادہ گزر جاتے ہیں کہ انکی ارواح مقدسہ عالم مثال کی سیر میں مشغول رہتی ہیں۔ اور پہر بدن عنصری میں رجوع ہو کر تصرف و تدبیر کا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے۔ انکے لیے عالم اجسام و عالم مثال کے حالات مثل آئینہ ہو جاتے ہیں۔ ایسی انتزاعی و انخلائی حالت کو موت اختیاری بہی کہتے ہیں جسکا اشارہ موتوا قبل ان تموتوا میں ہے۔ اسی روحی استعداد پر انسانی کمال و نقصان کا انحصار ہے۔ کسیکو طاقت حاصل کسیکو جہالت شامل۔ ورنہ بحیثیت ابدان سب مساوی ہیں جن لوگوں یعنی ارباب عقول ناقصہ کا یہ خیال ہے کہ نسل دیگر حیوانات کے انسانی جسم میں بھی روح حیوانی ہے

معرفت استدلالی عوام کے لیے ہی۔ ظاہر ہے کہ عوام زبان کو دراز رکھتے ہیں بعض طالب علموںکو دیکھتے ہو جو معرفت استدلالی رکھتے ہیں۔ باع ببع قیل و قال میں اپنا وصول خیال کرتے ہیں۔ اور ایسی زبان چلاتے ہیں کہ بیچارہ عارف صاحب شہود دم نہیں مار سکتا۔ خبر سے بات پیدا ہوتی ہے اور عرفان سے سکوت۔ سوچ اور سمجھو + یہاں نہ اشارات ہوں نہ اضافات۔ (التوحید اسقاط الاضافات) ع لال گردد زبان استدلال + یہاں دلیل و مدلول کا نام نہیں۔ علت و معلول سے کام نہیں ؎

قال را بگذار مرد حال شو پیش مردِ کاملے پامال شو

معنی کے لیے آنکھیں بھی معنوی چاہئیں۔ ذات کا مرتبہ بے نشان ہی۔ جبتک مرایک تعین اعتبار قیود اور نشان وغیرہ سے بے نشان ہوکر بے نشان نہو جائے۔ واصل مطلب نہیں ہو سکتا۔ یعنے واصل باللہ ہونا مٹنے کا نام ہے ؎

فانی خود شو لہ تا یابی نجات
چوں تو برخیزی نشیند حق بجات

بے حس و بے گوش و بے فکرت شوید
تا خطاب ارجعی را بشنوید

جاں بے گندی و اندر پردہ
زانکہ مردن اصل بُد نا وردہ

تا نمیری نیست جاں کندن تمام
بے کمال نردباں نائی بہ بام

لے حیات عاشقاں در مُردگی
دل نیابی جز کہ در دل بُردگی

غرق عشقے شو کہ غرق ست اندریں
عشقہائے اولین و آخریں

اللھم حرق قلبی بنار عشقک وازرقنی ازدیاد محبتک حتی لا یبقٰی شئ غیرک +

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶) جو فساد جسم کے ساتھ خود ہی فاسد ہو جاتی ہے کہ پیدا بھی اُسی سے ہوئی تھی جب وہ نہ رہا یہ بھی نہ رہی۔ (یعنی روح ابدی نہیں) افسوس کہ اُنکے علم ناقص و عقل جزئی نے انہیں ایسی جسمی چاردیواری میں محدود رکھا۔ روح اصدر و حانیوں سے بیخبر رہے اور یہ نہ سمجھے کہ ہم کون ہیں کیا ہیں ؎ فلسفی گشتی ز آگاہ نیستی از کجا آ با کجا و کیستی + مبارک ہیں وہ لوگ جو روح کو ابدی جسم کو فانی سمجھے۔ جسمی ریاضت کے کمالات روحی کو بڑھایا کہ ظاہری خرابی ہی باطن کی معموری ہے اور جسم کا روح ہو جانا ہی کمال انسانی ہے ؎ ہمی میرت جیسے از لاغری + تو در بند آنکہ خرپہ ور ی ۱۲ منہ

قلم بشکن سیاہی ریز و کاغذ سوز و دم درکش حمید این قصۂ عشق است در دفتر نمی گنجد

ارشاد الطالبین میں ارشاد ہوا۔ چوں ہمگی طالب را نہنگ غیرت مطلوب فرو برد لا یبقیٰ و لا تذر حال او شود نہ اثر ماند نہ خبر۔ چنانکہ مے آرند لیلےٰ پیش مجنوں آمد گفتند این لیلےٰ مطلوب تو است گفت لیلےٰ نا و انا لیلےٰ۔ این مقام تفرد است چنانکہ گفت ؎

تو در و گم باش توحید این بود گم شدن گم کن کہ تفرید این بود

این جا سلطان عارفاں میفرماید۔ تا غایت من او را مے جستم خود را میافتم۔ اکنوں سی سال است کہ خود را میجویم او را میابم ؎

جمال دوست چنداں سایہ انداخت کہ سعدی ناپدید است از حقیری

مولنا جامی قدس سرہٗ در لوائح میفرمایند ؎

آنرا کہ فنا شیوہ و فقر آئین است نے کشف و تعین نہ معرفت نہ دین است

رفت او زمیاں ہمیں خدا ماند خدا الفقر اذا تم ھو اللہ این است

جبتک نمائش اور ہم سری سے محو نہو لذات نفسانی سے علحدگی خودی و انانیت سے کنارہ نہو، ذوق و شوق روحی کا حاصل ہونا۔ انوار تجلیات میں پہنچنا ممکن نہیں نہ اتصال حقیقی و ذاتی نصیب ہو جو خاص منشائے عرفاں ہے (اتصال بے تکیف بے قیاس + ہست رب الناس را بانوع ناس) اسی تجلی سر سے مشاہدۂ حق ہوتا دوئی سے علحدگی ہوتی۔ اور الانسان سری و انا سرہٗ و اذا تم الفقر فھو اللہ یکون عیشہ کعیش اللہ و تم الفقر اذا تم فلاھم الا انا۔ کا مصداق ٹھیرتا ہے حق تعالیٰ حق ہی کے ساتھ پہچانا جاتا ہے جیسا کہ کہا گیا عرفت ربی بربی ؎ آفتاب آمد دلیل آفتاب + سید الطائفہ خواجہ جنید بغدادی قدس سرہٗ اسی حال کی خبر دیتے ہیں۔ فان تکلم فباللہ وان تحرک فباللہ وان سکن فمع اللہ فھو باللہ واللہ مع اللہ + (باقی آیندہ)

ضرورت شیخ

مرشد اور شیخ کی ضرورت کے اہم مسئلہ پر جناب شاہ حبیب الحق صاحب جو مولانا شاہ رشید الحق صاحب قادری عمادی سجادہ نشین خانقاہ منگل تالاب پٹنہ کے صاحبزادے ہیں نہایت فاضلانہ مضمون لکھا ہے مگر افسوس کہ بوجہ عدم گنجائش صرف اقتباس شائع کیا جاتا ہے امید ہے کہ ناظرین اس مضمون کو غور سے ملاحظہ کرینگے۔

اللہ تعالی نے جبکہ انسان کو جامہ ظہور اور پیکر وجود سے آراستہ کیا تو اسکو تمام و کمال وہ خوبیاں اور صفتیں عطا کیں جو اور دیگر مخلوقات میں فرداً فرداً الگ الگ پائی جاتی تھیں بلکہ امتیازی تاج سر پر رکھنے کی غرض سے ایسے اور کمالات عنایت کیے جن کا پتہ زمین پر دوسرے سانس لینے والوں میں مفقود ہے۔ وہ اس بات کی بدولت سب سے الگ ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔ اور اپنے ہم نفسوں میں ترانہ فخر و مباہات گاتا ہے۔ مثلاً میں قوت دراکہ کا ذکر کرتا ہوں جو شعور کے ہمارے اچھے برے کی تمیز کرتی ہے۔ گزشتہ احوال و واقعات سے آیندہ زندگی پر حکم کلی لگاتی ہے۔ کلیات کو دماغی حجروں میں جگہ دیتی اور مجہولیت کے الجھے ہوئے پیچیدہ رشتہ کو ناخن تحقیق سے سلجھاتی ہے۔ اسی کے ذریعہ سے انسان سوچتا ہے کہ میں کیا ہوں مجھے کس نے بنایا۔ کیوں بنایا۔ اور مجھے کیا کرنا چاہیے۔ یہ کرۂ خاکی جسکو روزانہ میں اپنے پیروں سے پامال کرتا ہوں کہاں سے آیا۔ اسمیں کون کون سی خوبیاں قابل تمتع ہیں۔ اور کن کن امور سے دامن کشاں گزرنا ہے۔ کون کام میرے لیے مفید ہے اور کون سے امور غیر مفید۔ دوست

کسے کہتے ہیں اور دشمن کون لوگ ہیں۔ دوستوں سے بہبودگی کیا تدبیریں ہیں اور دشمنوں سے بچنے کی کیا صورتیں ہیں۔ زندگی معتادہ میں مجھے صرف کھانا پینا اور چل دینا ہے۔ یا مسافرانہ زندگی میں زادراہ کے لیئے کچھ کرنا دھرنا بھی ہے اگر دوروز کی روارَوی میں کچھ کرنا دھرنا ہے تو وہ کیا ہوسکتا ہے۔ سب سے بڑی بات کہ اِس عالم مسافرت کے طے کرنیکے بعد منزل مقصود میں آرام سے پیر پھیلاکر سو سکتا ہوں۔ یا اسی غبارآلودگی کے ساتھ بستر گھبراہٹ پر حیرانی و پریشانی سے ہم پہلو ہونا ہے۔ اِس ٹھکانے کی بات اور تمناؤں کو آغوش حصول میں لینے کے لیئے کسی کے ہاتھ بٹانے اور سہارے کی ضرورت بھی ہے یا نہیں وغیرہ وغیرہ

قدرت کے مسلمہ قوانین کے رو سے جو انعامات خداوندی کہ عطا کی گئی ہیں اُنسے کام لینا بھی ضروریات سے ہے۔ ورنہ اگر وہ یوں ہی گوشۂ خمول و تعطل میں پڑے رہیں تو رفتہ رفتہ کُند اور مسلوبیت کے خانۂ اندراج میں آجائینگی۔ اُسوقت انسان خسارے اور ٹوٹے میں پڑجائیگا۔ "ان الانسان لفی خسر۔ الا الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت"۔ مثلاً آنکھ ہی کو دیکھو۔ اگر اسکو آدمی برابر بند رکھے اور بھولے سے بھی کبھی کسی چیز کے دیکھنے کا قصد نہ کرے تو یہ لازمی نتیجہ ہوگا کہ مدت العمر نور بصر کے لیئے خون کے آنسو رونا ہوں گے۔ اگر کبھی اتفاقاً آنکھیں کھولکر دیکھیں اور دیدہ ریزی کا کام لینا چاہیں تو ہرگز نہیں لے سکتے۔ زندگی کے ہر ہر قدم پر ٹھوکریں کھائینگے۔ کسی کام کو درجۂ تکمیل پر پہنچانا درکنار بلکہ صد دشوار! علی ہذا القیاس دوسرے حواسوں کا بھی یہی حال ہے کہ اُن کا تعطل مسلوبیت کا پیش خیمہ ہے۔ غرضیکہ عطیات پروردگار کا شکر اور اُن کا اپنے مواقع میں استعمال کرنا لوازمات زندگی سے ہے۔

علاوہ اِن حواس اور قوٰی کے ایک فطرتی قوت محرکہ بھی بارگاہ واہب النعم سے عطا کی گئی ہے جو بالطبع اِن کے مواقع اور طرق استعمال بتاتی ہے۔ اور جہاں

جہاں جن قویٰ اور حواس کے استعمال کی ضرورت محسوس ہوتی ہو۔ وہاں وہاں انکی عنان توجہ استعمال کو موڑ دیتی ہو جیسے کسی خوش آواز کے لحن داؤدی میں مناسب دوری سے نہایت پیاری اور دلکش الاپ فضا میں گونجتی ہوئی کانوں کے پردہ سے ٹکرائے۔ فوراً اس فطرتی قوت محرکہ نے قوت سامعہ کو دیگر خیالات سے الگ کر کے شوق میں اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے ہمہ تن گوش بنا دیا۔

تھوڑی دیر بعد یہ خیال موجزن ہوا کہ اسکی صورت بھی دیکھنی چاہیئے جیسا یہ خوش آواز ہے ویسا ہی قبول صورت بھی ہے یا نہیں۔ پھر آنکھ متوجہ ہوئی کہ دیکھوں وہ کیسا شخص ہے۔ جب آنکھ اٹھی تو معلوم ہوا کہ اتنی دوری سے پتہ چلنا دشوار ہے۔ اب فطرت نے پیروں کو حرکت دی۔ جس نے زبان حال سے کہا کہ چلو میں تمہیں پہنچا آؤں۔ اور چلکے اپنی حسرت نکال لو۔ اب چلے تو پہنچکر دیکھا کہ ایک شخص نقاب ڈالے بیٹھے شعروں میں کچھ گا رہا ہے۔ مگر مجبوری کہ اتنی زحمت برداشت کرنے پر بھی پوری حقیقت نہ کھلی۔ اس فطرتی قوت نے ہاتھ کو متوجہ کیا ہاتھ نے نہایت شوق میں بڑھکر نقاب اٹھایا۔ صورت دیکھتے ہی اجنبیت حائل ہوئی۔ لیکن گفتگو تک پہنچنے کے فطرتی تقاضہ نے زبان کو جنبش دی۔ درمیان میں سلسلۂ کلام شروع ہوا۔ آپ کون ہیں۔ آپ کی کیا حالت ہے۔ یہ زمزمہ سرائی کیوں ہے۔ جواب میں اُسنے بھی اپنا پورا حال کہہ سنایا۔ بالآخر دونوں میں تعارف کے بعد وہ خلا ملا ہوگیا کہ باید و شاید۔

لیکن اسکے ساتھ ہی اسکی بھی ضرورت ہے کہ ان آلات جسمانی اور عقلی کے کام کا طریقہ اور استعمال کا سلیقہ بھی معلوم ہو۔ ورنہ بے ترکیبی اور غلط استعمال سے آلات ہی کو ازکار رفتہ اور برباد کر دے گا۔ مثلاً کسی باجہ کی آواز دور سے نہایت بھلی

اور بُری معلوم ہوئی اور اُسمیں آواز بھی پاٹ دار تھی۔ کسی منچلے نے جھٹ سے اُسکی نلکیاں کان میں لگالیں۔ اور بجانیوالے کو اشتیاقی لہجہ میں حکم دیا کہ خوب زور سے بجاؤ۔ اُسنے آنکھیں لال پیلی کر کے غصہ میں (مبالغہ میں شرمانیکے لیئے) اسقدر زور سے بجایا کہ کان کا پردہ پھٹ گیا۔ اب کیا خاک سُنیں گے۔ اور کاموں سے بھی گئے اسیوجہ سے طریقہ استعمال اور موقع شناسی ضروری ہے۔ جو ماہر اور استاد کہلاتا ہے اگر اُنکے روبرو سر تسلیم خم نہ کیا جائے تو اُسپر کیا منحصر ہے۔ روزانہ نت نئی سیکڑوں عذابِ جان غلطیوں میں مبتلا ہونا مقدرات سے ہے۔

اسی لیئے خداوند تعالیٰ نے ہر کام کے لیئے الگ رہنما بنا دیا ہے تاکہ ترکیب استعمال آلات سے پوری واقفیت ہو جائے۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اِن تراکیب کے علاوہ استعمال کرنے سے کیا خرابیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اور اُنکی حدودِ ترقی کیا ہیں دور کیوں جایئے۔ اُس بھولے بھالے ننھے بچے کو ملاحظہ کیجیے جسنے ابھی ابھی نفسانی کائنات میں سانس لیکر دنیا کی مردم شماری میں ایک تازہ اضافہ کیا ہے۔ دنیا میں آتے ہی ایک رہبر ملا۔ جسنے نہایت شفقت سے اپنے کنارِ الفت میں جگہ دی جسکا عرفی نام "ماں" ہے۔ سب سے پہلے غذائیت کی جگہ بتائی۔ ازاں بعد موقع موقع سے نہایت دُلار و پیار سے بھلے بُرے کے دیکھنے کی ترکیبیں تعلیم کیں۔ جو جو چیزیں کار آمد تھیں۔ اُنہیں دیکھنے کی اجازت دی۔ اور جو چیزیں کہ اپنا بُرا اثر رکھتی ہیں اُن سے مونہہ موڑنے اور نگاہ پھیرنے کو کہا۔ مثلاً دھوپ دیکھنی آگ کی طرف نظر جمانا وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح چلنا پھرنا۔ کھانا پینا سب کچھ سکھایا۔ سانپ سے بچنے۔ شیر سے بھاگنے آگ سے الگ رہنے کو تبلایا۔ جب ذرا شعور نے ساتھ دیا تو قدرتی دوست دشمن کی تمیز کرائی۔ بھائی سے ملایا۔ خویش و اقارب سے تعارف کرایا۔ اور ایک دوسرے ہادی یا رہبر مہربان اب سے ملایا اور اُسکے حوالہ کیا۔ اب دوسرے رہبر نے صاف ستھرا

بولنا چالنا۔ تہذیب و شائستگی اور جوارح کا صحیح استعمال خصوصاً عقلی قوے کو متحرک بنایا۔ انہوں نے تیسرے ہادی اور رہنما کے روبرو زانوے ادب تہ کرایا جن کا دربیانہ نام "استاد" ہے۔ جسے درسیات کی ورق گردانی کے علاوہ فیض صحبت سے بہت بڑے بڑے اہم خیالات کا انکشاف ہوتا رہا۔ اور ایک حد تک بہت بڑے سربستہ رازوں سے واقفیت کا سہرا چڑھا۔ جسکے ذریعہ سے پیچیدہ و تنگ و تاریک امور میں غور و تامل کرتا ہے۔ بڑے بڑے خیالات دلمیں لاتا ہے۔ اس اندوختہ و آموختہ کی بدولت ہزاروں کام کرتا ہے۔ دنیا میں نہایت ہی عقلمند اور روشن خیال۔ عالی دماغ کہلاتا ہے۔ اڑے وقتوں میں دوستوں ملنے والوں کو معقول اور نیک مشورہ دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اسکے راہ بتائے ہوئے بڑے بڑے مناصب جلیلہ و درجات عالیہ پر فائز المرام ہوگئے۔ اور اب اعلیٰ طبقہ کے لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں*

ہادی ثالث نے دوران تعلیم و تربیت دماغی میں اسکے قلب سلیم میں ایک ایسی چیز ڈالدی جو نہایت راسخ و مستحکم ہوگئی۔ اور کسی زبردست سے زبردست قوت سے بھی اب اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتی۔ اسکا پیارا نام "مذہب" ہے۔ قوی عقلی اور فطرت سلیمہ دونوں نے دست و بازو ٹکرا کر اپنا پورا زور کیا۔ اس امر کے درپے ہوئے کہ مذہب کیا چیز ہے۔ اور اسکی کیا ضرورت ہے*

اس ہادی ثالث کا نام مرشد۔ پیر۔ یا شیخ ہے جو اعلی اسلام کا بتانیوالا حق و باطل میں صریح تمیز کرانیوالا۔ خیالات رکیکہ کا درست کرنے والا۔ عقل سلیم اور نفس امارہ کا جھگڑا فیصل کرنے والا۔ قوی و آلات محبت کا صحیح استعمال بتانے والا انکو خرابی اور فساد سے بچانے والا۔ اور قعر ناپیداکنار رہبانیت سے دستگیر ہونیوالا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح محبت پیدا کرانے والا۔ انکی زیارت سے دل آنکھوں میں نور ایمان بڑھانے والا۔ بلکہ تجلیات ربانی کا مرکز بنانے والا۔ معراج ترقی تقرب

سے اعلیٰ زینہ پر پہنچانے والا۔ ہادی و رہبر و رہنما ہوتا ہے"۔ اس لیے ایسی ذات بابرکات کی تلاش و تفحص لابد و ضرور ہے۔ اور اُنکی اطاعت و فرمانبرداری پر کمر ہمت چست باندھنی لازم ہے۔ ورنہ قوی محبت بیکار اور لاعلمی کے باعث خستہ و خراب ہوجائینگے

زمانے کے نشیب و فراز سے واقف۔ واقعات عالم کے سرد و گرم سے باخبر عاشقوں کے سرتاج۔ علما کے امام۔ حضرت مولانا روم فرماتے ہیں ؎

پیر را بگزین کہ بے پیر این سفر — ہست پُر از شور و از خوف و خطر
ہیچ حلوائی نشد اُستاد کار — تا غلام نیج شیریں گر نشد

اپنے دیار اور صوبہ بہار کے مایۂ فخر و ناز۔ افضل العلماء، اکمل الکملاء مولانا و مخدومنا حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب پنجم سے تھوڑی سی عبارت جو شیخ کی تعریف میں ہے نقل کرکے مضمون ختم کیا جاتا ہے

اصل عبارت	ترجمہ
قال اللہ تعالیٰ کونوا مع الصادقین امر	فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ تم ہو ساتھ سچوں کے حکم ہے
در بودن با صادقان۔ و آن پیغامبرانند	صادقین کے ساتھ ہونے میں اور وہ انبیا ہیں صلوات
صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ و بعد ایشان خلفا	اللہ علیہم اجمعین اور بعد انبیاء کے انکے جانشین ہیں
پیغامبرانند و آن مشائخ اند۔ العلماء ورثة	اور وہ مشائخ ہیں۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں
الانبیاء منشور خلافت ایشان است علماء	انکی جانشینی کا حکمنامہ ہے۔ میری امت کے علماء
امتی کانبیاء بنی اسرائیل طغراے ایشان	بنی اسرائیل کے انبیاء جیسے ہیں ان کا تمغہ آویزاں
است و قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الشیخ	ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخ اپنی
فی قومہ کالنبی فی امتہ۔ شیخ در میان قوم	قوم میں ایسا ہے جیسا نبی اپنی امت میں۔ شیخ اپنی
خویش راہنما ست در دین حق چنان است کہ	قوم کے درمیان دین حق میں راہنما ایسا ہے کہ پیغمبر
پیغامبر در میان امت خویش۔ و امت را در	درمیان اپنی امت کے اور امت کو دین حق کے

راہ دین حق را پیغامبر چارہ نیست همچنین
قوم را بے شیخ کہ خلیفہ پیغامبر ست چارہ
نیست ازین جا است کہ در کلمات مشائخ لا دین لمن
لا شیخ لہ۔ دیگر حضرت رسالت فرمودہ است
اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر و گفت
اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم
اگرچہ در ہدایت ہدایت نہ بہ پیغامبر حاجت
بود نہ بشیخ۔ آن تخمے ست کہ در زمین دل جز
بہ ست کاری نظر عنایت اللہ نیفتد و لکن اللہ
یهدی من یشاء۔ لیکن ہر کجا آن تخم پدید آید
در پرورش آن نیابت و خلافت حق بہ پیغامبر
یا بہ شیخے کہ نائب پیغامبر ست حاجت بود انك
لتهدی الی صراط مستقیم۔ دیگر فرمود
و ممن خلقنا امة یهدون بالحق ٭

راستہ دین کا پیغمبر کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے یہ بیان
قوم کو بغیر شیخ کے جو پیغمبر کا خلیفہ ہو چارہ نہیں
اسی وجہ سے مشائخ کے کلمات میں ہے کہ جس کا
پیر نہیں اسکا دین نہیں۔ دوسری حدیث میں حضرت
رسالت آب صلعم نے فرمایا ہے پیروی کرو تم
ان لوگوں کی جو میرے بعد ہیں ابوبکرؓ عمرؓ اور فرمایا
میرے اصحاب مثل تاروں کی ہیں جن کی تم پیروی کروگے
ہدایت پاؤگے پیغمبر کی حاجت ہو اور نہ پیر کی وہ ایک
بیج ہے کہ زمین دل میں سوائے نظر عنایت خداوندی کے نہ پڑے
لیکن اللہ ہدایت کرتا ہے جسے چاہے۔ لیکن جب بیج پھوٹ
نکلا تو پرورش کے رکھنے کھاد میں بسبب خدا کے نائب ہونے
اور خلیفہ ہونے کے پیغمبر اور پیر کی ضرورت پڑی بیشک تو
ضرور چلاتا ہے سیدھے راستہ پر دوسری جگہ فرمایا بعض
مخلوقات سے میرے ایسے لوگ ہیں جو حق کی طرف چلاتے ہیں ٭

محمد حبیب الحق قادری عمادی

یادِ رفتگاں :۔ شہر لاہور کے تمام برگزیدہ اولیاء اللہ بزرگوں کے تذکرے منشی محمد الدین صاحب فوق نے جمع کیے ہیں رفتگان عالم اسرار کی یاد میں یہ ایک بہترین علمی نشان ہے۔ علم دوست اور واقفیت طلب ناظرین نظام المشائخ پروفیسر محمد الدین صاحب اڈیٹر رسالہ صوفی پنڈی بہاء الدین ضلع گجرات پنجاب سے بارہ آنہ (۱۲) میں منگا کر دیکھیں ٭

طریق سُہروردی کی تحقیق

ذیل میں دو عالمانہ خط نقل کیے جاتے ہیں جو جناب مولانا میر ناصر علی صاحب چشتی نظامی افسر اعلیٰ محکمۂ آبکاری ریاست حیدرآباد دکن نے عرصہ ہوا ارسال فرمائے تھے۔ میر صاحب موصوف نئے زمانہ کے تاثرات کے سبب فقرا اور حضرات صوفیائے کرام سے بالکل بدعقیدہ تھے۔ مگر آپ کی والدہ محترمہ نے بوقت رحلت ایسی نیک دعا دی کہ فوراً حضرت مخدوم سید قبول شاہ بادشاہ صاحب چشتی نظامی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بیعت حاصل کی۔ حلقہ ارادت میں داخل ہوتے ہی آپ کی حالت میں ایک مفید انقلاب پیدا ہوگیا۔ چنانچہ ماشاءاللہ۔ جیسی واقفیت آپ کو حضرات مشائخ کے حالات سے ہے۔ غالباً بہت کم لوگوں کو ہوگی ؞

پہلے خط میں سہروردیہ خاندان کی تحقیق ہے۔ اور دوسرے میں حضرت سید جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ کے مفصل کوائف دریافت کیے ہیں اور اُنکے مقام دفن کی صحت کرنی چاہی ہے۔ ناظرین نظام المشائخ اپنی اپنی معلومات کے موافق اس کارآمد تحقیقات میں ضرور حصہ لیں ؞

خط نمبر ۱ بخدمت گرامی جناب مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب دبیر الحلقہ نظام المشائخ۔ تسلیم۔ آپکے نظام المشائخ نمبر رجب المرجب کے ابتدائی مضمون "گلیم درویشی" کو میں نے نہایت دلچسپی سے پڑھا۔ اُسکے ہر ایک لفظ و معنی سے مجھے پورا اتفاق ہے۔ فی الحقیقت مشائخ طریقت حال کی باہمی نااتفاقیوں کا جو آپنے ذکر فرمایا ہے اور اُسکے دور کرنے اور اتحاد دلی قائم کرنے کی جو کوشش فرمائی ہے۔ ہمیں آپ کو

پوری کامیابی و فتح نصیب ہوگی۔ ایک زمانہ سے مجھ ناچیز کو مشائخ طریقت سے ملنے کا شوق ہے۔ جہاں تک میں نے دیکھا ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں طریقت کے بزرگوں نے اس زمانہ میں بالکل اتفاق و اتحاد کو اور اپنے مقابل کی دوسری شاخ یا سلسلہ کے ادب و تعظیم کو بالکل دل سے مٹا دیا ہے۔ آپ نے لکھا ہو کہ آجکل سہروردی طریقہ کی عام اشاعت نہیں ہے۔ لیکن ناچیز نے جن باتوں کو دیکھا ہے وہ عرض کیا جاتا ہے۔ بعض سہروردیہ نے اپنے آپ کو قادریہ مشہور کر رکھا ہے۔ نہ صرف مشہور بلکہ شجرہ جو دیا جاتا ہے اس میں حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے اسم گرامی کے بعد حضرت غوث الاعظم محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کا نام پاک درج کیا ہے کتب میں لکھا ہے کہ آپ حضرت غوث الاعظم کے زمانہ میں صغر سن تھے معقولات کی جانب توجہ زیادہ تھی چچا شیخ ابو نجیب انہیں حضرت کے پاس لے گئے اور عرض کیا کہ یہ دینی علوم کیجانب توجہ نہیں کرتا۔ اپنے تصرف سے اس علم کے نقوش کو دل سے مٹا دیا اور کہا انت آخر المشہورین فی العراق۔ اور بس اسی پر انکو فیض یافتہ غوث کہا جاتا ہے اور قادریہ سلسلہ میں ضمنا بتلایا جاتا ہے چونکہ عام طور پر قادریہ سلسلہ کی بڑی عزت و توقیر ہوتی تھی۔ اور اکثر لوگ خصوص ارباب دولت و عظمت رؤسا و امراء اس امر کے طالب رہتے ہیں کہ قادریہ طریقہ میں بیعت نصیب ہو۔ اور نیز اسکے بعد چشتیہ طریق میں بیعت ہو تو دوسرے طرق کے بزرگوں نے اپنے خاص طریقہ کو قادریہ مشہور کر رکھا ہے۔ اور شجرہ بھی اسی عنوان کا عطا کیا جاتا ہے۔ نقشبندیہ مجددیہ طریقہ میں ایک شاخ قادریہ کی آئی ہے اسی کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ فکر ذکر و شغل مجددی طریق کے بتلائے جاتے ہیں۔ سب سے زیادہ لطف کی بات یہ ہے کہ کبریہ طریق کی دو شاخیں مشہور ہیں۔ ایک فردوسیہ و منیریہ دوسری نوربخشیہ یعنی حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد شیخ

رضی الدین علی لالا اور اُنکے بعد شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ انکے سید علی ہمدانی کشمیری المدفن رحمۃ اللہ علیہ اُنکے بعد سید محمد نوربخش رحمۃ اللہ علیہ اُنکے بعد حضرت محمد علی بن یحییٰ لاہجی نوربخشی جنھوں نے مثنوی گلشن راز کی مشہور شرح کی ہے۔ چونکہ بزمانہ سابق ہندوستان کشمیر کابل وخراسان کے بزرگ بزیارت حرمین شریفین کے لئے قصد فرماتے تو احمدآباد گجرات ہوتے ہوئے شہر سورت کی بندرگاہ سے جہاز پر سوار ہوتے تھے۔ اثناء راہ میں یا بعد واپسی کے بوجہ دلچسپی یا کسی اور وجہ سے اکثر بزرگوں نے سورت بڑوچ اور احمدآباد گجرات میں سکونت اختیار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ احمدآباد گجرات میں متعدد اولیاء اللہ کے مزارات ومقبرہ موجود ہیں۔ شیخ محمد بن یحییٰ لاہجی نوربخشی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے اولیاء کاملین میں سے تھے۔ اور شرح گلشن راز انکی عظمت علم وکمال ظاہری وباطنی کی بین دلیل ہے اور خود بھی بہت اعلیٰ درجہ کے صوفیانہ شاعر تھے۔ افسوس ہے کہ انکا دیوان اس زمانہ میں نہایت کمیاب ہے۔ تخلص اسیری فرمایا کرتے تھے شاعری سلسلہ میں آپ اسیری لاہجی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ ان بزرگوار نے مولانا حسن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے جو شیخ یحییٰ مدنی قطب المدینہ کے دادا تھے۔ احمدآباد میں ملاقات کی۔ انکی صغر سنی کا زمانہ تھا مگر چونکہ ہر طرح آراستہ وپیراستہ تھے انکو بعد واپسی از حج اپنا طریق عطا کیا۔ اُس خاندان میں یہ سلسلہ قادریہ کے نام سے مشہور ہے اور شجرہ میں شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت محبوب سبحانی غوث الصمدانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام درج آتے ہیں حالانکہ انکو شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ نساج رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق تھا اور بیان یہ کیا جاتا ہے کہ حضرت محبوب سبحانی قدس سرہ سے آپنے فیض حاصل کیا ہے۔ سوانح عمری حضرت غوث اعظم قدس سرہ میں جو مصر کے کسی ذی علم بزرگ

کتب قدیم عربی سے مرتب کی ہے یہ بصراحت درج کی کہ شیخ عبد القادر سہروردی جنسے کہ سلسلہ سہروردیہ مشہور ہوا۔ اور جو کہ سہروردیہ کے امام الطریقہ ہیں حضرت غوث اعظم قدس سرہٗ کی محفلوں میں شریک ہوئے وعظ سنا اور فیض صحبت حاصل کیا۔ آپ کو سہر سہروردی کے شیخ صحبت کہا جاتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ بزرگوں نے کسی سلسلہ میں ارادتاً بیعت کی اور بعد تکمیل کار سیاحی کی اور متعدد بزرگوں کی صحبت سے فیض حاصل کیا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سلسلہ بیعت میں کوئی نقص پیدا کیا جائے۔ حضرت محبوب پاک قدس سرہٗ نے شیخ ابو سعید مبارک المخزومی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ شجرہ میں اُسی بزرگ کے نام کو درج کرنا پسند فرمایا حالانکہ آپ کو شیخ حماد دباسی اور دیگر اکثر بزرگوں کی صحبت میسر آئی اور فیض صحبت حاصل کیا ہے۔ جس بات کو خود غوث اعظم قدس سرہٗ پسند نہ فرمائیں اُسکو حال کے بزرگوں نے محض اس غرض سے رواج دیا ہے کہ قادریہ طریق نہ کہا جائے تو عزت وحرمت میں فرق آتا ہے۔ جسطرح حضرت سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے فیض صحبت حاصل کیا ہے اُسی طرح حضرت شیخ ابو یوسف ہمدانی امام الطریقہ خاندان نقشبندیہ نے بھی حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی بمراتب متعددہ تصدیق کی اور فیض صحبت حاصل کیا ہے مگر اُس خاندان کے شجرہ میں اس بیعت ہی کا نام درج ہے اُسیکا اعتبار کیا گیا ہے۔ درست سلسلہ درج ہونیسے فیض صحبت کا انکار نہیں ہوتا۔ بلکہ کتب قدیمہ ان واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ آج کوئی اُنہیں پوشیدہ نہیں کر سکتا۔ اور نہ اس سے عظمت و شان غوث اعظم رضی اللہ عنہ میں کوئی فرق آتا ہے۔ حضرت نے قدمی ھذہ علی رقبۃ کل اولیاء اللہ فرمایا تو اسکے زمانہ کے تمام بزرگوں نے سر اطاعت خم کیا۔ اور تعظیم و تکریم وافر سے پیش آئے میں داخل فرمایا صابری تحریر فرما کے آپنے اس امر کی کوشش فرمائی ہے کہ مجالس و

مخالف و اغراض صابریہ میں جو امور بکرود رواج پائے تھے وہ دور کیے جائیں۔ اسی طرح شجروں اور سلسلوں کی غلطیوں پر بھی آپ نظر ڈالیں اور انکی اصلاح کی کوشش فرمائیں تو نہایت مناسب ہوگا۔ اول تو مشائخ طریقہ اور صاحبان سجادہ اکثر مقامات کے جاہل دبے علم ہیں اور جب یہی صورت رہی تو آیندہ کیا امید ہے کہ غلطیوں کی اصلاح ہو سکے۔ دیکھئے ہندوستان میں شطاریہ سلسلہ بھی جاری ہے۔ ہندوستان میں شیخ قاذن رحمۃ اللہ علیہ نے اسکو رواج دیا۔ اور شیخ محمد غوث گوالیری رحمۃ اللہ علیہ سے اسکی شہرت ہوئی۔ انکے دو بڑے خلفا ہندوستان میں آسودہ ہیں حضرت استاد عالم سید وجیہ الدین گجراتی رحمۃ اللہ علیہ جو رسالہ حقیقت محمدی عربی کے مصنف ہیں اور حضرت قادر اولیا رحمہ ناکور ناگپٹن واقع جنوبی حصہ قلمرو مدراس میں آسودہ ہیں۔ اس زمانہ میں یا تو نام شطاریہ مفقود ہو گیا یا کہ اسکو طریق قادریہ کی ایک شاخ مشہور کر رکھا ہے۔ آپ کو اگر یہ معلوم ہے کہ محمد غوث گوالیری رحمۃ اللہ علیہ و سید وجیہ الدین گجراتی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ اوپر جاکر بذریعہ بیعت ارادت حضرت غوث اعظم سے ملتا ہے تو اطلاع دیجیے والسلام۔ اللہ تعالی جزائے خیر دے۔ آمین۔

خادم حلقہ میر ناصر علی

"حضرت سید جلال الدین تبریزی کہاں دفن ہیں"

جناب خواجہ صاحب

آپ کے پرچہ نظام المشائخ ماہ رجب میں بعنوان "موجودہ صوفیوں کی علمی کوششیں" جو مضمون درج ہے اس سے نہایت دلکو مسرت ہوئی۔

ایک بزرگ کے حالات ایسے ہیں کہ انکی نسبت تحقیقات کیجائے تو مناسب ہے امید ہے کہ دہلی میں باوجود تباہی کے پھر بھی علمی ذخیرہ ایسا ہے کہ اس سے مدد

مل سکتی ہے۔ اگر دکن میں کوئی ذخیرہ ہوتا کہ جس سے یہ امور دریافت کیے جاتے تو میں باوجود مشاغل سرکاری خدمت گزاری حلقہ کے لیئے تیار تھا۔ ملا عبد القیوم مرحوم ایک بڑے ذی علم اور تاریخ دوست شخص تھے۔ انکا کتب خانہ گزشتہ سال کی طغیانی میں تمام دکمال تباہ و تاراج ہوگیا۔ خواجہ گیسو دراز رح کے آستانہ ایک قدیم کتب خانہ موجود ہے۔ مگر سجادہ درگاہ کوئی کتاب نہیں دکھلاتے۔ خواجہ صاحب موصوف کے رقعات صوفیانہ کا ایک ذخیرہ سجادہ صاحب کے پاس موجود ہے۔ قابل قدر رقعات ہیں مگر وہ نہیں دیتے۔ بہرحال جن بزرگوار کے حالات اچھی طور پر معلوم نہیں ہوتے ہیں۔ اُن کا نام سید جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ ہے کتب سیر چشتیہ و ملفوظات چشتیہ میں انکے حالات بکثرت درج ہیں حضرت شیخ ابو سعید تبریزی کے مرید و خلیفہ تھے۔ اب معلوم نہیں کہ یہ شیخ ابو سعید ابو الخیر سرخسی معنوی ہیں یا اور کوئی۔ بہرحال بعد انتقال اپنے شیخ کے شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہکر سات برس تک خدمت کی۔ سفر و حضر کا ساتھ دیا۔ اور نیز خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہٗ۔ اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رح کے ہمراہ عراق کا سفر کیا ہے۔ یہ جب دہلی تشریف لاتے تو التمش نے بڑے کروفر سے اُن کا استقبال کیا۔ جس سے نجم الدین صغریٰ رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام دہلی کو رنج پہنچا۔ اُنھوں نے افترا کیا مقدمہ کے دریافت کے لیئے زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ طلب ہوئے۔ علی الراس الشہود مقدمہ جھوٹا ثابت ہوا۔ زکریا ملتانی رح نے انکی از حد تعظیم کی نجم الدین صغریٰ رح شیخ الاسلامی سے معزول ہوئے۔ سید جلال الدین تبریزیؒ نے عرصہ تک بدایوں میں قیام فرمایا۔ وہاں ایک اہیر پر نظر پڑی۔ وہ مسلمان ہوا۔ بیعت کی۔ صاحب ولایت ہوئے۔ نام انکا علی مولا رکھا گیا۔ سراج المجالس میں ان کا ذکر ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رح کے

سرپرست افضیلت انہیں علی مولائے ہاتھ سے تبرکاً و تیمناً بندھوائی گئی۔ سید بزرگ ہانسی بھی تشریف لے گئے تھے۔ جہاں حضرت بابا فرید رح وہاں مقیم تھے۔ بابا صاحب نے بھی آپ سے فیض حاصل کیا ہے۔ بالآخر یہ بزرگ پورب کی طرف تشریف لیگئے اور لکھا ہے کہ پورب ہی میں انتقال فرمایا۔ لاکن پورب میں آپکا مزار نہیں ہے۔ پورب میں آپکے چلہ اور خانقاہیں متعدد مشہور ہیں۔ اور ہزاروں رقبہ کی جاگیرات وقف ہیں متولی اوقاف حضرت سید رح ایک ذی علم شخص ہیں انہوں نے ازہار المصطفے ایک کتاب لکھی ہے۔ جسمیں حضرت سید کا ذکر ہے اور لکھا ہے کہ پورب اور بنگال میں ایک زمانہ تک آپنے قیام فرمایا اور اس ملک کو اپنے نور ولایت سے منور کیا۔ انکی کرامات وعظمت کے کارنامے مشہور ہیں لاکن سوائے چلہ شریف یا خانقاہوں کے وہاں مزار شریف نہیں۔ متولی اوقاف سے میں نے مراسلت کی تھی معلوم ہوا کہ سید نے اس ملک سے روانہ ہوکر دیوبن میں انتقال فرمایا۔ اور وہیں انکا مدفن ہے۔ صاحب کتاب نے متولی موصوف کو اسکا علم نہیں کہ دیوبن کہاں ہے۔ صرف یہ لکھدیا ہے کہ حوالی گجرات میں ہے مگر پتہ نشان اسکا نہیں ملتا۔ دریافت نہیں ہو سکتا کہ دیوبن کس مقام کا نام ہے میں نے اورنگ آباد کا سفر کیا تھا۔ قدیم دیوگر اور موجنکا روضہ شریف و دولت آباد میں ایک نہایت عالیشان گنبد اور مقبرہ آبادی سے چھ میل کے فاصلہ پر بالکل جنگل میں بنا ہوا ہے۔ آثار کرامت وعظمت کے متعدد تذکرے مشہور ہیں اور روضہ شریف کے تمام باشندے اس گنبد کو سید جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار بتلاتے ہیں۔ دریافت کرنے پر کہتے ہیں کہ سید خاندان کی جو نقش بندیہ کے کوئی بزرگ ہیں ایک شارع اولیا ہے۔ مگر سید یہ خاندان کے بزرگوں میں کسی سید جلال کا ذکر نہیں ہے اور نیز جب کہ قدیم کتب میں روضہ

شریف دولت آباد حالیہ کو دیوگر لکھا گیا ہے تو کیا دیوبن سے یہی مقام مراد تو نہیں؟ جو اگر گجرات لکھا ہے تو اسکی بھی تحقیق ہوسکتی ہے؟

سابق میں جب کہ احمد آباد کی ریاست اور شاہان بحری کی ریاست اور علی عادل شاہوں کی ریاست تھی اُس زمانہ میں انکی حکومت کی حدود بہت دور تک پہنچی تھی۔ کیا یہ تعبیر درست ہوسکتی ہے کہ دولت آباد کے قریب حدود گجرات تھا؟ یا کوئی مقام دیوبن نامی گجرات میں اسوقت درآصل موجود ہے؟ جہاں حضرت کفرستان تھا جہاں نور اسلام کے پھیلانے کو سید تشریف لے گئے تھے۔ یہ بزرگ حضرت قطب صاحب کے ہمعصر تھے۔ اور آپس میں بڑا میل جول تھا ایسے بزرگ کا مدفن نامعلوم رہنا حیف ہے حالانکہ کتب چشتیہ میں انکے حالات بکثرت درج ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بزرگان خاندان چشتیہ سے بڑی محبت اور اُنسیت تھی اور زمانہ بھی سلطان التمش کا تھا۔ عجب نہیں کہ سید جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ جو دیوگر قدیم یعنی روضہ شریف حالیہ میں مدفون ہیں وہی سید بزرگ ہیں جن کی کرامات کے کتب چشتیہ میں متعدد تذکرے ہیں۔ چنانچہ روضہ شریف ایک قصبہ متعلق شہر دولت آباد ہے اس تمام نواح کا نام دیوگر تھا۔ یہاں کے ایلورا کیوس مشہور ہیں بتوں کی تصویریں پتھر میں تراشی ہوئی موجود ہیں جنکو عجائبات ہندوستان میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور ولایت سے جو سیاح آتا ہے وہ ایلورا کے بُت خانہ کا ضرور مشاہدہ کرتا ہے۔ اسی خصوصیت سے اس مقام کا نام دیوگر تھا۔ روضہ میں مولانا برہان الدین رحمۃ غریب خلیفہ حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ آسودہ ہیں۔ نیز اُنکے بھائی قاضی منتخب الدین رحمۃ اللہ بھی آسودہ ہیں بہت بڑے مقبرے۔ خانقاہیں مساجد سماع خانے بنے ہیں۔ اور سرکار نظام سے جاگیریں چھوٹی ہوئی ہیں۔ ان کے خلیفہ شیخ

زین الدین حسین رحمۃ اللہ علیہ بھی وہیں مدفون ہیں۔ انہیں کے پائیں میں بادشاہ عالمگیر نور اللہ مرقدہٗ کی قبر بھی بنی ہوئی ہے۔ یہاں سے جانب غرب دو میل کے فاصلے سے جنگل خواجہ حسن علاء سنجری آسودہ ہیں۔ اسی مقام سے ۶ میل پر جنگل لق ودق میں سید جلال الدین میری رحمۃ اللہ علیہ کا گنبد عالی شان بنا ہوا ہے۔ جس کو وہاں کے لوگ بلا ثبوت شہادت سے منسوب ہونا بیان کرتے ہیں۔ والسلام

میر الفسر علی۔ دکن

الحق۔ اس نام کا ایک ہفتہ وار اخبار دہلی سے ابھی حال میں نکلنا شروع ہوا ہے۔ میر قاسم علی صاحب مشہور و معروف مناظر اسکے اڈیٹر ہیں۔ جس طرح میر صاحب فن مناظرہ میں خاص قابلیت رکھتے ہیں انکا اخبار بھی آریہ سماج کے مقابلہ میں ایک قابل قدر اور کارآمد چیز ہے۔ مضامین عموماً آریہ سماج کی تردید میں نہایت سنجیدگی اور فاضلانہ روش سے لکھے جاتے ہیں۔ درویشوں کو اگر سماجی فتنہ سے آگاہی اور جواب ہی کی ضرورت ہو تو اس سے بڑھکر اور کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ الحق خریدیں قیمت سالانہ عہ ششماہی عہ۔

زبان۔ یہ دہلی کا شہرۂ آفاق ماہوار رسالہ پہلے سائل دہلوی کی اڈیٹری میں نکلتا تھا اب منشی فہمید حسین صاحب نازک رقم اکبرآبادی اسکے اڈیٹر ہیں۔ پہلے کی نسبت دن بدن ترقی کر رہا ہے۔ مضامین نہایت ضروری اور کارآمد باتوں پر لکھے جاتے ہیں۔ لکھائی چھپائی اعلیٰ درجہ کی۔ اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وقت پر نکلتا ہے۔ آگرہ اور دہلی کا تعلق غالب مرحوم کے بعد اب پھر اس رسالہ نے قائم کیا ہے۔ قیمت سالانہ عہ

زمانہ۔ اردو کی ہمہ گیری زمانہ کے اوراق میں نئے نئے انداز سے ظاہر ہوتی ہے۔ یہ کانپور کا ماہوار پرچہ ہے جو آجکل بہت کوشش سے زبان اردو میں کام کے مضامین شامل کر رہا ہے۔ وقت کے میلان اور دلچسپی کے موافق متعدد تصاویر ہر ماہ میں پرچے کے ساتھ تقسیم ہوتی ہیں۔ قیمت عہ

حضرت مُلّاشاہ بدخشانی

ہم اپنے کرم دوست جناب پنڈت جواہر ناتھ صاحب ساقی دہلوی کے نہایت شکر گزار ہیں جنہوں نے اپنی وسیع معلومات سے ناظرین نظام المشائخ کو یہ مضمون لکھکر فائدہ پہنچایا۔ پنڈت صاحب دور قدیم کے ان ہندو یادگاروں میں ہیں جنکو سنسکرت اور انگریزی کے علاوہ فارسی اور عربی علوم میں بھی مہارت ہے۔ پنڈت صاحب کی عمر کا بڑا حصہ مسلمان درویشوں کی صحبت میں گزرا ہے۔ اور انکو اسلامی تصوف کی نسبت بہت کچھ معلوم ہے۔ ناظرین اب اُن کی مسلسل تحریروں کو ان اوراق میں ہمیشہ دیکھا کرینگے کیونکہ انہوں نے مضامین نگاری کا مستقل وعدہ کرلیا ہے۔

نام شاہ محمد۔ لقب لسان اللہ۔ معروف بملّاشاہ۔ قادری طریقہ۔ حق و شاہ تخلص +

نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ کے عہد میں بعالم طفولیت وارد کشمیر جنت نظیر ہوئے تین سال وہاں قیام رہا۔ وہاں سے آگرے پہنچے۔ یہاں کسی صاحب باطن کی صحبت میں حال حضرت میانمیر سیستانی قادری لاہوری سُنا جن کے خوارق عادات وکرامات نے انکو مشہور زمانہ کر رکھا تھا۔ آخرکار لاہور تشریف لیگئے۔ انکی خدمت میں تمام علوم ظاہری حاصل کیے۔ جذبۂ باطن نے دوسری طرف متوجہ کیا حضرت کی خدمت میں عرض کیا۔ لیکن سوائے بے التفاتی کے کچھ نہ دیکھا آخر نوبت مایوسی تک پہنچی یکایک میاں صاحب کی نظر شفقت والتفات ہوئی۔ فرمایا کہ اے بدخشانی! اگرچہ تابش امتحان میں پگل گئے ہو۔ لیکن اپنے سنگ سیاہ کو لعل بے بہا بنا لیا۔ اب وہ وقت آیا ہے کہ تراش تربیت سے آراستہ ہو کر افسر شاہانہ کے قابل ہو۔ جاؤ دریائے راوی میں غسل کرو اور اپنا لباس بھی دھو لاؤ۔ آلایش دنیوی سے پاک صاف ہو کر ہماری صحبت

میں آؤ۔ آپ سراپا اشتیاق ہوکر دریا کے کنارے پر پہنچے۔ وہاں کیا دیکھا کہ ایک پیرمرد دریا میں کھڑا ہوا کہتا ہے کہ لائیے میں آپ کا لباس دھودوں۔ آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ آپ بالکل اُدہر متوجہ نہوئے اور نہا دھو کر حاضر خدمت ہوئے جب دور سے میاں صاحب کی نظر آپ پر پڑی تو فرمایا کہ اے شاہ حضرت حضرت خضر آپ کا لباس دہونے کیواسطے طلب کرتے تھے کیوں نہ دیا۔ اُس روز سے میاںصاحب متوجہ تربیت و تلقین ہوئے۔ ریاضت شاقہ۔ اور اشغال ضرورت خلوات کا حکم ہوا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کامل السلوک اور کمال باطنی حاصل کرکے یکتائے زمانہ ہوگئے۔ آپ بھی اپنے مرشد کیطرح شب زندہ دار اور مجرد تارک النسا تھے۔ آپ کا قول تھا کہ احتلام بحالت خواب اور غسل جنابت بحالت قربت زن ہوتا ہے۔ من زنے دارم نہ خواب۔ الحمد للہ کہ ازیں ہر دو آزادم۔ ہمیشہ اندھیرے میں ساری رات گزارتے تھے۔ چراغ روشن نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ شہزادہ ۱
داراشکوہ جو آپکے ارادتمندوں میں سے تھے برائے قدمبوسی حاضر ہوئے۔ آپنے ایک ہمسایہ کے گھر سے چراغ منگواکر فرمایا کہ داراشکوہ! آج تیرے آنے کی وجہ سے چراغ روشن کرنا پڑا۔ صنم آج پورے تیس سال ہوگئے کہ ہمکو چراغ کی حاجت نہوئی آپ اکثر کشمیر میں رہا کرتے تھے۔ وہاں کے قیام کے زمانہ میں جو کوئی مسافر کشمیر میاںصاحب کی زیارت کو آتا تھا تو آپ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا خدائے کشمیر خوش ہے۔ آپنے وہاں دامن کوہ ماراں میں ایک باغ دلکشا۔ مسجد باصفا خانقاہ پرفضا بنوائی تھی جو اب تک یادگار ہیں۔ اس عمارت کی شان میں خود یہ ۱۰
شعر موزوں فرمایا تھا ؎

کوہ ماراں بہ کمر لعل بدخشاں دارد　　　اینچنیں بخت کجا تخت سلیماں دارد

عہد شہاب الدین شاہجہاں بادشاہ میں علمائے ظاہری نے اپنی کور سوادی سے

ایک محضر تیار کرکے بادشاہ کے دربار میں پیش کیا اسکا مضمون یہ تھا کہ ملا شاہ واجب القتل ہے۔ یہ شعر اسکا ہے۔ اس سے اہانت رسول پیدا ہوتی ہے ؎

پنجہ بر پنجہ خدا دارم   من چہ پروائے مصطفےٰ دارم

بادشاہ نے وہ محضر اپنے پاس رکھ لیا۔ جب کشمیر جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا۔ "یہ شعر فی الحقیقت آپ کا ہے"۔ جواب ملا کہ یہ شعر میرا نہیں ہے۔ اس شعر سے بوئے شرک آتی ہے۔ اس شعر کا قائل خدا رسول اور اپنی ذات میں تفرقہ پیدا کرتا ہے۔ یہ میرے مذہب و مشرب میں مشرک ہے۔ آپکی تقریر فیض تنویر سے بادشاہ کا شک و شبہ رفع ہوگیا۔ بادشاہ بادب نیاز یہ مصرعہ پڑھتا ہوا خدمت فیض موہبت سے رخصت ہوا ع

ہمہ کفر آمدہ بودم ہمہ ایماں رفتم

اسکے بعد جب کبھی بادشاہ سیر کشمیر کو جاتا تھا آپ کے فیض صحبت کی سعادت حاصل کیا کرتا تھا۔ شہزادہ داراشکوہ۔ جہاں آرا بیگم اور اکثر متعلقان خاندان شاہی آپکے ارادتمندوں اور معتقدوں میں سے تھے۔ جب بادشاہ کشمیر سے واپس آگیا علمائے کشمیر آپس میں کہنے لگے کہ بادشاہ کو ملا شاہ نے مسخر کرلیا۔ یہ دعوی الوہیت کرتا ہے۔ بحکم شریعت واجب القتل ہے۔ چلو آج اسکا قصہ ہی پاک کردیں۔ سب ملکر آپ کی خانقاہ کی طرف چلے۔ آپکے خدام نے دور سے دیکھکر چاہا کہ مقابلہ کریں۔ آپنے دریافت فرمایا کہ کیا شور و شغب ہے۔ عرض کیا کہ اہل شہر بہ نیت بد اسطرف چلے آرہے ہیں۔ اور آپ کی ایذا رسانی مدنظر ہے۔ یہ مجمع شور محشر بپا کرتا ہوا آرہا ہے آپنے فرمایا کچھ اندیشہ کی بات نہیں ہے۔ میں فلاں حجرے میں جاکر بیٹھتا ہوں جب وہ لوگ خانقاہ میں داخل ہوکر مجھے پوچھیں تو بتا دینا کہ فلاں حجرے میں ہے الغرض وہ مجمع داخل خانقاہ عالیجاہ ہوا خدام نے کہا کہ فلاں حجرے کی طرف جاؤ

وہاں تشریف رکھتے ہیں۔ جب حجرے کے دروازے پر پہنچے تو جو شخص حجرے میں جاتا تھا۔ اور آپ کی نظر اُسپر پڑتی تھی تو سر بسجود ہو جاتا تھا۔ اکثر تو مستفیض ہوتے اور باقی ماندہ حسب اعتقادِ خود خوف خرابی ایمان سمجھکر فرار ہو گئے عہد عالمگیری میں قاضی القضاۃ ملا قوی لاہوری نے پہر شورش کی۔ عالمگیر بادشاہ کو خوب بہڑکایا۔ عالمگیر نے آپ کو دہلی میں طلب کیا۔ جب اُن کی پیرانہ سالی کا حال معلوم ہوا تو یہ تحریر بھیجی کہ آپ لاہور ہی میں قیام فرمائیں میں خود حاضر خدمت ہوتا ہوں۔ آپ سفر دور دراز کی تکلیف اب گوارا نہ فرمائیں۔ اسکے جواب میں آپنے لکھاکہ میں نے آپکے جلوس کے وقت ایک رباعی تہنیت جلوس میں لکھکر ارسال کی تھی۔ اسکو ملاحظہ فرمایئے۔ فقیر کا مذہب و مشرب آپکے دل پر روشن ہو جائے گا۔ ملاقات کی ضرورت نہوگی۔ رباعی

صبح دل من چوں گل خورشید شگفت حق ظاہر شد غبار کلفت ہمہ رفت
تاریخ جلوس شاہ اورنگ مرا ظل الحق گفت الحق ایں را حق گفت

بادشاہ خاموش ہو گئے۔ اور یہ قضیہ رفع دفع ہو گیا۔

سنہ ۱۰۶۹ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ مزار لاہور میں خانقاہ میاں میر صاحب میں ہے۔ آپ صاحب تصانیف تھے۔ دیوان و مثنویات اور ایک تفسیر آپ کی یادگار ہیں۔ چند رباعیات آپکے کلام میں سے لکھی جاتی ہیں۔ رباعیات

چوں ہست بیان حال توحید محال پس قال و مقال را درآنجا چہ مجال
از دولت خدمت میاں حضرت میر القصہ نہالیم۔ نہالیم نہال

در پیش فسردہ شور مستی ہیچ است پرواز بہر بلند و پستی ہیچ است
با ہیچ پرستاں ز خدا ہیچ مگو پیش ایشاں خدا پرستی ہیچ است

آن کس کہ ز سر معرفت آگاہ است شک نیست درین کہ عارف باللہ است
وردش ہمہ لا الہ الا اللہ است الا اللہش تمام الاشاہ است

بیروں مرو از خانۂ ویرانۂ خود در خانہ بجز تو نیست جانانۂ خود
اے خواجہ مرو بکعبہ زاں رو کہ خدا ہرگز نہ کند زیارت خانۂ خود

اے آنکہ خدائے را بجوئی ہر جا تو عین خدائے بجدائے ہمہ جا
ایں جستن تو یقیں بداں می ماند قطرہ بمیان آب جوید دریا

صوفی است کہ محرم است در خانۂ شہ صوفی است کہ واقف خبر منزل راہ
صوفی است ز ہفتاد و دو ملت آگہ خود گفت کہ از صوفی و لا مذہب لہ

عارف کہ ہمہ بندہ دوئی را بگسیخت چوں شیر و شکر بوحدت ذات آمیخت
بگذاشت تمام بندگی را در طاق ہر کس کو ارد بجیت غربال آویخت

تا آنکہ شود پختہ طعامت اے خام آتش باید کنی تہ دیگ طعام
ہرگہ کہ طعام خام شد پختہ تمام آتش بہ تہ دیگ حرام ست حرام

مست دیدار طالب جنت نشود راہ یافتہ را راہ از و گم نہ شود
عارف نشود تابع عامے خاصے یعنی کہ خدا تابع مردم نہ شود

عریاں خرابات پنڈت جواہر ناتھ - ساقی دہلوی

حُبّ + مُحِبّ مَحْبُوب

منشی فضل احمد خانصاحب شیدا دہلوی اگرچہ انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان ہیں۔ مگر یہ تحریر جو محبت کے مدارج پر ہے اُنکے مذہبی میلان کو ظاہر کرتی ہے۔ ہم کو شیدا صاحب کے اسلامی لگاؤ سے بہت شادمانی ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہ محب محبوب کا مضمون اس ماہ میں شائع ہوتا ہے جو دو محبوبوں کا چاند ہے ۔

حب یا محبت کے معنی اطاعت نہیں ہیں اطاعت و فرمانبرداری حب کا ثمرہ ہے محبت کے لیئے معرفت یعنی پہچان کا ہونا ضروری ہے اسلیئے کہ اگر پہچان نہو گی تو محبت کیسے ہوگی۔ پس جس چیز میں ادراک سے کسی قسم کی تکلیف محسوس ہو وہ چیز دل کو بھائیگی۔ اور جس سے ایذا ہو وہ بُری معلوم ہوگی۔ چنانچہ محبوب کے معنی یہ ہیں کہ طبیعت کو اُس سے رغبت ہو۔ اگر رغبت حد سے بڑھجائے تو اسکو عشق کہیں گے۔ اور اگر نفرت حد اعتدال سے بڑھ جائے تو عداوت کہلائے گی۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ محبت جاننے اور پہچاننے پر موقوف ہے۔ چنانچہ جتنی خواہش کی قسمیں ہیں اتنی ہی محبت کی قسمیں ہیں۔ کیونکہ ہر ایک خواہش کو جدا جدا اقسام اشیاء کو ادراک کی قوت حاصل ہے۔ اور ان میں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ انکے ادراک سے ایک قسم کی لذت حاصل ہوتی اور بہ سبب اس لذت کے طبیعت کو اسکی طرف رغبت ہوتی ہے۔ اور یہی رغبت اُس چیز کو محبوب بنادیتی ہے۔ مثلاً آنکھ کو اچھی صورت کے دیکھنے سے لذت حاصل ہوتی ہے اور کان کو اچھی آواز کے سننے سے فرحت ہوتی ہے اور قوت شامہ کو اچھی خوشبو کے سونگھنے سے

ایک کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ اور قوت ذائقہ کو اچھے کھانے سے اور قوتِ لامسہ کو نرم اور نازک چیز کے چھونے سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ غرضکہ جب مندرجہ بالا حواسوں کو ان چیزوں کے ادراک سے لذت ملتی ہے تو لامحالہ طبیعت کو انکی جانب میل ہوتا ہی مگر یہ ظاہر ہے کہ حواس خمسہ اس سے کچھ زیادہ حظ نہیں پاتے بلکہ ایک اور چھٹا حواس ہے جو اصلی حظ اُٹھاتا ہے اور جو نفس کہلاتا ہے۔ اسی حس کی بدولت انسان کو تمام مخلوقات پر شرف اور برتری حاصل ہے ورنہ حواس خمسہ کی لذتوں میں تو جانور بھی شریک ہیں۔ پس یہ کہنا کہ اللہ جل شانہ حواس کے ادراک سے باہر ہے اور خیال میں نہیں آسکتا۔ پھر کیسے اُس کی محبت کیجائے۔ اپنے آپ کو احاطۂ بشریت سے باہر کرانا ہے۔ بڑا بدقسمت وہ شخص ہے جو محبوب حقیقی کی محبت کا منکر ہو اور بڑا بدبخت وہ انسان ہے جو معشوق اصلی کے عشق سے بیخبر ہو۔ دیوانہ وہ ہے جو اُس کی معرفت نہ چاہے۔ جو لوگ اللہ جل شانہ کی محبت سے انکار کرتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ باطنی بینائی ظاہری بینائی سے قوت میں کہیں زیادہ ہے۔ اور دل کی نظر آنکھ سے زیادہ تیز ہے اور جمال باطنی جسکو عقل دیکھتی ہے۔ ظاہری جمال سے جسکو آنکھ دیکھتی ہے بہت بہتر ہے۔ اس لیئے دل کو اُن امور الٰہی کے جاننے سے ظاہری حواس نہیں جان سکتے ایک عجیب لذت حاصل ہوتی ہے جو اِن حواسوں کی لذتوں سے بہت بڑھکر ہے۔ بدیں وجہ طبع اور عقل صحیح کو جو رغبت اس کی جانب ہوتی ہے وہ بہت قوی ہے اور محبت کے معنی سوا اسکے اور کچھ نہیں ہیں کہ جس چیز کے چاہنے سے لذت حاصل ہو اُسکی طرف رغبت کرنا۔

پس اللہ جل شانہ کی محبت سے وہ انکار کرے گا جو کہ بہائم کے درجہ سے نہ نکلا ہو اور انہی ظاہری حواسوں کے مدرکات پر لذتوں کو منحصر جانتا ہو۔

حُبّ + مُحِبّ محبُوب

منشی فضل احمد خانصاحب شیدا دہلوی اگرچہ انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان ہیں۔ مگر یہ تحریر جو محبت کے مدارج پر ہے اُنکے مذہبی میلان کو ظاہر کرتی ہے۔ ہم کو شیدا صاحب کے اسلامی لگاؤ سے بہت شادمانی ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہ محب محبوب کا مضمون اس ماہ میں شائع ہوتا ہے جو دو محبوبوں کا چاند ہے ۔۱

حُب یا محبت کے معنی اطاعت نہیں ہیں اطاعت و فرمانبرداری حب کا ثمرہ ہے محبت کے لیئے معرفت یعنی پہچان کا ہونا ضروری ہے اسلیئے کہ اگر پہچان نہو گی تو محبت کیسے ہوگی۔ پس جس چیز میں ادراک سے کسی قسم کی تکلیف محسوس ہو وہ چیز دل کو بھائیگی۔ اور جس سے ایذا ہو وہ بُری معلوم ہو گی۔ چنانچہ محبوب کے معنی یہ ہیں کہ طبیعت کو اُس سے رغبت ہو۔ اگر رغبت حد سے بڑھجائے تو اسکو عشق کہیں گے۔ اور اگر نفرت حد اعتدال سے بڑھ جائے تو عداوت کہلائے گی۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ محبت جاننے اور پہچاننے پر موقوف ہے۔ چنانچہ جتنی خواہش کی قسمیں ہیں اتنی ہی محبت کی قسمیں ہیں۔ کیونکہ ہر ایک خواہش کو جدا جدا اقسام اشیاء کو ادراک کی قوت حاصل ہے۔ اور ان میں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ انکے ادراک سے ایک قسم کی لذت حاصل ہوتی اور بہ سبب اس لذت کے طبیعت کو اسکی طرف رغبت ہوتی ہے۔ اور یہی رغبت اُس چیز کو محبوب بنادیتی ہے۔ مثلاً آنکھ کو اچھی صورت کے دیکھنے سے لذت حاصل ہوتی ہے اور کان کو اچھی آواز کے سننے سے فرحت ہوتی ہے اور قوت شامہ کو اچھی خوشبو کے سونگھنے سے

ایک کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ اور قوت ذائقہ کو اچھے کھانے سے اور قوت لامسہ کو نرم اور نازک چیز کے چھونے سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ غرضکہ جب مندرجہ بالا حواسوں کو ان چیزوں کے ادراک سے لذت ملتی ہے تو لا محالہ طبیعت کو انہی جانب میل ہوتا ہے مگر یہ ظاہر ہے کہ حواس خمسہ اس سے کچھ باوہ حظ نہیں پاتے بلکہ ایک اور چھٹا حواس ہے جو اصلی حظ اٹھاتا ہے اور جو نفس کہلاتا ہے۔ اسی حس کی بدولت انسان کو تمام مخلوقات پر شرف اور برتری حاصل ہے ورنہ حواس خمسہ کی لذتوں میں تو جانور بھی شریک ہیں۔ پس یہ کہنا کہ اللہ جل شانہ حواس کے ادراک سے باہر ہے اور خیال میں نہیں آسکتا۔ پھر کیسے اُس کی محبت کیجائے۔ اپنے آپ کو احاطۂ بشریت سے باہر کرانا ہے۔ بڑا قسمت وہ شخص ہے جو محبوب حقیقی کی محبت کا منکر ہو اور بڑا بدبخت وہ انسان ہے جو معشوق اصلی کے عشق سے بیخبر ہو۔ دیوانہ وہ ہے جو اُس کی معرفت نہ چاہے۔ جو لوگ اللہ جل شانہ کی محبت سے انکار کرتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ باطنی بینائی ظاہری بینائی سے قوت میں کہیں زیادہ ہے۔ اور دل کی نظر آنکھ سے زیادہ تیز ہے۔ اور جمال باطنی جسکو عقل دیکھتی ہے۔ ظاہری جمال سے جسکو آنکھ دیکھتی ہے بہت بہتر ہے۔ اس لیئے دل کو اُن امور الٰہی کے جاننے سے ظاہری حواس نہیں جان سکتے ایک عجیب لذت حاصل ہوتی ہے جو ان حواسوں کی لذتوں سے بہت بڑھکر ہے۔ بدیں وجہ طبع اور عقل صحیح کو جو رغبت اس کی جانب ہوتی ہے وہ بہت قوی ہے اور محبت کے معنی سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہیں کہ جس چیز کے چاہنے سے لذت حاصل ہو اُسکی طرف رغبت کرتا ہے

پس اللہ جل شانہ کی محبت سے وہ انکار کرے گا جو کہ بہائم کے درجہ سے نہ نکلا ہو اور انہی ظاہری حواسوں کے مدرکات پر لذتوں کو منحصر جانتا ہو۔

جو لوگ خیالات اور محسوسات کی تنگی میں غلطاں پیچاں ہیں اُن کے نزدیک حُسن کے معنی یہ ہیں کہ اعضاء کا تناسب زوں ہو۔ شکل اچھی اور صورت پاکیزہ ہو اور جوان باتوں کا مجموعہ ہو وہ حسین ہے۔ اور جسمیں یہ تناسب نہوں وہ جمیل و حسین نہیں۔ لیکن یہ سمجھ کی غلطی ہے۔ حُسن و جمال کے معنی یہ ہیں جو جس چیز کا کمال ہے اُس کمال میں وہ چیز اکمل ہو۔ چنانچہ جو کمال میں کامل ہوگا وہ جمال میں بھی کامل کہلائے گا۔ مثلاً انسان اچھا وہی ہے جو مندرجہ بالا صفات سے متصف ہو اور گھوڑا وہی اچھا کہلائیگا کہ جسمیں گھوڑے کے مقررہ اوصاف جمع ہوں گے اور خط وہی اچھا سمجھا جائے گا جسمیں حروف با قاعدہ اور درست ہوں۔ پس اگر گھوڑے میں انسان کے اوصاف اور انسان میں گھوڑے کی صفات ہوں تو اسکو کوئی اچھا نہ سمجھے گا۔ اسی لیے ہر چیز کا حسن و جمال جداگانہ ہے جو اُس چیز کی نوعیت پر منحصر اور جو ظاہری شکل و صورت پر منحصر نہیں۔ بلکہ حُسن و جمال کا اطلاق اُن چیزوں پر بھی ہو سکتا ہے جو حواس خمسہ کے ادراک سے باہر ہیں۔ مثلاً نیک اخلاق جس شخص میں ہوں گے وہ صاحب حُسن خلق کہلائے گا۔ اِسی لیے جس طرح پر کہ حُسن صورت کا اطلاق صورت کے کمال پر مبنی ہے اسیطرح حُسن سیرت کا اطلاق سیرت کے کمال پر منحصر ہے۔ اور در اصل حسن صورت اسقدر محبت کا باعث نہیں جسقدر کہ حُسن سیرت محبت کا باعث ہے۔ ورنہ کیوں انسان۔ انبیاء، اولیاء اور ائمہ اور صحابہ اور مجتہدین اور اساتذہ اور فقراء کو دوست رکھتا۔ حالانکہ انکی دوستی صرف حُسن سیرت کے باعث ہی اور حُسن صورت پر غالب ہوتی ہے۔ اور جن کی محبت میں انسان ان پر اپنا جان و مال۔ آل و اولاد سب قربان کر دیتا ہے اور اِنکے نام پر اپنی جان فدا کرتا ہے۔ پس یہ محبت اُنکی شکل و صورت ظاہری کے سبب سے نہیں ہوتی۔ بلکہ سیرت اور کمال باطنی کے سبب سے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمال باطنی ہی باعث محبت

بلکہ وہ جمال ظاہری کی محبت سے زیادہ محبت کا باعث ہی ۔

الحاصل ان تمام باتوں سے ثابت ہوا کہ فقط ذات پاک وحدہ لاشریک کی محبت کی مستحق ہے اور کوئی دوسرا مستحق محبت فی الذات نہیں۔ یہاں تک کہ انبیاء و اولیا کی محبت بھی بالذات نہیں بلکہ انکی محبت عین محبت الٰہی ہے۔ اس لیئے کہ محبوب کا محبوب محبوب ہوتا ہے۔ رسول اور پیر محبوب کے محبوب ہوتے ہیں۔ محبوب کا محبّ محبوب ہے تو ان سب کی محبت عین محبت الٰہی ہے ۔

ایک شخص نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر عرض کیا کہ یا حضرت میں آپ کو چاہتا ہوں۔ آپنے فرمایا کہ اگر ہم سے محبت رکھتے ہو تو فقر پر مستعد ہو پھر اس نے کہا کہ میں عاشق ہوں۔ آپنے فرمایا کہ اگر عشق الٰہی ہے تو بلا کے تحمل پر آمادہ رہو۔ پس ثابت ہوتا ہے کہ محبت اللہ اور اسکے رسول کی اسی کو ہوگی جو کہ فقر و بلا پر مستعد رہیگا۔ اور فقر کو فخر سمجھے گا۔ اور بلا اور مصیبت پر شکر کرے گا۔ عاشق کو صرف یہی کافی ہے کہ معشوق کے سوا کسی طرف التفات نکرے اس کی محبت سے کام رکھے۔ اگر لطف کرے تو اسکی مہربانی ہے۔ اگر وہ قہر کرے تو اسکی مرضی ہے۔ اگر ہزار مرتبہ معشوق اسکو نکالے وہ اسکا کوچہ نہ چھوڑے اور ہزار طرح اپنا دامن چھڑائے وہ اسکا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ چلے تو اسطرف اور ہلے تو اس جانب۔ غرض سوتے جاگتے۔ اٹھتے بیٹھتے اسی سے لو لگائے رکھے۔ اگر وہ منہ چھپائے تو اسکے دیدار کی خواہش نہ چھوڑے۔ اور جبتک وہ اپنا جمال نہ دکھائے اسکے در سے نہ ہٹے ۔

عاشق صادق قہر میں زیادہ لطف پاتے ہیں۔ اور فقر اور بلا پر زیادہ شکر کرتے ہیں۔ چنانچہ نقل ہے کہ حضرت بایزید بسطامی رح جس روز فقر و بلا سے محفوظ رہتے تھے تو کہتے تھے کہ الٰہی آج کیا خفگی ہے جو کوئی مصیبت نہ دی۔ اس لیئے کہ مصیبتہ

تو عاشقوں ہی کے حصے کی ہے ۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے چند احادیث میں اللہ جل شانہ کی محبت کو شرط ایمان بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک صحابی نے حضرت سے سوال کیا کہ یارسول اللہ ایمان کیا ہے؟ جواب دیا کہ ایمان یہ ہے کہ اللہ اور اُسکے رسول سے سب سے زیادہ بڑھ کر محبت رکھے۔ دوسری حدیث میں آپنے فرمایا کہ کوئی شخص اُسوقت تک مسلمان نہیں جب تک کہ اللہ اور اُسکے رسول کو سب سے زیادہ محبوب نہ سمجھے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص اُسوقت تک مومن نہیں جبتک کہ میں اُسکے نزدیک اُس کے اہل و عیال مال و دولت اور سب آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہ سے محبت رکھو۔ اسلیئے کہ وہ ہر روز تمہیں نعمتیں پہنچاتا ہے۔ اور مجھ سے محبت رکھو کیونکہ میں اللہ کا محبوب ہوں ۔

اِن آیات و احادیث اور مثل انکے اور بھی بہت سی آیتیں و حدیثیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ محبت و اطاعت میں فرق ہے ۔

عاشق وہ ہے کہ ایک لمحہ میں محبوب اسکو ہزار بار دار پر کھینچے تب بھی وہ بدستور ثابت قدم رہے۔ اور اگر ہزار بار اِس کا جسم پارہ کرے تب بھی وہ کچھ غم نہ کرے۔ حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی اگر میرے اور تیرے درمیان آگ کا دریا حائل ہوتا تو میں تیری محبت میں اُسمیں کود پڑتا اور نکل جاتا ۔

مولانا روم رح اپنی مثنوی میں ارقام فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ الٰہی وہ خصلت کیا ہے جس سے مجھے تیری محبت زیادہ ہو۔ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ میرے سوا کسی طرف متوجہ ہو میرے قہر کو دوسرے کی محبت سے بہتر جان ۔ اور مصیبت میں بھی میرا دامن نہ چھوڑ ۔

مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ملک الموت سے نزع کے وقت فرمایا

کہ کیا تم نے یہ کبھی دیکھا یا سنا ہے کہ کوئی اپنے دوست کو مارتا ہے۔ اُسی وقت وحی نازل ہوئی کہ تم نے بھی کبھی دیکھا ہے کہ دوست کے ملنے سے کسی کو نفرت ہوئی ہو۔ آپنے فرمایا کہ اپنا کام کر۔ یہ ہیں اُن لوگوں کے حالات جنھیں عشق صادق تھا۔ عاشقانِ الٰہی موت سے نہیں ڈرتے وہ جانتے ہیں کہ یہی ایک ذریعہ ہمارے وصال کا ہے +

عاشق صادق کی علامت یہی ہے کہ اُس کی نظر میں محبوب کے سوا کوئی نہ سمائے۔ سب سے اُسکا تعلق چھوٹ جائے۔ کوئی خواہش اُسکے دل میں نہ رہے مراد مطلوب صرف محبوب ہے۔ پس جو عاشق خدا کا ہوگا اُسکو دنیا سے کچھ علاقہ نہ رہے گا طالب مولیٰ طالبِ دنیا نہوگا۔ جیسا کہ مولانا معنوی مجنوں کے حال میں ایک حکایت لکھتے ہیں کہ وہ لیلے کی طلب میں اونٹنی پر سوار ہو کر چلا۔ اونٹنی اپنے بچہ کے مارے پھر پھر آتی تھی۔ اور مجنوں کو منزل لیلے تک نہ پہنچاتی تھی۔ آخر اُس نے ناقہ کو چھوڑ دیا۔ اور پیادہ پا کوچہ محبوب کی راہ لی +

حضرت خواجہ حسن بصری رح فرماتے ہیں کہ جس نے خدا کو پہچانا اُس نے اُس سے محبت کی۔ اور جس نے دنیا کو پہچانا اُس نے دنیا سے نفرت کی۔ پس مومن لہو و لعب میں نہ رہیگا کہ موجب غفلت ہے۔ اور حضرت سری سقطی رح فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز تمام امتین اپنے اپنے انبیاء کے نام سے پکاری جائیں گی جیسے اے امت موسیٰ۔ اور اے امت عیسیٰ۔ سوائے عاشقان جمال ایزدی کے کہ وہ اسطرح پکارے جائینگے۔ کہ اے خدا کے چاہنے والو چلو اپنے محبوب کے پاس یہ سن کر انکو ایسی خوشی ہوگی کہ قریب ہوگا کہ انکو شادی مرگ ہوجائے اور اُن کا دل پھٹ جائے +

حب۔ محب۔ محبوب کے حقائق پر کچھ لکھنا میری بساط سے بڑھکر ہے۔ کیونکہ ان میں ہر شق ایک مستقل بحث کے قابل ہے۔ تاہم مجمل طور پر کچھ عرض کر دیا گیا ہے۔ ناظرین نے خواہش ظاہر کی تو دوبارہ توضیح و تشریح کی کوشش کیجائے گی۔ راقم فضل احمد خاں شیدا دہلوی

حلقہ کی کارگزاری
اور
قتلگاہ کی پکار

یہ مبارک چاند جسکو ہمارے آقائے نامدار فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدایش و وفات میں حصہ دار ہونے کی عزت حاصل ہے ۔حلقہ نظام المشائخ کے لیئے بڑے امتحان کا مہینہ تھا۔ مخالفین نے کمریں باندھ لی ہیں کہ اس نوخیز پودے کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیں۔ چنانچہ اس تمام ماہ مقدس میں کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ مخالفین نے خطرناک حملے نہ کیئے ہوں۔ یہاں تک کہ خاص دہلی میں بعض خدام وارکین کے قدم ڈگمگا گئے۔ اور اُنہوں نے ہم چند جاں نثاروں کو اعدا کے نرغہ میں دیکھکر میدان استقلال سے کنارہ کشی اختیار کر لی ۔

مخالفین نے حلقہ کی مخالفت کے جسقدر اسباب فراہم کیئے ہیں اُن سب کا تعلق میری ذات سے ہی۔ اِن سے سوال کرنا چاہیئے کہ ایک فرد واحد کے ذاتی عیوب سے تمام گروہ مشائخ کے معاملات کو کیا تعلق - اگر حسن نظامی کی ذات میں خرابیاں ہیں تو اُسکو عہدہ دبیری سے علیحدہ کردو اور اجماع سے کسی دوسرے کو مقرر کر لو۔ مگر حلقہ کو تو نقصان نہ پہنچاؤ ۔

میرے خلاف لوگوں کو بھڑکانیکے لیئے اُنکے پاس دو ہتیار ہیں ایک میرا رسالہ رام کرشن ۔جو پانچ برس ہوئے ۔ انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے

سالانہ جلسہ میں ہزاروں مسلمانوں کے سامنے جن میں سیکڑوں علماء و فضلاء تھے میں نے پڑھا تھا۔ اور جسمیں بزرگانِ ہنود کی اُن پیشینگوئیوں کو لکھا گیا ہے جو ہمارے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اُن کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ مخالفین حلقہ نے اسکی ابتدائی سرخیوں سے فائدہ اُٹھاکر لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کردیا۔ ورنہ جن لوگوں نے وہ رسالہ آخر تک پڑھ لیا ہے اب تک غلطی سے محفوظ ہیں +

دوسرا حربہ۔ میرے ہندوانی ہیئت کے فوٹو ہیں۔ یہ فوٹو اُس زمانہ کے ہیں جبکہ میں نے محض مسلمانوں کی واقفیت وآگاہی کے لیے ہندو تیرتھوں اور مندروں کا سفر کیا تھا۔ یہ فوٹو ہندو مراقبوں کی ہیئت دکھانے اور سمجھانے کی نیت سے بنوائے گئے تھے تاکہ سفرنامہ میں درج کیے جائیں۔ اور مسلمان و رشیوں اور ہندو درویشوں کی اصلی عبادت کی کیفیت معلوم ہو جائے۔ فوٹو گرافر نے ان فوٹوؤں پر کچھ عبارت لکھکر فروخت کرنا شروع کردیا۔ حالانکہ یہ بات میرے منشا اور ارادہ کے خلاف تھی +

اِن دونوں باتوں سے انجان مسلمانوں کو دہوکا دیا جاتا اور حلقہ سے علحدہ کرنے کی کوشش کیجاتی ہے۔ چنانچہ بعض حضرات نے مخالفین کے گروہ عظیم سے متاثر ہوکر حلقہ سے علحدگی اختیار کرلی۔ مگر جب انکو اصل حقیقت سے آگاہ کیا گیا تو دوبارہ شریک ہوگئے +

پیران کلیر شریف کے عرس میں جاکر مشائخ کو بہکایا گیا۔ اور سُنا ہے کہ وہاں انکو ایک حد تک (گمراہ کرنے میں) کامیابی بھی ہوئی۔ اب افواہًا سنا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک ایسے حملے کی تجویز سوچی ہے جسکو طفلانہ و کودکانہ منصوبہ بازی سمجھنا چاہیے۔ یعنی مخفی طریق سے کسی شخص کو **میرے قتل پر**

آمادہ کیا گیا ہے۔ نادان یہ نہیں سمجھتے۔ کہ کہیں میرے مارڈالنے سے یہ تحریک بند ہوسکتی ہے۔ اگر ایسا ہوا تو میرے ہر قطرۂ خون سے ایک حسن نظامی پیدا ہوگا اور اس فرض کو انجام تک پہنچائے گا۔

جسقدر مخالفت کی گئی اور میری ذاتیات کے متعلق گالی نامے شائع ہوئے میں نے ان کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور صبر و سکون سے برداشت کرتا رہا لیکن اب

قتل گاہ کی پکار

شروع ہوئی ہے۔ جس سے غالباً ان کا منشا میرے مرعوب کرنے کا ہے۔ حالانکہ انکو اچھی طرح معلوم ہے کہ ابوتراب کی نسل موت سے نہیں ڈرتی۔ ہم کو اگر آدھی رات کے وقت ہزار ہا نیزہ و شمشیر کے مقابلہ میں اکیلا بلایا جائے تو ہم بلا تامل میدان میں آگے نکلکر جا کھڑے ہونگے۔ ہم انہیں میں ہیں جو ہمیشہ اپنی گردن کے خون سے ایمان کے درخت کو پانی دیتے ہیں۔

خون آلود چادریں اوڑھ کر میدان جنگ کی کانٹے دار زمین میں پیر پھیلا کر سونا بنی فاطمہ کا قدیمی شعار ہے۔ خنجر و شمشیر سے ہمارے گلے معانقہ کرنیکے ابتدا سے عادی ہیں۔ تو اب ہمکو ناحق ڈرایا جاتا ہے۔ ہماری ہمت پست نہوگی۔ ہم ضرور خانقاہوں سے بازاری عورتوں کے شرمناک مجمعوں کو روکیں گے۔ ہماری غیرت ہرگز گوارا نہیں کرتی کہ بزرگوں کی اولاد اور درگاہوں کے پیرزادے کہلا کر حرامکا رنڈیوں کے آگے چند پیسوں کے لئے ہاتھ پھیلایا جائے۔ کیا یہ فکر ہے کہ طوائفوں کے ناچ مجرے درگاہوں سے بند ہو جائینگے تو روٹی نہ ملے گی۔ یا آمدنی کی کثرت قلیل ہوجائے گی۔ یہ فکر قناعت کے خلاف ہے۔ خدا تعالی ہزار حیلہ سے رزق دیتا ہے۔ ایک دروازہ بند ہوگا تو ستر دروازے اور کھل جائینگے۔

وزا دل میں انصاف سے غور کرنا چاہیئے کہ مزارات پر بازاری عورتیں آتی ہیں اور اس مقام پر کھڑی ہوکر جہاں درویش ومشائخ ذکر وشغل اور مراقبے کرتے اور قرآن شریف و درود شریف پڑھتے ہیں وہیں وہ سر کھولکر رقص و سرود کی محفل آراستہ کرتی ہیں۔ اُنکے آشنا شرابیں پیکر آتے اور بیٹھتے ہیں۔ پھر وہ بے حیا عورتیں اُنسے اشارہ بازیاں کرتی جاتی اور ناچتی گاتی ہیں۔ آوارہ و بدقماش مرد اسی مقدس جگہ ان عورتوں سے فحش مذاق اور آوازہ کشی کرتے ہیں۔ تو کیا اس سے بزرگوں کی ارواح پاک خوش ہوتی ہونگی۔ اور کیا غیر مسلم قومیں یہ حرکات دیکھکر ہماری عبادت گاہوں کی کچھ عزت کرسکیں گی۔ بس اس کا فیصلہ منصف مزاج لوگوں پر منحصر ہے +

الغرض اب اُن تمام ناظرین رسالہ نظام المشائخ سے جنکو حلقۃ المشائخ کے اغراض سے دلچسپی ہے اور خاصکر حلقہ کے اراکین و خدام سے التماس ہے کہ وہ نادان مخالفوں کی پروا نکریں اور مشائخ کرام کے اس دینی کام کو پامال نہونے دیں۔ ہر شخص اپنی حیثیت اور بساط کے موافق سرگرمی سے کام شروع کرے +

چونکہ مخالفین طرح طرح کی غلط باتیں مشہور کررہے ہیں جنسے خواہ مخواہ دھوکہ ہوتا ہے اس لیے مناسب ہے کہ

منزلگاہ حلقہ میں ایک کارڈ

بھیجکر اپنا شک رفع کرلیا جائے یہاں سے ہر شخص کو اصلی واقعات کی اطلاع دیدیجائے گی

اس مہینہ میں زیادہ وقت مشائخ ہند سے خط وکتابت اور مخالفین کے حملوں کی روک تھام میں صرف ہوا۔ پیران کلیر شریف کے عرس میں جناب حکیم غلام محی الدین صاحب چشتی نظامی ساکن لاہور جو ایک مشہور و معروف آدمی ہیں حلقہ کی جانب سے اعزازی خدمت کی سند لیکر گئے تھے۔ جہاں اُنہوں نے حلقہ کے اشتہارات تقسیم فرمائے

اور مشائخ کو حلقہ کے مقاصد سے آگاہ کیا۔ اگرچہ ابھی مفصل حالات معلوم نہیں ہوئے مگر سُنا ہو کہ امسال سجادہ نشین صاحب پیران کلیر شریف نے چند اصلاحی کارروائیاں کیں۔ اور طوائفوں کے ناچ رنگ کے متعلق بھی روک تھام کا سنجیدہ طریقہ شروع کیا گیا۔ الحمدللہ ✤

پہلواری شریف میں ۱۲۔ ربیع الاول کو عرس تھا۔ وہاں بھی حلقہ کے اشتہارات بھیجے گئے تھے جو کامیابی سے تقسیم ہوئے۔ اور متعدد مشائخ نے حلقہ کی شرکت قبول کی۔ اس سعی میں جن حضرات نے حصہ لیا۔ اُنکے اسمائے گرامی دلی احسانمندی سے درج کیے جاتے ہیں ✤

جناب مولانا حسن میاں صاحب خلف حضرت شاہ سلیمان صاحب چشتی قادری۔
جناب سید حسن صاحب خانی۔
جناب مولوی محمد شعیب صاحب و عزیز بن ایوب وغیرہ۔

اگرچہ ہمکو اسکے اعلان کی اجازت نہیں ہو۔ لیکن دل نہیں مانتا اور پیشوائے عارفان حضرت سجادہ نشین صاحب پہلواری شریف کی اس ہمدردی و دعائے خیر کا ذکر قلم کی زبان پر بے ساختہ چلا آتا ہے جو وہ وقتاً فوقتاً فرماتے رہتے ہیں۔ آپکو حلقہ سے دلی لگاؤ ہے اور اسکی کارگزاری میں خلوص وللہیت کی ہمیشہ دعا فرماتے رہتے ہیں مگر اپنا نام اخبار و رسائل میں چھپوانے کی اجازت نہیں دیتے۔ ابھی حال میں آپنے ایک خط میں رسالہ نظام المشائخ کے مضامین کی بہت تعریف فرمائی ہے ✤

امسال ندوۃ العلماء کا سالانہ جلسہ دہلی میں تھا۔ اکثر علماء و مشائخ نظرلکاہ حلقہ میں تشریف لائے اور حلقہ کے تمام حساب و کتاب رجسٹر وغیرہ دیکھکر نہایت عمدہ رائیں لکھیں جنمیں سے چند رائیں یہاں نقل کیجاتی ہیں ✤

جہجر کے رئیس منشی دوست محمد خاں صاحب پنشنر اسپکٹر حلقہ کے لیے بہت کوشش کر رہے ہیں۔ ابکے انہوں نے ایک عرس کے موقع پر جھولی گلے میں ڈالکر قومی بھیک مانگی اور جو کچھ جمع ہوا وہ مختلف انجمنوں مثلاً انجمن حمایت اسلام۔ ندوۃ حلقہ وغیرہ کو تقسیم کر دیا۔ چنانچہ دو روپے حلقہ کو بھی دیئے۔ آپ کی سعی سے جناب مولوی عبد الرحمٰن صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر نے پانچ روپے ماہوار حلقہ کے لیے مقرر کیے ہیں۔ جو تین ماہ سے برابر آتے ہیں۔ خدا تعالیٰ دینے والے اور دلانیوالے کو جزائے خیر دے۔ جناب خواجہ عثمان علیشاہ صاحب نظامی سرگروہ چشتیہ برابر ایک روپیہ ماہوار بھیج رہے ہیں۔ پروفیسر محمد الدین صاحب اڈیٹر رسالہ صوفی بھی ایک روپیہ ماہوار بھیجے جاتے ہیں۔ اب وہ تمام حضرات جنہوں نے ماہوار یا سالانہ کا وعدہ کیا ہے بقایا عنایت فرمائیں۔ ایک چک

پانسو پچہتر روپیہ کا (۵۷۵)

عزیزم واحدی کے نام آیا ہے جو امپیریل بنک آگرہ کا ہے۔ اور جسکے بھیجنے والے کوئی صاحب اسے اسے بارے ہیں۔ مگر چک کے ساتھ کوئی اطلاعی خط نہیں ہے۔ اول خیال ہوا تھا کہ شاید کسی کارخانہ نے منافع کی رقم بھیجی ہے کیونکہ واحدی صاحب کے مختلف بلاؤں میں سرمایہ لگے ہوئے ہیں۔ مگر حساب دیکھنے سے یہ خیال بھی غلط ثابت ہوا اب سوائے اسکے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ حلقہ کے متعلق ہوگا۔ بہرحال یہ چک اٹھا رکھا گیا ہے۔ جبتک اسکی نسبت صاف اطلاع نہ آئے کوئی کارروائی نہیں ہوسکتی ... نیز بھی اطلاع دی گئی ہے۔ گزشتہ مہینوں کے حساب کتاب اور آمد خرچ کی ... ذیل میں درج ہے *

... بنگال میں جو اوسط درجہ کا خرچ ہوا اسکی میزان دوسو باسٹھ روپیہ چھ آنہ (۲۶۲ روپیہ ۶ آنہ)

... حلقہ کے بعض اراکین و خدام کی رائے ہے کہ چونکہ یہ سفر حلقہ کی خدمت کے لیے

کیا گیا تھا۔ لہذا اسکا تمام خرچ حلقہ کے فنڈ سے ادا ہونا چاہیئے۔ مگر غور سے دیکھا جائے تو حلقہ کا فنڈ پہلے ہی قلیل ہے۔ اسپر اتنی کثیر رقم کا بوجھ ڈالنا ہرگز قرین انصاف نہیں ہے۔ گو میں متوکل آدمی ہوں مگر سفر بنگالہ کے اخراجات سب اپنے ذمہ لیتا ہوں اور نہیں چاہتا کہ حلقہ کے چھوٹے سے سرمایہ پر اسکا بوجھ پڑے۔ نذورات حلقہ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

جناب سجادہ نشین صاحب پھلواری شریف	عار
جناب شاہ عبید اللہ صاحب فریدی سجادہ نشین خانقاہ خرد پھلواری شریف	عار
جناب شاہ عبد القادر صاحب سجادہ نشین اسلام پور	عار
جناب شاہ سید محمد سجاد صاحب جعفری بہار شریف	عار
جناب شاہ وصی احمد صاحب فردوسی بہار شریف	عہ ر
جناب شاہ رضا حسین صاحب سجادہ نشین دائرہ بہار	عہ ر
جناب حسین بن سلیمان صاحب پھلواری شریف	عہ ر
جناب عزیز بن ایوب صاحب	عہ ر
جناب مولوی شاہ نور الحسن صاحب قادری ابو العلائی پھلواری	عہ ر
جناب مولوی ابو الفضل محمد عبد الہادی صاحب پھلواری	عہ ر
جناب منشی محمد زاہد حسین صاحب کرہ پھلواری	عہ ر
جناب سید فہیم الدین صاحب داناپور	عہ ر
جناب احمد شاہ صاحب بنارسی	عہ ر
جناب مولوی عبد الجلیل صاحب بیرسٹر جونپور	عار
جناب مولوی فرید الحق صاحب متولی درگاہ حضرت غوث قتلغ خاں جونپور	عار
جناب صفی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن خاں صاحب لکھنؤ	عـ۵

جناب فاطمۃ الکبرےٰ صاحبہ بنت منشی محمد الدین خوشنویس - دہلی	۱۴/
جناب مولوی محمد فتح اللہ صاحب متعلم علیگڈھ کالج	۸/
جناب مولوی محمد قطب الدین صاحب چاندپور	۱۰/
جناب محمد نیاز الدین صاحب چاندپور	۸/
جناب پروفیسر محمد الدین صاحب اڈیٹر صوفی	۶/
جناب منشی سید عبد الرحمن صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر	۵
جناب خواجہ عثمان علیشاہ صاحب سرگروہ چشتیہ	۱۰/
جناب مولوی عبد الرحیم صاحب محرر سب جج	۶/
جناب منشی دوست محمد صاحب انسپکٹر	۶/
جناب مولانا حکیم شاہ محمود صاحب قادری چن پٹن	۱۰/
جناب شاہ عبد الرسول صاحب سجادہ نشین للہ شریف	۱۰/
میزان آمدنی	۵ ۱۴

بقایا سابقہ

۵ ۱۵/

میزان کل

۵ ۳/

تفصیل خرچ

بابت لکھائی چھپائی اشتہارات و قرطاس الحساب اغراض حلقہ جن کی جزئی تفصیل رجسٹروں میں درج ہے	۵ ۱۴/
محصول ڈاک جو خطوط و پارسلوں وغیرہ میں خرچ ہوا	۵/
خرید کتب جن کی تفصیل رجسٹروں میں ہے	۵ ۱۱/
میزان خرچ	۵ ۸/
باقی	۵ ۱/

آگاہی - جناب نواب سید نورالحسن خاں صاحب خلف نواب صدیق حسن خانصاحب نے مبلغ عنہ روپیہ محض کتبخانہ کی مد میں عنایت فرمائے تھے جو مصری کتب کی خریداری کے لیئے بمبئی بھجدیئے گئے ہیں۔ ذیل میں ندوۃ العلماء کے چند معزز ارکین کی آرا لکھی جاتی ہیں جو انہوں نے حلقہ کا معائنہ کرکے دیں + حسن نظامی

مولانا مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی فرماتے ہیں۔

حلقۂ پیر مغانم ز ازل در گوش است ما ہمانیم کہ بودیم وہمان خواہد بود

جلسہ سالانہ ندوۃ العلماء کی تقریب سے ہم نیازمندوں کاگزر دہلی مرحوم کی پاک سرزمین پر ہوا۔ صاحبدل ذیعلم خواجہ حسن نظامی کی کشش توجہ نے منزلگاہ حلقہ نظام المشائخ تک پہنچایا۔ وہاں جو عالم دیکھا اُس سے دل پُرسرور اور روح ایک عالم وجد میں ہے۔ آہ ہماری یہ قسمت کہ ہم حضرت محبوب الٰہی قدس سرہٗ کے خواجہ زادہ کے مہمان ہوں۔ اُن کے جمال سے ہماری آنکھیں منور ہوئیں۔ نعمت بالائے نعمت۔ کان اُس صدا سے فیض یاب ہوئے جو اُس صوت کے سلسلہ میں ہے۔ جسکا گزر حضرت محبوب الٰہی کے سمع مبارک تہا۔ کیا عجب کہ یہ سلسلے مطلوب اصلی کے منجر ہوجائیں +

آمدیم برسر مطلب۔ ہم نے حلقہ کے حساب کا رجسٹر دیکھا۔ اُسکو صاف اور مرتب پایا۔ ارکان کا رجسٹر پڑھا۔ الحمدللہ کہ اکثر سلسلوں کے سرگروہ وسجادہ نشین حلقہ کے رکن بن چکے ہیں۔ خدام کی فہرست دیکھی۔ ہر طبقہ کے لوگ ہیں۔ جدید تعلیم یافتہ کی بھی اچھی تعداد ہے۔ یہ ثبوت ہے۔ اس تحریک کی ہمہ گیری وقبول عام کا۔ اسمیں کوئی شبہہ نہیں کہ دلوں کو صراط مستقیم پر قائم وثابت رکھنے والی اور سائنس والحاد کا کامیابی سے مقابلہ کرنے والی جو قوت ہے وہ تصوف ہے۔ ہمارے نزدیک جو خدمات حلقہ انجام دے رہا ہے وہ نہایت ضروری ہیں۔ ہم خوشی بلکہ فخر سے اُسکے خدام کی فہرست میں شامل ہوئے ہیں۔ خداوند تعالی حلقہ کے مقاصد میں برکت اور

ہم کو خدمت کی توفیق وسعادت نصیب فرمائے ✦ نیازمند

نیاز آگین حاجی عبدالرحیم صاحب حبیب الرحمٰن

نظام الدین بقلم نظام الدین

حبیب اللہ

مولانا ابوالکلام آزاد دہلوی۔ اپنی زریں رائے کا اسطرح اظہار فرماتے ہیں

موجودہ زمانے میں کہ دماغ ذوق وکیفیت سے خالی اور قلوب سوز وگداز سے محروم ہیں۔ اس سعی کی کیونکر داد نہ دوں جو محب ولی خواجہ حسن نظامی صاحب حلقہ نظام المشائخ کی تاسیس کی صورت میں فرما رہے ہیں۔ آج خوش قسمتی سے مجھے منزل گاہ حلقہ موصوف کی ایک پر ذوق صحبت میں شرکت کا اتفاق ہوا جسکی کیفیت مدت تک محسوس کروں گا۔ حلقہ کی فہرست ارکان وخدام ورجسٹر حساب وکتاب سب دیکھے اور اسمیں شک نہیں کہ ان میں سے ہر چیز حلقہ کی اہمیت اور خوبی انتظام کی شاہد ہے ✦

ابوالکلام آزاد دہلوی۔ ۲۹۔ مارچ ۱۹۱۰ء

علامہ شبلی نعمانی۔ ارقام فرماتے ہیں۔

حلقہ کی جو ضرورتیں میں نے سُنیں اُن سے کسکو اختلاف ہوسکتا ہے۔ اسلام کی روحانیت کا مظہر صرف تصوف ہے۔ لیکن موجودہ تصوف سے زیادہ کوئی چیز قابل اصلاح نہیں۔ اسلیئے اسکے مراسم وعادات کی اصلاح کا قصد کرنا۔ بہترین خدمات اسلامی ہیں ✦

میں نے حلقہ کے متعدد رجسٹر دیکھے نہایت خوش ترتیبی سے تیار کیے گئے ہیں۔ خدا خواجہ حسن نظامی صاحب قدس اللہ سرہٗ کی کوششوں کو کامیاب کرے ✦

شبلی۔ ۳۰۔ مارچ ۱۹۱۰ء

نوٹ ابتدا میں جو تحریر ہے وہ جناب مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی رئیس بھیکم پور ضلع علی گڈھ کے قلم کی لکھی ہوئی ہے۔ مولوی صاحب ممدوح صرف باوجود دولت دنیا رکھنے کے دولت دین حاصل کرنیکی ہمیشہ کوشش کرتے رہتے ہیں۔ یہ تحریر اُسوقت لکھی گئی ہے کہ ندوۃ العلماء کے کہ ا... اگلا ... موجود تھے

آلِ محبوبؓ

جناب ایڈیٹر صاحب رسالہ نظام المشائخ - السلام علیکم ورحمۃ اللہ
ہم نے سنا ہی کہ ربیع الثانی کے رسالہ نظام المشائخ میں ہمارے حضور سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے حالات شائع ہونگے۔ اسلیئے ہم چاہتے ہیں کہ جمیع متعلقین درگاہ حضرت ممدوح کی نسبت کچھ قلمبند کریں۔ تاکہ لوگوں کو ہمارے حالات سے آگاہی ہو اور آیندہ نسلیں اپنے حسب و نسب سے واقف رہیں۔ امید ہے کہ آپ ان چند سطروں کو اپنے پرچہ میں جواب دیں گے ؛

واضح ہو کہ ہماری درگاہ میں کوئی شخص سجادہ نشین یا متولی نہیں ہے۔ سب لوگ مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ سے لیکر آجتک یہاں کوئی مخصوص آدمی بحیثیت رسم دنیا سجادہ نشین نہیں ہوا۔ انتظام وغیرہ ہم سب لوگ باہمی مشورہ سے کرتے ہیں۔ اور اس مشورہ میں کوئی شخص کسی پر فوقیت نہیں رکھتا ؛

ابتدا سے اس درگاہ میں ہمارے چار خاندان تھے اور ہیں۔ جن کی اسم وار تفصیل حسب ذیل ہے۔

فریق اوّل۔ نبیرگان۔ اس فریق کو نبیرہ زادہ کہتے ہیں۔ یہ لوگ حضرت شیخ الاسلام بابا فریدالدین گنجشکر کی صاحبزادی کی اولاد سے ہیں۔ انکے جد اعلےٰ حضرت خواجہ سید محمدؒ امام صاحب کو حضرت سلطان المشائخ نے اپنے پاس بلا لیا تھا۔ اور ہمیشہ اپنے پاس رکھا۔ یہیں انکی اولاد ہوئی۔ اور حضرت سلطان المشائخ کی آل[1] سے

---

[1] آل سے مراد حضرت کی ہمشیرہ کی اولاد ہے ورنہ حضرت نے تو شادی کی ہی نہ تھی ۱۲ محمد صادق

رشتہ داریاں ہونے لگیں۔ اس اعتبار سے اس فریق کا تعلق حضرت باباصاحب اور حضرت سلطان المشائخ دونوں کی آل سے ہے۔ اس فریق میں آجکل تقریباً ۴۵ آدمی ہیں جن میں عورتیں بچے وغیرہ بھی ہیں۔ اس فریق کے موجودہ چند آدمیوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ سید مبارک علی۔ سید ظفر علی۔ سید حسن علی۔ سید شمشاد علی۔ سید نور احمد۔ سید اکبر علی۔ سید ناصر علی۔ سید مظفر علی۔ سید حسن نظامی۔ سید دلدار علی سید شجاعت علی وغیرہ۔

فریق دوم کا نام ہارونی تھا۔ یہ حضرت خواجہ رفیع الدین ہارون کی اولاد میں تھے۔ اور خواجہ رفیع الدین ہارون حضرت سلطان المشائخ کے خاص ہمشیرزادہ تھے مگر افسوس کہ اس فریق میں اب کوئی مرد باقی نہیں رہا۔ صرف دو عورتیں زندہ ہیں اس فریق کے حقوق بحیثیت وراثت وہیچ و شمار باقی ماندہ تینوں فریق میں تقسیم ہیں

فریق سوم کو ہندوستانی کہتے ہیں۔ یہ حضرت خواجہ سید ابو بکر مصلے بردار کی اولاد ہیں۔ جو حضرت سلطان المشائخ کے مرید خاص اور قرابت دار تھے۔ اس خاندان کو بھی حضرت سلطان المشائخ کی آل سے رشتہ و تعلق ہے۔ اس فریق میں تقریباً ۵۰۔ آدمی ہیں۔ جن میں سے چند نام لکھے جاتے ہیں۔

سید شرف الدین۔ سید علیم الدین۔ سید وزیر الدین۔ سید امین الدین۔ سید فدا علی سید حبیب حسین۔ سید شفیق حسین۔ سید حمزہ علی۔ سید حفیظ حسین۔ سید صمصام الدین سید احمد علی۔ سید غلام معین الدین۔ سید محبت علی۔ وغیرہ۔

فریق چہارم کا نام قاضی زادگان ہے۔ یہ حضرت قاضی محی الدین کاشانی کی اولاد ہیں۔ قاضی صاحب بھی حضرت سلطان المشائخ کے ممتاز مریدین میں تھے اور ان کا رشتہ بھی سلطان المشائخ کی آل سے ہوا۔ ہوتا رہا اور ہے +

اس فریق میں چالیس ۴۰ سے زیادہ آدمی ہیں جنمیں سے چند نام یہ ہیں سید

ظہور علی۔ سید محمد صادق۔ سید لیٰسین علی۔ سید رحمت علی۔ سید مسعود علی۔ سید واجد علی۔ سید علی وغیرہ

ہمارے ہاں چند عہدے ہیں جن کا اختیار کلی ہم سب کو ہی۔ اور ہم سب کی رہنمائی ہی سے اُن کا نظم و نسق ہوتا ہے۔ اور ہمارے اجماع سے ایک ایک آدمی ایک ایک عہدہ کے فرائض کو ادا کرتا ہے۔ اور وہ عہدے یہ ہیں ✤

توشہ خانہ۔ فراشں خانہ۔ مشعل خانہ۔ جاروب خانہ۔ فاتحہ خوانی وغیرہ۔

الغرض حاصل کلام یہ ہے کہ ہم سب جسقدر اس آستانہ میں رہتے ہیں سب کو حضرت سلطان المشائخ کی آل سے تعلق و رشتہ داری کا فخر حاصل ہی۔ اور کوئی ہم میں ممتاز و بارسوخ نہیں ہے۔ سب ساوی ہیں ✤

راقم فقیر محمد صادق خواہر زادہ حضرت محبوب الٰہیؒ

احسن الاذکار فی مناقب غوث الابرار۔ یہ ایک سو ساٹھ صفحہ کی کتاب نواب محمد علی خانصاحب رئیس رام پور نے حضرت غوث الاعظم محبوب سبحانی کے متبرک حالات میں لکھی ہی واقعات ذوق وکیف کے انداز سے مرتب کئے گئے ہیں۔ اخبار نیر اعظم مرادآباد کے مشہور معروف ملک ایس۔ ابن علی صاحب نے اسکو چھاپا ہی بارہ آنہ قیمت ہی

انوار غوثیہ۔ سہروردیہ خاندان سے آجکل لوگوں کو بالکل بے خبری ہی مگر اس سلسلہ کے معزز اور روشن خیال رکن خان بہادر مخدوم حسن بخش صاحب سجادہ نشین خانقاہ حضرت غوث بہاؤالدین زکریا ملتانی نے انوار غوثیہ کے نام سے ایک کتاب سہروردیہ بزرگوں کے حالات میں قلمبند فرمائی ہے جو اس قابل ہی کہ ہم آئندہ اسپر مفصل ریویو کریں بالفعل اسکا سرسری ذکر کر دیا گیا ہی۔ کتاب ہمہ صفت مکمل اور ازسرتاپا مفید باتوں سے مملو ہے۔ اور خاصکر طبقہ مشائخ کو مخدوم صاحب کی اس کوشش کی داد دینی چاہیئے ✤

شانِ محبوب

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات کو صرف طبقۂ صوفیہ ہی میں ہردلعزیزی اور قبولیت عام حاصل نہیں ہے بلکہ وہ لوگ بھی آپ کی شان محبوبی کے قائل و معترف ہیں جنکو اربابِ تصوف سے علیحدہ سمجھا جاتا ہو اور جو اس دور جدید اور نئی روشنی کے لوگوں پر خاص اثر اور برتری رکھتے ہیں۔ مثلاً نواب محسن الملک مرحوم نے حضرت مرشدنا خواجہ حسن نظامی کے نام ایک خط میں حضرت محبوب الٰہیؒ کی نسبت جو خیالات ظاہر کیے ہیں اُن کا اقتباس لکھا جاتا ہے ۔

وہ خاص اپنی قلم سے تحریر فرماتے ہیں :-

"مخدوم و محترم جناب خواجہ حسن نظامی صاحب - آپنے جو دعانامہ مشائخ کیطرف سے حضور پرنس آف ویلز کو اُن کے کالج میں تشریف لانیکے وقت بھیجا وہ ایک ایسا احسان ہے جسکو مسلمان ہمیشہ یاد رکھیں گے ۔ میں ایسے الفاظ نہیں پاتا جنسے آپکی اس بے ریا خدمت قومی کا شکریہ ادا ہو سکے ۔ حضور پرنس آف ویلز کے دل پر آپ کے دعانامہ کا بڑا اثر پڑا ۔ سلطان الاولیاء اور محبوب خدا کے حجرہ سے بلا کسی بیرونی تحریک کے ایسی بروقت اور مفید بات کا پیش ہونا دلیل ہے اس امر کی کہ اب مسلمانوں کے دن پھرنے والے ہیں ۔ محبوب خدا حضرت نظام الدین اولیاء کا یہ فیض ہمیشہ سے جاری ہے اور رہیگا" +

محسن الملک

خان بہادر شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب دست خاص سے لکھتے ہیں :-

"حضرت نظام الدین اولیاء کی یہ ایک کرامت ہی کہ انکے مزار پر جناب مسٹر آر کلارک صاحب کمشنر دہلی نے اپنی جیب سے سنہری چھت بنوادی" +

ذکاء اللہ

کئی برس کا ذکر ہے کہ جناب میرزا غلام احمد صاحب قادیانی دہلی میں تشریف لائے تھے۔ اسوقت حضرت محبوب الٰہی کے مزار مبارک پر بھی حاضر ہوئے اور دیر تک مراقب رہے تھے۔ زیارت مزار کے بعد حضرت خواجہ حسن نظامی کے خاص حجرہ میں بھی تشریف لے گئے تھے۔ اور خواجہ صاحب سے تخلیہ میں دیر تک کشف قبور و کشف قلوب کے مسائل پر باتیں ہوتی تھیں۔ اثنائے گفتگو میں خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اگرچہ اسوقت ان ساٹھ ستر آدمیوں نے جو آپکے ہمراہ آئے ہیں۔ آپ کو اس ادب قاعدہ سے زیارت کرتے دیکھ لیا ہے۔ مگر آئندہ نسلیں شاید اسپر یقین نہ لائیں کہ جو شخص مامور من اللہ اور مسیح وقت ہونیکا دعویدار ہو وہ اولیاء کے مزاروں کی زیارت کو گیا لہذا بطور یادگار یہاں زیارت کیلئے آنیکا ذکر لکھدیجئے۔ چنانچہ میرزا صاحب نے قادیان سے خواجہ صاحب کے نام اپنے ہاتھ سے لکھکر یہ خط بھیجا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ خاتم النبیین وآلہ وصحبہ وجمیع عباد اللہ الصالحین اما بعد۔ شعبان المبارک ۱۳۲۳ھ میں جب مجھے دہلی جانے کا اتفاق ہوا تو مجھے ان صلحاء اور اولیاء الرحمن کے مزاروں کی زیارت کا شوق پیدا ہوا جو خاک دہلی میں سوئے ہوئے ہیں۔ کیونکہ جب مجھے دہلی والوں سے محبت اور انس محسوس نہوئی تو میرے دل نے اس بات کے لیئے جوش مارا کہ وہ ارباب صدق و صفا اور عاشقان حضرت مولیٰ جو میری طرح اس زمین کے باشندوں سے بہت سا جور و جفا دیکھکر اپنے محبوب حقیقی کو جا ملے۔ انکے متبرک مزاروں کی زیارت سے اپنے دل کو خوش کروں پس میں اسی نیت سے حضرت خواجہ شیخ نظام الدین ولی اللہ رضی اللہ عنہ کے مزار متبرک پر گیا۔ اور ایسا ہی دوسرے چند مشائخ کے متبرک مزاروں پر بھی۔ خدا ہم سب کو اپنی رحمت سے معمور کرے آمین"۔ راقم عبد اللہ الصمد غلام احمد المسیح الموعود من اللہ الاحد القادیانی

فروری ۱۹۰۹ء میں خط کے ذریعہ سے خواجہ صاحب نے جناب حکیم نورالدین صاحب جانشین حضرت مرزا صاحب قادیانی سے حضرت محبوب الٰہیؒ کی شان محبوبیت کی نسبت انکے عقائد دریافت کیے تھے جسکے جواب میں حکیم صاحب نے یہ لکھا۔

مکرم معظم جناب السلام

کرمت نامہ پہنچا۔ اسپر عرض ہے کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری کو میں اور ہماری جماعت اصح الکتب یقین کرتے ہیں اسمیں لکھاہے کہ ایک بار سرور عالم فخر بنی آدم خاتم المرسلین سید الاولین والآخرین کے حضور صلے اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرام شرف اندوز تھے۔ اور ایک جنازہ گزرا اور اس مطہر و مزکی جماعت نے اسکی تعریف کی۔ عربی عبارت میں ہے اثنوا علیہ خیراً فقال وجبت۔ پھر ایک اور جنازہ گزرا تو اسکی مذمت ہوئی۔ پھر ارشاد ہوا۔ وجبت۔ وجبت کے معنی ہیں کہ اسکے لیئے واجب ہوچکی۔ حضرات صحابہ کرام نے عرض کیا۔ ماوجبت یارسول اللہ۔ کیا واجب ہوا۔ فرمایا الذی اثنیتم علیہ خیراً فوجبت لہ الجنۃ واما الذی اثنیتم علیہ شراً فوجبت لہ النار۔ انتم شہداء فی الارض جسکی تم نے تعریف کی اُسکے لیئے جنت واجب ہوئی۔ اور جسکی تم نے مذمت کی اُسکے لیئے دوزخ واجب ہوئی۔

اب جو میں قرآن کریم کو پڑھتاہوں تو اسمیں ارشاد ہے۔ وکذلک جعلنکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ حقیقت ہر زمانہ کے اخیار میں طاری وساری ہے اور ہمیشہ اسکے مطابق ہم مشاہدہ کرتے ہیں اور اس معیار پر میں نے حضرت نظام الحق والدین سلطان الدنیا والعقبےٰ کو دیکھا تو سات سوبرس کے قریب قریب ہوتاہے کہ ہزاروں ہزار اخیار آپ کی مدح میں رطب اللسان ہیں۔ اگر یہ مشت خاک ان ابرار و اخیار کے ساتھ ہم آواز نہو تو حسب الارشاد ومن یتبع غیر سبیل المؤمنین نولیہ ماتولی ونصلیہ جہنم وساءت مصیرا مجھے کون

بدقسمت ہوسکتا ہو۔ پس میرا دلی یقین یہ ہے کہ وہ محبوب الٰہی حسب تزکیۂ شہدا اللہ واقعی محبوب الٰہی تھے۔ یہ ہی میرا دلی اعتقاد ہے۔ عام لوگوں کی اجنبیت انشاء اللہ نزدیک بجوی نئے انذد کا رنگ رکھتی ہے ؎

کاش آنانکہ عیب من گیرند　　روئے آں دلستاں بدیدندے

نورالدین

ہندوستان کے سابق وائسرائے لارڈ کرزان بہادر کو حضرت محبوب الٰہیؒ کی درگاہ سے خاص انس تھا۔ یہاں اکثر حاضر ہوتے تھے اور یہاں کی تعمیرات میں انہوں نے بہت کچھ خرچ کیا تھا۔ ایک دفعہ خواجہ حسن نظامی صاحب نے لاٹ صاحب موصوف کے اس شوق کی تعریف کی تو انہوں نے ان کو جواب میں لکھا کہ:۔

"مجکو آپ کی مسجدوں اور خانقاہوں سے دلی محبت ہے اور میں اُنکی خدمت گزاری کو اپنا فرض تصور کرتا ہوں"۔

جب وہ ہندوستان سے جانے لگے تو ۱۴۔ نومبر سنہ ۱۹۰۵ء کو آگرہ کے مقام سے خواجہ صاحب کو اپنے ہاتھ سے لکھکر یہ خط بھیجا جو اُنکی اندرونی الفت کو ظاہر کرتا ہے:

"وائسرائے کی آرزو ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی درگاہ اپنے رسوخ اور اثر کے ساتھ ہمیشہ برقرار رہے"۔ **کرزن** (وائسرائے ہند)

حیدرآباد دکن کے موجودہ مدارالمہام سر راجہ کشن پرشاد مع القاب کو بھی حضرت محبوب الٰہی سے خاص لگاؤ ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنے ہاتھ سے یہ رباعیاں لکھکر آستانۂ پاک میں پیش کی تھیں:۔ **رباعیات**

محبوب ہے محبوب ہے محبوب الٰہیؒ　　اسواسطے ڈھونڈا ہی ترا میں نے سہارا
آیا ہی یہ ناشاد اس امید سے در پہ　　"شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا"

دوسری رباعی حضرت امیر خسرو رح کی شان میں ہے:۔

مرے خسرو دیں مرید نظام — بحق محمد علیہ السلام
کرم کی نظر ہو مرے حال پر — یہ ناشاد ہو جائے بس شاد کام

کشن پرشاد

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایم اے بیرسٹرایٹ لا لاہور حضرت محبوب الٰہی رح کے دیرینہ حلقہ بگوشوں میں ہیں۔ حضرت کی شان میں ان کے قلم سے بہت کچھ شائع ہو چکا ہے ولایت جاتے وقت جو نظم انہوں نے خود مزار مبارک کے سامنے پڑھی تھی۔ اسکا اقتباس یہ ہے:-

فرشتے پڑھتے ہیں جسکو وہ نام ہے تیرا — بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا
تری لحد کی زیارت ہے زندگی دلکی — مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
ترے وجود سے روشن ہے راہ منزل شوق — دیار عشق کا مصحف کلام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگ محبوبی — بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا
ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم — نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا
کرم کرم کہ غریب الدیار ہے اقبال — مرید پیر نجف ہے غلام ہے تیرا

اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار توام
وگر کشادہ جبینم گل بہار توام

کیا ہے تیرا اسقدر نے مدح خواں مجھکو — کہے ہزار مبارک مری زباں مجھکو
بیاں کروں تپش عشق کو تو آتش دل — شرار بنے پے تمہید داستاں مجھکو
میں تفتہ دل ہوں پرانا نیاز مند ترا — دکھایا آج خدا نے یہ آستاں مجھکو
مرے سفینہ کو تو نے کنارہ بوس کیا — اماں نہ دیتا تھا جب بحر بیکراں مجھکو
نظر ہے ابر کرم پر درخت صحرا ہوں — کیا خدا نے نہ محتاج باغباں مجھکو
فلک نشیں صفت مہر ہوں زمانہ میں — تری دعا سے عطا ہو وہ نردباں مجھکو
مری زبان قلم سے کسیکا دل نہ دکھے — کسی سے شکوہ نہو زیر آسماں مجھکو

رہوں میں خادمِ خلقِ خدا جیوں جبتک — نہیں ہے آرزوئے عمر جاوداں مجکو
یوں ہی بنی رہے محفل مرے احباب کی — ہرا بھرا نظر آئے یہ بوستاں مجکو
بھلا ہو دونوں جہاں میں حسن نظامی کا — ملا ہے جس کی بدولت یہ آستاں مجکو
قسم ہے اسکے دلِ دردمند کی آقا! — تری ثنا کیلئے حق نے دی زباں مجکو

شگفتہ ہوکے کلی دل کی پھول ہوجائے
یہ التجائے مسافر قبول ہوجائے

اقبال

غیرتِ الٰہی

عبرت اور ڈرنے کا مقام ہے۔ یہ انسان چار دن کی زندگی پر کیا کیا لن ترانیاں دکھاتا ہے مگر آخرکار منہ کے بل گرتا ہے +

ابھی تھوڑے دن کا ذکر ہے۔ حلقہ نظام المشائخ کی طرف سے میرزا حیرت صاحب کو پیام دیا گیا تھا کہ وہ اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگان دین کو گالیاں دینی چھوڑ دیں۔ اور اگر انکو کوئی علمی شبہ ہو تو مشائخ انکی ظاہری و باطنی تسلی کے واسطے تیار ہیں ورنہ بعض صاحبِ کشف و شہود حضرات کے بیان کے موافق میرزا صاحب عنقریب قہر ذوالجلال میں مبتلا ہونیوالے ہیں۔ لیکن افسوس کہ میرزا حیرت نے حلقہ کی ہمدردانہ صلاح کو نہایت غرور و تکبر سے واپس کر دیا +

آخر جباری شان نے جیل خانہ کی ہتکڑی کی صورت میں ظاہر ہوکر میرزا صاحب کے اُس ہاتھ کو مقید کر لیا جسنے ہزاروں مقربانِ بارگاہ الٰہی کو بے نقط سنائیں تھیں جسکی نسبت میرزا صاحب کا دعوے تھا کہ خدا کا ہاتھ میرے ہاتھ کے ساتھ میز پہ کام کرتا ہے۔ یعنی جعلسازی کے جرم میں میرزا حیرت صاحب کو ۳ برس قید سخت اور ایک ہزار جرمانہ جسمیں تین ماہ تنہائی بھی ہے کی سزا ہوئی۔ تا فیصلہ اپیل

ذِکرِ محبوب رح

حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی رح کی سوانح عمری نہایت اہتمام سے تیار کی جارہی ہے جو عنقریب شائع ہوگی۔ اسوقت چونکہ عرس حضرت محبوب الٰہی رح کا زمانہ ہے مجمل طریق سے تھوڑا سا ذکر کردیا جاتا ہے۔ ناظرین سوانح عمری سے آپ کی زندگی کی شان کا اندازہ کرسکینگے۔

آپ کا پورا نام مع مشہور القاب سلطان المشائخ شیخ نظام الدین محمد اولیا محبوب الٰہی رح ہے۔ شیخ کا لفظ آپکے نام کے ساتھ محض تعظیماً و تکریماً بولا جاتا ہے ورنہ آپ ماں باپ دونوں کی طرف سے حسینی سید ہیں۔ والد بزرگوار کا سلسلہ ۷ واسطوں کے بعد اور والدہ ماجدہ کا ۱۸ واسطوں کے بعد حضرت امام سے جا ملتا ہے۔ آپکے دادا حضرت خواجہ علی البخاری۔ اور آپکے نانا حضرت خواجہ عرب البخاری۔ جیساکہ دونوں بزرگوں کے ناموں سے ظاہر ہے۔ بخارا میں رہتے تھے۔ اور ایک دوسرے سے انتہا درجہ کا اتحاد اور ربط ضبط رکھتے تھے۔ جس زمانہ میں بخارا چنگیزی فتنے کی زد میں آیا۔ دونوں حضرات نے صلاح مشورہ کرکے ہندوستان کی راہ لی۔ اور اپنے اپنے خاندان کو لیکر لاہور میں آرہے۔ یہاں حضرت خواجہ علی البخاری کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا اور حضرت خواجہ عرب البخاری کے ہاں ایک لڑکی۔ کچھ عرصہ تک لاہور میں رہکر یہ دونوں خاندان بدایوں میں منتقل ہوگئے اور وہاں پہنچکر حضرت خواجہ علی اور حضرت خواجہ عرب نے تعلقات کو اور مضبوط اور مستحکم بنانے کیلئے اپنے لاہوری زائیدہ بچوں کو ایک دوسرے سے منسوب و منکوح کردیا یہی دونوں حضرت محبوب الٰہی قدس سرہ کے والدین ہیں۔ والد۔ جنکا نام نامی حضرت خواجہ سید احمد رح ہے۔ خود بھی ایک ممتاز بزرگ گزرے ہیں۔ ان کا مزار مبارک ہیں

بدایوں میں ہے۔ اور آجکل انکی سجادہ نشینی کا شرف حلقۂ نظام المشائخ کے ایک نہایت جوشیلے رکن جناب سید فضل حسن صاحب نظامی کو حاصل ہے۔ والدہ المعروف بہ بی بی زلیخا ان کے حالات بھی انہیں رابعہ ثانی کے خطاب کا مستحق ٹہیراتے ہیں۔ ان کا مزار قطب صاحب کے راستہ میں یعنی دلی اور مہرولی کے درمیان اَدھ چنی گانوں میں واقع ہے۔ اور بی بی نور کی درگاہ کے نام سے مشہور ہے +

حضرت سلطان المشائخ کا سال ولادت ۶۳۴ ہے۔ ماہ ولادت صفر۔ یوم ولادت چہارشنبہ۔ وہ جو آخری چہار شنبہ[۱] کہلاتا ہے۔

اور بزرگان دین کی طرح آپ کو بھی بالکل کم سنی کے زمانے میں داغ یتیمی اُٹھانا پڑا۔ تعلیم و تربیت آپ کی صرف والدہ ہی کی زیر نگرانی ہوئی۔ آپنے بہت تھوڑی عمر میں حدیث۔ تفسیر۔ فقہ۔ اصول۔ ہیئت۔ ہندسہ۔ منطق۔ معانی۔ ان تمام علوم کو تحصیل کرلیا۔ اور نہ صرف تحصیل کرلیا بلکہ اپنے زمانہ کے ممتاز علما میں شمار کیے جانے لگے۔ لوگوں نے آپکا نام مولانا نظام الدین بحاث محفل شکن رکھدیا۔ علوم ظاہری کی فراغت کے بعد باطنی مدارج حاصل کرنے کیلئے اجودہن جسکو آجکل پاکپٹن کہتے ہیں۔ اور جہاں جناب شیخ الاسلام حضرت بابا فرید الدین گنجشکر تشریف رکھتے تھے حاضر ہوئے

[۱] آخری چہارشنبہ مسلمانوں میں خاص نظر امتیاز سے دیکھا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کی وجہ محقق نہیں ہے لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس دن کی مقبولیت کا سبب یہی ہے کہ یہ محبوب رب العالمین کا یوم تولد ہے۔ چہارشنبہ کو حضرت سلطان المشائخ سے خاص نسبت یگانگت ہے آپ اُس دن صرف پیدا ہی نہیں ہوئے بلکہ آپکے مکتب جانے اور درس شروع کرنے کا دن بھی یہی روز چہارشنبہ تھا۔ فارغ التحصیل بھی آپ چہارشنبہ ہی کو ہوئے۔ ظاہری مدارج کے بعد جب باطنی مراتب کی تکمیل کا قصد ہوا تو بیعت بھی چہارشنبہ ہی کو حاصل ہوئی۔ خلافت بھی چہارشنبہ ہی کے دن ملی۔ حتیٰ کہ آخری وصال جو فراق روح و جسم سے عبارت ہے وہ بھی چہارشنبہ ہی کو واقع ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کے مزار مبارک پر اور مزارات کے خلاف دستور پنجشنبہ کو زائرین

جسوقت حضرت باباصاحب کی آپ پر نگاہ پڑی جوش مسرت سے کھڑے ہوگئے۔ اور بیتابانہ آغوش شفقت کو کھولکر حضرت کو گلے لگایا اور یہ شعر پڑھا ؎

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ　　سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

تمہاری آرزو میں سیکڑوں آنکھیں ترستی ہوئی بند ہوگئیں۔ ہزاروں دلوں میں ارمان رہا کہ تمہارے وقت ظہور کو پاتے۔ میرے پاس بہت سے بزرگوں کے سلام و پیام ایں سلسلہ وار مجھ تک پہنچے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ آج میں اپنے فرض سے ادا ہوتا ہوں اور اُسکا احسان ہے کہ اُسنے تمکو دکھایا۔ اسکے بعد حضرت باباصاحب نے داروغہ لنگر کو بلا کر حکم دیا کہ اس دہلوی درویش کے لیئے لنگر میں آرام کی جگہ مہیا کردو۔ اور چارپائی بچھوا دو۔ حضرت محبوب الٰہی رح فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ دیکھا کہ لنگر خانے میں متعدد ضعیف العمر درویش زمین پر کمبل بچھائے لیٹے ہیں تو مجکو چارپائی پہ لیٹتے ہوئے لحاظ آیا اور لنگری سے عذر کیا کہ میں چارپائی پر نہیں لیٹ سکتا۔ یہ خبر حضرت باباصاحب کو بھی ہوئی اور آپنے کہلا بھیجا کہ نہیں تم کو چارپائی پر سونا چاہیئے۔ اس سے حضرت باباصاحب کی ایک مخصوص نوازش کا اندازہ ہوتا ہے۔ معمول تھا کہ ہر درویش لنگر کی کوئی نہ کوئی خدمت انجام دیتا تھا۔ یعنی کوئی شخص جنگل سے لکڑیاں لاتا۔ کوئی پانی۔ کوئی مٹی کے ڈھیلے۔ الغرض اسیطرح یہ خدمتیں انجام پاتی تھیں۔ حضرت محبوب الٰہی صاحب نے عرض کی کہ مجکو بھی کوئی خدمت ملنی چاہیئے۔ ارشاد ہوا کہ تم ہمارے کھانے کا اہتمام کیا کرو۔ اس سے بھی حضرت محبوب الٰہی کی برگزیدگی معلوم ہوتی ہے۔ القصہ چند ہی روز کی صحبت کے بعد شرف بیعت و خلافت سے مشرف ہوکر ولایت دہلی کی سند حاصل کی اور دہلی تشریف لائے

دہلی میں اسوقت غیاث الدین بلبن کی حکومت تھی۔ غیاث الدین کے بعد معزالدین کیقباد بلبن کا پوتا تخت نشین ہوا۔ اُسکو حضرت محبوب الٰہی سے بیحد عقیدت تھی اس لیئے اُس نے آپ کی خانقاہ کے قریب (جو موضع غیاث پور میں برکنارہ دریائے جمن واقع ہے)

آپ نے محل بنوائے۔ لکھا ہے کہ شاہی محلوں سے آپکی خانقاہ تک ایک میل کا فاصلہ تھا مگر خلقت اس کثرت سے آتی جاتی تھی کہ وہ ایک میل کا راستہ بالکل آراستہ بازار بن گیا تھا کیقباد کے بعد حکومت خلجی خاندان میں آئی جلال الدین خلجی اور علاء الدین خلجی کو بھی آپ سے بیحد عقیدت رہی مگر علاء الدین کا بیٹا قطب الدین خلجی آپ کا دشمن ہو گیا۔ اور اس دشمنی کے سبب قہر الٰہی کے خنجر کا شکار ہوا اور مارا گیا۔ قطب الدین کے بعد خسرو خاں نے اپنی چار ماہا بادشاہت میں نمایشی اور دنیا سازی طریق سے حضرت محبوب الٰہی کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کیا لیکن خسرو خاں کے بعد غیاث الدین تغلق نے تخت حاصل کرتے ہی حضرت کی مخالفت پر کمر باندھی جس کی پاداش میں غیب کی بجلی نے گر کر اسکا کام تمام کر دیا یعنی غیاث الدین ایک مکان کے نیچے دبکر مر گیا۔ غیاث الدین کے مرنیکے بعد صرف ۵ مہینے حضرت محبوب الٰہی جسم ظاہری میں موجود رہے۔ آخر ۱۸۔ ربیع الثانی یوم چہارشنبہ ۷۲۵ھ ۸۹ سال کی عمر میں رحلت فرمائی +

آپ کی زندگی کے حالات ایسے شاندار اور فیض و برکات سے مملو ہیں کہ ضخیم سے ضخیم کتابوں میں انکا سمانا مشکل ہے۔ صدہا آدمیوں نے آپکے ملفوظات جمع کیے اور تذکرے لکھے ہیں جنمیں حضرت امیر خورد کا تذکرہ سیر الاولیاء اور حضرت امیر خسرو کا ملفوظ افضل الفوائد اور حضرت امیر حسن کا ملفوظ فوائد الفواد۔ بہت شہرہ آفاق ہیں۔ اسیطرح ہر زمانہ اور عہد میں مختلف لوگوں نے آپکے حالات قلمبند کیے ہیں۔ ان میں ایک تذکرہ جو خواجہ محمد بولاق صاحب نے آج سے ڈیڑھ سو برس پہلے لکھا تھا۔ بہت معقول معلومات کا ذخیرہ ہے خواجہ محمد بولاق صاحب حضرت محبوب الٰہی کی درگاہ کے متعلقین میں سے تھے۔ اس تذکرے کا اردو ترجمہ ہمارے کرمفرما خاکسار عالم غلام نظام الدین صاحب تاجر کتب تصوف چاندنی چوک نے شواہد نظامی کے نام سے چھپوایا ہے جو ایک روپیہ کو انسے ملسکتا ہے +

حضرت محبوب الٰہی کے اخلاق بچپن سے پختہ اور صاف نظر آتے تھے۔ جب آپ

والد کا انتقال ہوا۔ آپ کی عمر پانچ برس کی تھی۔ گھر میں آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا والدہ ماجدہ سوت کات کر وجہ معاش پیدا کرتی تھیں۔ جس گھر میں چار آدمی کھانے والے اور آمدنی نہ ہو۔ کئی کئی وقت کے فاقے گزر جاتے تھے۔ چنانچہ خود حضرت محبوب الٰہی سے روایت ہے کہ جس دن کہ میں فاقہ ہوتا تو والدہ مجھ سے فرماتیں بابا نظام! آج ہم خدا کے مہمان ہیں۔ میں فوراً سمجھ جاتا کہ فاقہ ہے۔ اور مجھکو خدا کی مہمانی کے لفظ میں ایسا مزا آتا تھا۔ جب متواتر کئی دن کھانا ملتا رہتا تو میں دلمیں حسرت سے کہتا کہ الٰہی وہ دن کب آئیگا کہ اماں خدا کی مہمانی کا ذکر کریں گی۔ جس شخص کا بچپن میں یہ عالم ہو تو ظاہر ہے کہ جوانی اور بڑھاپا کیسا کچھ ہوگا۔ جن دنوں آپنے دہلی کی خلافت حاصل کی ہے۔ بیس برس کی عمر تھی۔ اور یہ زمانہ خاص ولولوں اور امنگوں کا ہوتا ہے۔ اِس زمانہ کو زیر کرکے اپنی ہستی خدا کی یاد میں مٹا دینا آپ ہی کا حصہ تھا۔ چونکہ آپنے شادی نہیں کی تھی۔ اور دنیاوی تفکرات سے بالکل آزاد تھے۔ بڑے بڑے تاجدار آپکے دروازے پر سر جھکانا اپنی عزت سمجھتے تھے ہزاروں آدمی آپکے دسترخوان پر روزانہ کھانا کھاتے تھے۔ اِسلیئے لوگوں کو یہ خیال ہوگیا تھا کہ آپسے بڑھکر دنیا میں کوئی شخص فارغ البال نہیں ہے۔ آپ کی زندگی بڑی بیفکری اور عیش و راحت سے گزرتی ہے۔ حضرت کو بھی لوگوں کے اِس خیال کا علم ہوا اور آپنے ایک مجلس میں فرمایا۔ اگرچہ میں تعلقات خانگی سے آزاد ہوں اور اللہ تعالیٰ نے میری ضروریات زندگی کا ہر طرح انتظام فرمادیا ہے۔ لیکن ہر شخص کی تکلیف کا حال سنکر تکلیف مجھے اتنا ہی محسوس ہوتا ہے جتنا خود اپنے اوپر اِس سختی کے واقع ہونیسے ہوتا۔ یہ جتنے اہل و عیال والے ہیں جنکو خانگی ضروریات فکرمند رکھتی ہیں۔ اِن سب کی فکر میرے حصہ میں اتنا ہی آتا ہے جتنا زندگی کا حصہ جسم انسان کے مختلف اعضا میں پایا جاتا ہے ؎ بنی آدم اعضائے یکدیگر اند۔ سب انسانوں کو آپس میں ایسی ہمدردی اور غمخواری کرنی چاہیئے دوسرے کے درد کو اپنا درد اور دوسرے کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھے۔ حضرت محبوب الٰہی

کی زندگی میں دو وصف ایسے تھے جن کو اگر تفصیل سے لکھا جائے تو اصلاح انسانی کے لیئے بےمثل چیز ہو۔ ایک صف تحمل و برداشت اور دوسرا مہمان نوازی۔ یہ دونوں باتیں آپ کی ذات پر ختم تھیں تحمل کی یہ حالت تھی کہ دشمن آپ کو مُنہ در مُنہ گالیاں دیتے اور آپ بُرا نہ مانتے بلکہ گالی دینے والوں کو مصافحہ میں اشرفیاں عنایت کرتے تھے۔ مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ آخر وقت جبکہ آپ پر غشی اور استغراق کی حالت طاری تھی جب ہوش آتا تو یہ دریافت فرماتے کہ کوئی مہمان آیا ہ؟ اگر آیا ہو تو اُسے کھانا کھلاؤ اور میں نے نماز پڑھی؟ ۔لوگ عرض کرتے کہ جی ہاں۔ آپنے نماز ابھی ادا فرمائی ہے ارشاد کرتے کہ مجھے اُٹھاؤ اور نماز پڑھ لوں ۔ پھر خبر نہیں یہ وقت ملے یا نہ ملے۔

حضرت قرض کے سخت مخالف تھے اور فرماتے تھے کہ درویش کے توکل کے لیئے قرض ضد اور عکس ہے۔ ایک دفعہ جب آپ حضرت بابا صاحب کے لنگر خانے میں مہتمم تھے تو لنگر خانے میں نمک ختم ہو گیا۔ نقد کچھ پاس نہ تھا۔ آپنے اپنا عمامہ رہن رکھکر نمک خرید اور کھانا تیار کرایا۔ جسوقت وہ کھانا حضرت بابا صاحب کے سامنے لایا گیا۔ اور حضرت بابا صاحب نے اُسکا لقمہ اُٹھایا تو فوڑا یہ کہکر کہ کھانا بھاری ہے نوالہ دسترخوان پر رکھدیا۔ تمام حاضرین خوف سے کانپنے لگے۔ کسی نے عرض کی کہ میں لکڑیاں جائز مقام سے لایا تھا۔ کسی نے التماس کیا کہ پانی پاک جگہ سے لایا گیا تھا۔ جب سب لپنے اپنے بیان دیچکے تو حضرت باباصاحب نے حضرت محبوب الٰہی کیطرف دیکھا۔ آپ ہاتھ باندھکر کھڑے ہوگئے۔ اور عرض کی کہ کھانا اس بندے نے پکایا ہے اور احتیاط میں کوئی فرد گزاشت نہیں کی سوائے اسکے کہ نمک قرض لیکر ڈالا گیا ہے۔ حضرت باباصاحب نے کہا یہ بوجھ اُسی قرض کا ہے۔ آیندہ کبھی قرض نہ لینا کیونکہ قرض توکل کے لیئے ضد اور عکس ہے۔

اب کچھ حالات حضرت محبوب الٰہی کے عرس کے لکھے جاتے ہیں کہ آپکے عرس میں

کیا کیا رسمیں ہوتی ہیں تاکہ بیرونی خانقاہوں کے مشائخ کو اُس سے آگاہی ہو۔ اگرچہ تیرھویں ربیع الثانی سے فقرا اور درویش جمع ہونے لگتے ہیں۔ مگر عرس کی رسمیں ۱۷۔ ربیع الثانی کی رات سے شروع ہوتی ہیں۔ ۸ بجے مشائخ اور معتقدین خاص پیرزادگان درگاہ کے ہمراہ روضہ شریف کے اندر مزار مبارک کے گرد حلقہ باندھکر کھڑے ہوتے ہیں اور شکر مزار شریف کے دائیں پہلو میں رکھدیتے ہیں اور بغیر پنج آیت پڑھے شجرہ خوانی ہوتی ہے اور وہ شکر حاضرین کو تقسیم ہوجاتی ہے۔ اُسکے بعد سب لوگ باہر آتے ہیں اور صحن میں مزار شریف کے پائیں حلقہ بناکر بیٹھتے ہیں۔ اُسوقت روضہ کا پردہ چھوڑدیا جاتا ہے۔ اب باضابطہ پنج آیت وقرآن خوانی وشجرہ خوانی سے ختم ہوتاہے۔ اورختم کے بعد سماع شروع کیا جاتا ہے جو صبح تک ہوتا رہتاہے صبح کی نماز کے بعد مزار شریف کے سرہانے محفل قرآن خوانی منعقد ہوتی ہے اور اشراق کے وقت ایک اور ختم کیا جاتاہے۔ اس ختم کے بعد علماء وعظ کہتے ہیں۔ دس بجے مزار شریف کے پائیں صحن میں پھر ختم ہوتا ہے۔ اوراس ختم کے بعد سماع شروع ہوجاتا ہے جو شام کے ۴ بجے تک رہتا ہے۔ چار بجے آخری ختم یعنی قُل ہوکر محفل برخاست ہوجاتی ہے عوام کا میلہ تو اس آخری قُل کے بعد باقی نہیں رہتا۔ لیکن مشائخ ۱۹۔ تاریخ تک ٹھیرے رہتے ہیں۔ ۱۹۔ تاریخ کو دن کے ۱۱ بجے مزار شریف کے پائیں صحن میں پھر ایک ختم ہوتا ہے اور یہ ختم گویا عرس کی آخری رسم ہوتی ہے۔ جسکے بعد سب مہمان رخصت ہوجاتے ہیں +

محمد ابوالواحدی

معترضین حلقہ نظام المشائخ کا ایک سنجیدہ اور مشرح جواب ۱۵۔ اپریل سنہ ۱۹۱۱ء کے رفعانہ پیسہ اخبار میں حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کیطرف سے شائع ہوا ہے جسکے مدلل پیرائے نے اعتراض کرنے والوں کے تمام آئندہ منصوبوں کو بھی صاف کرکے دکھادیا ہے۔ اگر ناظرین کو ضرورت ہو تو وہ پرچہ براہ راست ایک آنہ کے ٹکٹ پیسہ اخبار لاہور کو بھیجکر منگالیں اور یا ہم کو ٹکٹ بھیجدیں ہم

دو محبوبوں کا چاند
یا
چشتی قادری اتحاد کا نورانی خرقہ

ربیع الثانی کی اٹھارویں شب کو جو چاند تاروں بھرے آسمان پر نظر آئے گا اسکی شعاعیں چشتی اور قادری مشائخ کے خرقہ اتحاد کے لئے نہایت کارآمد اور ضروری ہیں۔ کیونکہ آجکی رات سلسلۂ قادریہ کے پیشوا غوث الاعظم محبوب سبحانی حضرت سید عبد القادر جیلانی رح اور طریقہ چشتیہ کے پیشوا سلطان المشائخ محبوب الٰہی خواجہ سید نظام الدین اولیاؒ کا عرس ہے۔ جسطرح یہ دونوں بزرگوار اولیاے امت خیر الانام علیہ التحیۃ والسلام میں درجہ محبوبیت کے اعلےٰ مقام پر پہنچے۔ اِسیطرح ان کا یوم وصال بھی ایک ہی مہینے اور ایک ہی تاریخ میں متحد ہوگیا۔ آج کی رات چشتی اور قادری اپنے محبوبوں کی یاد میں جتنی خوشی کریں کم ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ذاتی جذبات کی مصروفیت دونوں سلسلوں کے بزرگوں کو اِس خوشی میں ملکر حصہ لینے کا موقع نہیں دیتی۔ اگر تمام فقرا جو چشتیہ قادریہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اس عرس کو رنگ وحدت سے رواج دیں تو علاوہ باطنی فیوض و برکات کے ظاہری کشیدگیوں کو بہت نفع پہنچے اور وہ دور ہوجائیں۔

یہ بات ناظرین نظام المشائخ سے مخفی نہیں ہے کہ تھوڑے عرصہ سے بعض مقامات پر چشتیوں و قادریوں میں سلسلے کے چند فروعی مسائل نے تفرقہ ڈال رکھا ہے۔ ہر گروہ شیعہ سنیوں کی طرح اپنے مقتدا کی فضیلت و فوقیت میں غلو کرتے کرتے دوسروں کے مقتدا کی تحقیر و تنقیص کرنے لگا ہے۔ خاصکر لفظ "محبوب الٰہی" اور "محبوب سبحانی" کو

واقعات کے جھگڑوں میں ڈالکر ایک کہتا ہے کہ محبوب سبحانی باعتبار اپنے دیگر مقامات (وَقَدَمِی هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہ) کے تمام اولیائے کرام پر فوقیت کامل رکھتے ہیں۔ اس واسطے حضرت محبوب الٰہی کو باعتبار محبوبیت حضرت محبوب سبحانی کے مقام سے بالکل ماتحتی ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ نہیں سبحان اسم صفت ہے اور الٰہ اسم ذات۔ پس محبوب سبحانی صفاتی محبوب ہیں اور محبوب الٰہی کو ذاتی محبوبیت کا درجہ حاصل ہے۔ اس لحاظ سے حضرت محبوب الٰہی حضرت غوث الاعظم کے ماتحت نہیں ہیں۔ الغرض اسی قسم کی خود تراشیدہ بے سروپا باتیں فریقین کے نزاع پسند لوگوں نے پھیلا رکھی ہیں۔ جنسے روز بروز چشتیوں قادریوں کے دلوں میں فرق پڑتا جاتا ہے۔ اور بڑھتا جاتا ہے۔ چونکہ حلقۃ المشائخ کے مقاصد میں تمام "سلسلوں کے رنجش اختلافات دور کرنا اور اتحاد پیدا کرنا" ایک ضروری مقصد ہے۔ لہذا آج میں اپنی دیرینہ آرزو کو تمام مشائخ ہند کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، ہر بزرگ موجودہ وقت کی حالت اور اتحاد و اتفاق کی ضرورت کو ملحوظ رکھکر غور کرے کہ آیا اٹھارہ ربیع الثانی کی تاریخ سے کوئی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے یا نہیں یعنی چشتیہ قادریہ دونوں سلسلوں کے مشائخ اپنے اپنے محبوبوں کی خوشی میں شان یکجائی سے حصہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر اس تجویز میں بزرگوں کے نزدیک کوئی فائدہ یا عمل پذیری کی قابلیت موجود ہے تو اسی سال سے اسکو جاری کر دینا چاہیے۔ ورنہ اپنی اپنی رائے حلقہ کو بھیجنی چاہیے تاکہ انکو رسالہ میں شائع کیا جائے اور پورے غور و خوض اور اجماع عام سے اختلافات کے دور کرنیکی کوئی صورت نکلے حلقہ کے بعض اراکین خدام نے اس تجویز کو میری زبان سے سنکر پسند کیا اور خواہش کی ہے کہ کم از کم منزلگاہ حلقہ میں اٹھارہویں ربیع الثانی کی رات کو ایک محفل "دو محبوبوں کی یاد و نیاز و حصول فیوض برکات کی طلب" میں منعقد کرنی چاہیے۔ جو انشاء اللہ تعالی منعقد ہوگی +

حسن نظامی

دُعاخانہ

ہمارے پاس مدت سے درخواستیں آرہی تھیں کہ رسالہ نظام المشائخ میں ایک حصہ دعاخانے کے عنوان سے مخصوص کردیا جائے. یعنی ناظرین نظام المشائخ و دیگر طالبین مرادخواہ لوگوں کے لیے جنکے نام وقتاً فوقتاً اس حصہ میں شائع ہوں. لیکن ضروری مضامین کی کثرت اور عدم گنجایش کے سبب اسکا موقع نہ ملتا تھا. اس ماہ میں باوجود جگہ بالکل نہ ہونے کے چند احباب نے بہت اصرار کیا کہ دعاخانے کا صفحہ ضرور قائم کرنا چاہیے لہذا ایک صفحہ طلب دعا کے لیے مخصوص کیا جاتا ہے۔

حضرات مشائخین عظام و فقرائے کرام سے التماس ہے کہ اوقات خاص میں حسب ذیل لوگوں کے لیے دعائے خیر فرمائیں۔

محمد مقصود خانصاحب بریلی. ایک مقدمہ میں گرفتار ہیں. خدا تعالٰے اُن کو اس سے نجات دے۔

چودہری امیر اللہ بیگ صاحب کی صاحبزادی عرصہ سے علیل ہیں. اطبا معالجہ سے مایوس ہوگئے ہیں. اب وہ روحانی حکما کے دامن کے نیچے اس مریضہ کو لائے ہیں. ان کے لیے دعا کیجائے۔

حلقہ نظام المشائخ کے متعدد خدام جو علیگڈہ کالج میں پڑھتے ہیں. الہ آباد میں امتحان دے کرتے ہیں. اُن سب کی کامیابی کے لیے دعا ہونی چاہیے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے دینی عقائد کو دنیا پر مقدم رکھا ہے اور جنسے خدمت دین کی بہت سی امیدیں ہیں فقط۔

مرکب عشبہ کے اکتالیس فوائد

جس کی تصدیق حکیموں ڈاکٹروں اور ذی علم لوگوں نے کی ہے

جس کی تصدیق کے [illegible] مریضوں [illegible] استعمال [illegible] سرٹیفکیٹ [illegible]

فائدہ (۱) [illegible] جب کبھی [illegible] آتشک یا سوزاک [illegible] کے بعد [illegible] سیاہ [illegible]

[illegible] جوڑوں [illegible] استعمال [illegible]

فائدہ (۲) جس کی تصدیق [illegible] مختلف [illegible]

[illegible] چہرہ [illegible]

[illegible] استعمال [illegible]

فائدہ (۳) جس کی تصدیق [illegible] مریض [illegible] فوائد [illegible]

پھنسیاں کثرت سے مختلف جگہ پیدا ہوگئی تھیں [illegible]

فائدہ (۴) جس کی تصدیق [illegible] آدمی کرتے ہیں [illegible] چہرہ [illegible]

[illegible]

فائدہ (۵) جس کی تصدیق [illegible] گلٹیاں [illegible]

[illegible] استعمال سے [illegible] گلٹیاں [illegible] اور آگے پیدا ہونے [illegible]

فائدہ (۶) جس کی تصدیق تین سو مریض کرتے ہیں [illegible] ناسور [illegible]

استعمال سے ناسور [illegible]

فائدہ (۷) جس کی تصدیق [illegible] مریض کرتے ہیں [illegible]

[illegible]

فائدہ (۸) جس کی تصدیق [illegible] استعمال [illegible]

[illegible] عمدہ [illegible]

[illegible]

الغرض یہ مرکب [illegible] عشبہ [illegible]

[illegible] مدارس [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تصدیق کیسے ثبوت [illegible]

[illegible]

قیمت شیشی کلاں [illegible] روپیہ [illegible] شیشی خورد [illegible] روپیہ [illegible]

پتہ: شفاخانہ [illegible] زبدۃ الحکماء حکیم ڈاکٹر [illegible] لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۲۱۷

۴۸۶

جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ — جون ۱۹۱۶ء

جلد ۶ — نمبر ۶

قسم اول — قیمت سالانہ عہ

نظام المشائخ

تمام سلسلوں کے صوفیہ مشائخ کی دینی و دنیاوی اغراض کا حامی اردو زبان کا ماہوار رسالہ

اعلیٰ مدیر حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی خواہرزادہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی رح
نائب مدیر خادم الفقراء سید محمد ارتضیٰ واحدی دہلوی

فہرست مضامین

(دنیا کی آبادی میں تین چوتھائی حصہ صوفی مشرب لوگوں کا ہے)

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک قسم اول پانچ روپیہ فی پرچہ ۸ قسم دوم مع محصول ۴ فی پرچہ ۴

منشی فضل حسین کے ہلالی پریس میں چھپوا کر محمد الواحدی مالک اڈیٹر نے منزلگاہ نظام المشائخ دہلی سے شائع کیا

ضروری آگاہی

یہ رسالہ سال کا آخری پرچہ ہے۔ جمادی الآخرے سے دوسرا سال شروع ہوگا
جن حضرات کا سالانہ چندہ ختم ہوگیا ہے وہ مہربانی فرماکر اگلے سال کا چندہ بذریعہ منی آرڈر
ارسال فرمائیں۔ یا وی پی کرنے کی اجازت بخشیں۔ اور اگر (خدانخواستہ) کوئی صاحب کسی وجہ سے
آئندہ سال رسالہ لینا نہ چاہیں تو اپنے منشاء سے ہمیں جلد مطلع فرمائیں تاکہ رسالہ کو مفت
کی زیر باری نہ اٹھانی پڑے۔ کیونکہ کسی قسم کی اطلاع موصول نہ ہونے پر ہم یہی سمجھیں گے
کہ وی پی کرنے کی اجازت ہے۔

رسالہ کی تاریخ اشاعت قمری مہینہ کی ۶ تاریخ مقرر ہے۔ بعض اوقات کچھ دیر بھی ہو جاتی
ہے۔ مگر ۱۶۔ تاریخ سے زیادہ عرصہ نہیں ہوتا۔ لہذا جن حضرات کی خدمت میں رسالہ ۱۶ تاریخ سے
حد ۱۸ تاریخ تک نہ پہنچے اُن کو فوراً دفتر میں اطلاع دینی چاہیئے۔ پرچہ دوبارہ بھیجدیا جائیگا
اور اگر اطلاع ۱۸۔ تاریخ کے بعد آئی تو پھر رسالہ قیمتاً ملیگا۔

ختم شدہ سال کے پرچے بہت تھوڑے رہ گئے ہیں اور مانگ زیادہ ہے۔ اب تک
۱۲ پرچوں کی مجموعی قیمت وہی ۱؎ لیجاتی ہے۔ مگر شاید ایک مہینہ بعد اتنی قیمت میں
یہ رسالے دستیاب نہو سکیں گے +

معاونین حضرات اور وقائع نگار صاحبان ہمیشہ اپنا پتہ صاف حرفوں میں تحریر
فرمایا کریں۔ اور نمبر خریداری جو پتہ کی چٹ پر درج ہوتا ہے ضرور لکھا کریں۔ تاکہ تعمیل میں
کسی طرح کی دقت اور توقف واقع نہو +

خاکسار
منیجر

اغراض و مقاصد حلقۃ المشائخ دہلی

حلقۃ المشائخ ایک انجمن کا نام ہے جو صوفیائے کرام کے تمام سلسلوں کی خدمتگزاری کے لئے دہلی میں قائم ہوئی ہے۔ اِسکے چار مقصد ہیں:۔

(۱) علم تصوف کی حفاظت و اشاعت (۲) سب سلسلوں کے مشائخ میں باہمی میل جول اور اخلاقی اتحاد قائم کرنے کی کوشش (۳) عرسوں اور خانقاہوں کی اُن مراسم کو جو دائرہٗ شریعت و طریقت سے علیٰحدہ ہو گئی ہیں اصلی حالت پر لانے کی سعی (۴) عرسوں اور خانقاہوں کے اُن انتظامی معاملات میں جن کا تعلق گورنمنٹ سے ہے مشائخ کے جائز حقوق کی حفاظت ٭

اِس حلقہ کے ممبر دو قسم کے ہوتے ہیں ایک[۱] تو وہ جو خود درویش ہیں یا کسی درویشی تعلق کے سبب لوگوں میں کوئی امتیاز رکھتے ہیں۔ انکو **رکن حلقہ** کے نام سے شریک کیا جاتا ہے۔ اور دوسری[۲] قسم میں وہ حضرات ہیں جو نہ خود درویش ہیں نہ کسی درویش کی اولاد ہونیکے سبب لوگوں میں کوئی امتیاز رکھتے ہیں۔ لیکن صوفیائے کرام کے عقیدتمند ہیں اور اُنکی خدمت گزاری چاہتے ہیں اُنکو **خادم حلقہ** کے لقب سے شامل کیا جاتا ہے ٭

ممبران حلقہ پر کوئی فیس یا نذر بطور داخلہ کے لازمی نہیں ہے۔ لیکن ہر ممبر کو سال بھر میں کم از کم ایک روپیہ اخراجات حلقہ کے لیئے دینا چاہیئے ٭

ہر ممبر کا فرض ہے کہ مذکورہ مقاصد کی تکمیل کے لیئے زبان و قلم۔ قدم و درم سے کوشش کرے ٭

تفصیلی حالات خواجہ **حسن نظامی** دبیر حلقہ نظام المشائخ کوٹھی نواب انصار جنگ۔ بازار چتلی قبر۔ دہلی سے دریافت کرنے چاہیئیں ٭

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظام المشائخ

تحفۂ درویش نمبر ۲

قال اللہ تعالیٰ۔ لقد منّ اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولاً من انفسہم یتلوا علیہم اٰیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین ۝

عشق آمد شد چو خونم اندر رگ و پوست　　تا کرد مرا تہی و پُر کرد ز دوست

اجزائے وجودم ہمگی دوست گرفت　　نامیست ز من بر من و باقی ہمہ اوست

اسلام اور اسلامی تصوف پر بے سمجھے بوجھے نکتہ چینی کرنا یا جان بوجھ کر چشم پوشی سے کام لینا دونوں صورتیں ٹھیٹ تعصب پر مبنی۔ اصول تحقیق کے خلاف اور دیانت و راستبازی سے دور بہت دور ہیں۔ اس وقت ہم اس سے بحث نہ کریں گے کہ منکرین و معاندین اسلام نے اسلام۔ اصول اسلام پیغمبر اسلام قرآن اور تعلیم قرآن پر اپنے کیا کیا بخارات نکالے۔ کیسے کیسے ناحق کوشی کے جوہر دکھائے ہیں

نہ ہم اسوقت آسبورن (Osborn.) سے مخاطب ہیں نہ اُن کی کتاب (Islamunder the Arabs) سے ۔ نہ ہمارا مخاطبہ سر ولیم میور سے ہے نہ انکی علمی تصانیف (Mahomet and Islam, The Rise and Fall of Islam) سے۔ نہ اسوقت ہنگس (Hughes) سے ہمیں کام ہے۔ نہ اُن کی کتاب (Dictionary of Islam.) سے۔ نہ اس وقت سیل (Sell.) ایں نہ انکی کتاب (Faith of Islam.) نہ برٹن (Burton) سے مطلب ہے نہ وہری (Wherry.) سے نہ برک ہرٹ (Burckhardt.) سے۔ نہ فنڈر (Pfander.) سے۔ نہ پنڈت دیانند جی ہیں نہ انکی ستیارتھ پرکاش۔ نہ مسٹر بریڈلا دہریہ ہیں نہ اُنکی دہریت کی خراش تراش۔ ہمیں معلوم ہے کہ اسلام کی ترقی کے ساتھ ہی ساتھ مخالفین کے تعصبات بھی بڑھتے گئے۔ اختلافات بھی ہوتے آئے۔ اب بھی ہیں۔ اور دیکھا چاہیئے ابھی کب تک ہیں۔ ولایزالون مختلفین الا من رحم ربک ولذلک خلقھم۔ اسلام اور اصول اسلام کی صداقت کا کافی ثبوت فلسفیانہ عقلی اور مدلل طریقہ سے خود ہماری متعدد تحریرات میں پایا جاچکا ہے۔ اور قومی خادموں نے جو جو خدمتیں کیں۔ اُن سے واسطہ نہیں۔ مگر صاف تو یہ ہے کہ ماننے والے کے لیئے ایک حرف بھی بہت ہے اور نہ ماننے کے لیئے دفتر تو کیا کتب خانہ بھی ردی ہے۔ ”تم نہ سمجھو تو بھلا کیا کوئی سمجھائے تمہیں“ ہاں تو اس وقت تصوف کی چھیڑ چھاڑ ہے۔ اسی پردہ راز میں ناز و نیاز کی باتیں ہوں۔ سوز و گداز سے واسطہ درد دل سے کام ہو۔ ہاں ذرا اک نظر اسپر بھی ڈال لیں کہ مفت نذر ہے اور مفت راچہ گفت مشہور مثل ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نہیں غلطی ہوئی۔ یہاں بسم اللہ کا نام کیا۔ اللہ اللہ سے کام کیا۔ خیر کتاب کا نام ہے (Arabia & its Prophet.) عربستان اور اُسکا پیغمبر۔ یہ کرسچین لٹریچر سوسائٹی

(عیسائیوں کی علمی انجمن) کی متفقہ کوشش کا نتیجہ ہے۔ اور فرقہ صوفیہ پر بھی خامہ فرسائی ہوئی ہے۔ بلکہ تصویر میں اُنکے وجد و حال کا نمونہ بھی دکھایا ہے۔ اور اُس کے نیچے (Dancing Derwesh) ناچنے والے درویش تحریر فرمایا ہے پہلے اصل عبارت کا لفظی ترجمہ کیے دیتے ہیں۔ پھر اصل عبارت انگریزی لکھ کر منصفین حق پسند سے داد بیداد چاہیں گے۔ کہ کیا تحقیق اسیکا نام ہے کہ بے سمجھے بوجھے جو چاہا دھر گھسیٹا۔ جو جی میں آیا لکھ لکھا دیا۔ اب ذرا یہ تحقیق انیق ملاحظہ ہو ارشاد ہوتا ہے:۔

فرقہ صوفیہ۔ صوفی کے معنی ابھی تک زیر بحث ہیں (یعنی ابھی تک یہ صاف نہیں ہوا کہ صوفی آخر کہتے کسے ہیں۔ انسان ہے یا حیوان۔ کہاں رہتا ہے۔ کیا معنی رکھتا ہے۔ بہت مناسب) یہ ایک اسلامی فرقہ ہے جسنے اپنے فرضی روحانی تعبیرات کی بنیاد پر ارشادات نبوی کے لفظی معنوں سے علیحدگی اختیار کی (ارشادات نبوی سے مراد حدیثیں ہیں یا جیسا متعصب عیسائیوں کا خیال ہے کہ قرآن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے نہ کلام اللہ۔ اس بنا پر ممکن ہے کہ ارشادات نبوی سے قرآن مجید ہی مراد ہو۔ بہر حال کچھ ہی مراد ہو۔ صحیح نہیں) اُن کا قاعدہ (ترکیب اصول) صرف اسلامی مناسبت کے ساتھ (گویا) ہندوستانی ویدی فلسفہ ہے اُن کا یقین ہے کہ صرف خدا ہی موجود ہے۔ تمام کھلی چیزیں حقیقۃً اُس سے الگ نہیں (یہ وحدت وجود کی خرابی ہے) اچھے اور بُرے کاموں میں کوئی اصلی فرق نہیں (یہ بھی وحدت وجود ہی کی ستیاناسی ہے)۔ انسانی خواہش یا ارادہ خدا ہی نے پیدا کیا (یا کرتا ہے) (یعنی انسان جو کچھ کر رہا ہے سب خدا ہی کر رہا ہے۔ بہت درست) تناسخ ارواح بھی مقبول ہے (یعنی صوفی تناسخ ارواح کے بھی قائل ہیں۔ بالکل ٹھیک) صوفی کا اصل مقصد خدا کی وحدانیت کا خیال اُسکے اسماء کا ورد (وغیرہ) ہے تاکہ اسی کی ذات میں مستغرق ہو جائے (غنیمت ہے)

نہ ہم اِسوقت آسبورن (Osborn.) سے مخاطب ہیں نہ اُن کی کتاب (Islamunder the Arabs) سے۔ نہ ہمارا مخاطبہ سٹرلنیم میور سے ہی نہ اُنکی علمی تصانیف (Mohomet and Islam. The Rise and Fall of Islam) سے۔ نہ اِسوقت ہیگس (Hughes) سے ہمیں کام ہی۔ نہ اُن کی کتاب (Dictionary of Islam.) سے۔ نہ اِس وقت سیل (Sell) اور نہ اُنکی کتاب (Faith of Islam.) نہ برٹن (Burton) سے مطلب ہی نہ وہیری (Whebry.) سے نہ برک ہرٹ (Burckhardt.) سے۔ نہ فنڈر (Pfander.) سے۔ نہ پنڈت دیانند جی ہیں نہ اُنکی ستیارتھ پرکاش۔ نہ مسٹر بریڈلا دہریہ ہیں نہ اُنکی دہریت کی خراش تراش۔ ہمیں معلوم ہی کہ اسلام کی ترقی کے ساتھ ہی ساتھ مخالفین کے تعصبات بھی بڑھتے گئے۔ اختلافات بھی ہوتے آئے۔ اب بھی ہیں۔ اور دیکھا چاہیئے ابھی کب تک رہیں۔ ولایزالون مختلفین الامن رحم ربک ولذٰلک خلقھم۔ اسلام اور اصول اسلام کی صداقت کا کافی ثبوت فلسفیانہ عقلی اور مدلل طریقہ سے خود ہماری متعدد تحریرات میں دیا جاچکا ہے۔ اور قومی خادموں نے جو جو خدمتیں کیں۔ اُن سے واسطہ نہیں۔ مگر صاف تو یہ ہے کہ ماننے والے کے لیئے ایک حرف بھی بہت ہی اور نہ ماننے کے لیئے دفتر توکیا کتب خانہ بھی ردی ہی۔ "تم نہ سمجھو تو بھلا کیا کوئی سمجھائے تمہیں" ہاں تو اِس وقت تصوف کی چھیڑ چھاڑ ہے۔ اِسی پردۂ راز میں نازو نیاز کی باتیں ہوں۔ سوز و گداز سے واسطہ درد دل سے کام ہو۔ ہاں ذرا اک نظر اِسپر بھی ڈال لیں کہ مفت نذر ہے اور مفت راچہ گفت مشہور مثل ہی۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نہیں غلطی ہوئی۔ یہاں بسم اللہ کا نام کیا۔ اللہ اللہ سے کام کیا۔ خیر کتاب کا نام ہی (Arabia & its Prophet.) عربستان اور اُسکا پیغمبر۔ یہ کرسچین لٹریچر سوسائٹی

(عیسائیوں کی علمی انجمن) کی متفقہ کوشش کا نتیجہ ہے۔ اور فرقہ صوفیہ پر بھی خامہ فرسائی ہوئی ہے۔ بلکہ تصویر میں اُنکے وجد و حال کا نمونہ بھی دکھایا ہے۔ اور اُس کے نیچے Dancing Derwesh (ناچنے والے درویش) تحریر فرمایا ہے۔ پہلے اصل عبارت کا لفظی ترجمہ کیئے دیتے ہیں۔ پھر اصل عبارت انگریزی لکھکر منصفین حق پسند سے داد بیداد چاہیں گے۔ کہ کیا تحقیق اسیکا نام ہے کہ بے سمجھے بوجھے جو چاہا دھر گھسیٹا۔ جو جی میں آیا لکھ لکھا دیا۔ اب ذرا یہ تحقیق انیق ملاحظہ ہو ارشاد ہوتا ہے :-

"فرقہ صوفیہ۔ صوفی کے معنی ابھی تک زیر بحث ہیں (یعنی ابھی تک یہ صاف نہیں ہوا کہ صوفی آخر کہتے کِسے ہیں۔ انسان ہے یا حیوان۔ کہاں رہتا ہے۔ کیا معنی رکھتا ہے۔ بہت مناسب) یہ ایک اسلامی فرقہ ہے جسنے اپنے فرضی روحانی تعبیرات کی بنیاد پر ارشادات نبوی کے لفظی معنوں سے علیحدگی اختیار کی (ارشادات نبوی سے مراد حدیثیں ہیں یا جیسا متعصب عیسائیوں کا خیال ہے کہ قرآن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے نہ کلام اللہ۔ اس بنا پر ممکن ہے کہ ارشادات نبوی سے قرآن مجید ہی مراد ہو۔ بہر حال کچھ ہی مراد ہو۔ صحیح نہیں) اُن کا قاعدہ (ترکیب اصول) صرف اسلامی مناسبت کے ساتھ (گویا) ہندوستانی ویدی فلسفہ ہے اُن کا یقین ہے کہ صرف خدا ہی موجود ہے۔ تمام کھلی چیزیں حقیقۃً اُس سے الگ نہیں (یہ وحدت وجود کی خرابی ہے) اچھے اور بُرے کاموں میں کوئی اصلی فرق نہیں (یہ بھی وحدت وجود ہی کی ستیاناسی ہے)۔ انسانی خواہش یا ارادہ خدا ہی نے پیدا کیا (یا کرتا ہے) (یعنی انسان جو کچھ کر رہا ہے سب خدا ہی کر رہا ہے۔ بہت درست) تناسخ ارواح بھی مقبول ہے (یعنی صوفی تناسخ ارواح کے بھی قائل ہیں۔ بالکل ٹھیک) صوفی کا اصل مقصد خدا کی وحدانیت کا خیال اُسکے اسماء کا ورد (وغیرہ) ہے تاکہ اسی کی ذات میں مستغرق ہو جائے (غنیمت ہے)

کہ صوفی کا اصل مقصد تو سمجھے مگر ابھی کسر ہی) فارس میں صوفی زیادہ ہیں۔ مشہور فارسی شاعر جامی سعدی اور حافظ صوفی تھے۔ وہ اس طرح تھے کہ گویا خدا سے محبت بڑھاتے ہیں۔ مگر انکی تحریرات کے کل فقرات گستاخی پر مشتمل ہیں۔ لاب انھیں کون سمجھائے کہ مصطلحات صوفیہ کو آپ کیا سمجھیں ؎

توچہ دانی زبانِ مرغاں را   کہ ندیدی گہِ سلیماں را

اصل عبارت انگریزی

Sufis:—The meaning of the name is disputd. They are a Muslim sect that have set aside the literal meaning of the words of Mohammad for a supposed spiritual interpretation. Their system is but a Muslim adaptation of the Indian Vedantic philosophy. They believe that God only exists; all visible things are not really distinct from Him. There is no real difference between good and evil. God fixes the will of man; transmigration is accepted. The principal occupation of the Sufi is meditation on the unity of God, the remembrance of God's names, etc., so as to obtain absorption. Sufis are most numerous in Persia. The chief Persian poets as Jami, Sadi, and Hafiz, were Sufis. They dwell upon love to God, but all their writings

contain indecent passages.

سب سے پہلے صوفی کے معنی مدارد ہونا۔ پھر صوفیوں کی فرضی روحانیت۔ قرآن یا حدیث کے ظاہری معنوں سے گریز۔ جہلا کا اعتبار نہیں۔ یہ ہر فرقے میں موجود ہیں اُن کا قول و فعل قابل سند نہیں۔ صوفی سسٹم کی رو سے مناسبت۔ اور سب سے بڑھکر نئے قسم کا وحدت وجود اور اُس سے بھی بڑھا چڑھا تناسخ ارواح کا اعتقاد اور ان سب پر طرہ مولنا جامی وغیرہ کی گستاخیاں سب بے ادبیاں۔ غرض یہ کہ ؎

تیر تو جوزہ کرد کمانے بہ کمینے
یک صید یا سود زمانے بہ زمینے

عیسائی دوستو۔ آریہ سماجیو! تحقیق کا یہ طریقہ نہیں کہ یا تو کسی جاہل بدنام کنندہ نکو نامے چند کو پاس بلایا۔ بٹھایا۔ اور لگے اُس سے عقائد کی تحقیقات کرنے۔ جو اُس کہانوٹ نے پڑھایا۔ دوستوں کو سنایا اور آخر کار کتاب کی صورت میں چھپوادیا۔ یا زیادہ بلند پروازی ہوئی۔ تعمق نظری سے کام لیا۔ وہ کیا کیا۔ دو ایک اردو کتابیں کچھ اردو ترجمے دیکھے بھالے۔ اور جو چاہا لکھ لکھوا دیا۔ دوستو! سچ کہنا کیا یہ ہی تحقیق کہلاتی ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو اصول تحقیق کو ہاتھ سے کیوں دو۔ ہم سچ کہتے ہیں اور اس اپنی صداقت پر اُس قادر و قوی کو گواہ کرتے ہیں وکفی باللہ شہیدا کہ ہمارے دل میں ایک رتی برابر بھی تعصب نہیں نہ ہمارے پاک مذہب نے ہمیں اسکی تعلیم دی۔ مگر جو امر حق ہے وہ کہا جاتا ہے۔ سنو اور کان کھولکر سنو۔ خوب یاد رکھو کہ **اسلامی تصوف** نے انسانی اصلاح کے جو قاعدے بتائے۔ اصول قائم کیے وہ ایسے سہل الحصول اور سہل القبول ہیں کہ فطرت انسانی اُنکے قبول کرنے میں ذرا بھی پس و پیش کا پہلو اختیار کرنیسے بالکل مجبور محض ناچار ہے۔ ہاں شرط اصلی طلب ہے۔ اور طلب بھی کیسی سچی نہایت سچی۔ وما توفیقی الا باللہ ھو نعم المولی ونعم النصیر +

تصوف[۱]

[۱] تصوف کے لغوی معنی کمل (پشمینہ وغیرہ) اوڑھنے کے ہیں۔ یہ صوف (بالضم) سے ماخوذ ہوا جسکے معنی کمل کے ٹکڑے کے ہیں۔ چونکہ صوفیہ کا لباس یہی تھا مجازاً اُنکے اعمال و افعال (بقیہ بر صفحہ ۱۸)

آں کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند　　　فرزند و عیال و خانماں را چہ کند

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی　　　دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

تصوف نام ہے انسانی اصلاح کا۔ اب اصلاح کی دو صورتیں ہیں۔ ظاہر و باطن لیکن حقیقۃً ظاہر بھی اصلاح باطن پر متفرع ہے کہ جب باطنی اصلاح حد کمال کو پہنچی ظاہری اصلاح خود بخود ہو گئی۔ ظاہری اصلاح سے مراد بدن کی ظاہری صفائی یا جسمی نمائش نہیں (یہ صفائی ہے اصلاح نہیں) بلکہ وہ افعال ہیں (یعنی اُن افعال کی اصلاح مراد ہے) کہ جن کی طرف وہ (جسم انسانی یا انسان) منسوب ہو کر نیک بد اچھے بُرے کہے جانے کا مستحق ہوتا بُرائی یا بھلائی سے یاد کیا جاتا ہے۔ افعال کے لیئے (یعنی صدور افعال کے لیئے) قدرت لازمی ہے اور قدرت کا تعلق ارادت سے ہے۔ اور ارادت کی اصل نیت یا خیال انسانی ہے۔ (اسی سے حدیث متواتر میں ہر عمل کا مدار نیت[1] پر موقوف ہے۔ نیت سالم یا خالص رکھنے کی تاکید ہوئی۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات اور عمل کا مدار خاتمہ پر رکھا گیا۔ انما الاعمال بالخواتیم۔ دیکھو۔ اس چھوٹی سی حدیث میں انسان کی پوری اصلاح موجود ہے) کہ جس نے دل میں جگہ لیکر بیٹھ بٹھا کر یہ سب گل کھلائے طوفان اٹھائے جیسا خیال دل میں آیا۔ شاہِ دل نے حکم لگایا۔ اعضائے جوارح سب نے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵) کی نسبت تصوف سے ہوئی۔ اور بعض نے کہا کہ تصوف صوف (بالفتح) سے ماخوذ ہے جسکے معنی ہیں یکسو ہونا اور مُنہ پھیر لینا۔ ظاہر ہے کہ صوفیہ ماسوی اللہ سے یکسو اور روگرداں ہوتے ہیں اسلیئے اُنکے اعمال تصوف کہلاتے۔ اور تصوف کے اصطلاحی معنی ہیں خواہشات نفسانی سے پاک و صاف ہوجانا۔ (انسانی اصلاح) اور اشیائے عالم کو مظہر حق جاننا بلکہ غیر حق نہ جاننا سمجھنا۔ قال اللہ تعالیٰ کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۔ نگفت ہالک تا معلوم شود کہ وجود ہمہ اشیا در وجود او امروز ہالک است ۔ غیرتش غیر در جہاں نگذاشت لاجرم عین جملہ اشیا شد ۔ ۱۲ منہ

(نوٹ صفحہ ہذا) [1] ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولا الی اعمالکم ولکن ینظر الی نیاتکم و قلوبکم۔ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہری اعمال اور صورتیں نہیں دیکھتا۔ بلکہ دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے ۱۲ منہ　　۲۶۲

منظور فرمایا۔ اب اس سے غرض نہیں کہ وہ خیال جذبات نفسانی سے تعلق رکھتا ہے یا روحانی سے۔ جیسی حالت نفسانی یا انسانی خیالات کی ہوتی ہے قلب پر وہی عکس پڑتا اور بالآخر اعضا جوارح سے اُسیکا صدور ہوتا ہے۔ اب ظاہر ہوا کہ بلا تصحیح خیال و تصفیہ قلب و تزکیہ نفس۔ انجلائے روحی و انخلائے جسمی تو درکنار۔ اخلاقی حالت کا درست ہونا یعنی آدمی کہلانا صرف ناممکن ہی نہیں دشوار بلکہ محال ہے ؎

آدمی را آدمیت لازم است　　عود را گر بو نباشد ہیزم است
آدمیت لحم و شحم و پوست نیست　　آدمیت جز رضائے دوست نیست

التصوف تصحیح الخیال۔ خیال کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو وہ محسوس خیال جو حواس خمسۂ ظاہری کی مدد سے دل کے سامنے موجود ہوگیا۔ دوسرا حواس باطنی سے متعلق ہے یہ خیال دل کی تصحیح کے بعد جب قلبی ادراک کا غلبہ ہوجاتا ہے تو وہی ایک ہی ایک ہوجاتا ہے ذات خیال ہے نہ تصور۔ نہ وہم نہ گمان۔ نہ جان نہ جہان۔ ادراک سے دور۔ سمجھ سے باہر مگر یہی سب کچھ ہے ورنہ دیکھو تو سمجھو کچھ بھی نہیں۔ محض خیالی پلاؤ) بلکہ ایک کی بھی خبر نہیں ہوتی اسکی کیفیت ذوقی و وجدانی۔ نہ حسی نہ لسانی۔ اسے چھوڑو کہ اسمیں قیل و قال کی گنجایش نہیں۔ دیکھنا چاہوگے تو دیکھ لوگے۔ آؤ اُسی پہلے خیال پر قائم ہوں کہ پہلے ابتدائی مرحلہ طے ہونا ضروریات سے ہے۔ قدم بہ قدم (STEP BY STEP) چلنا بھی معراجِ کمال پر پہنچنے کی صورت ہے۔ پہلے زینے کو چھوڑ دوسرے پر قدم دھرنا مونہ کے بل زمین پر گرنے کی علامت ہے۔ تمہارا یہ خیال کہ جس خیال میں ہم ہیں۔ اور ہمارے خیال سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں یہ سب کے سب قدرتی ہیں (NATURAL) اور اس لیے سب ٹھیک ہیں۔ نہایت ہی خطرناک خیال اور نفسی واہمہ ہے تمہارے روزمرہ کے

ملہ شعر گر بہ سخن کار میسر شدے ✲ کار نظامی بفلک بر شدے ✲ علاوہ ازیں لسان الحال انطق من لسان المقال ✲ زبان حال گویاتر است۔ از زبان قال مولٰنا قدس سرہ میفرمایند ؎ گر نہ علم حال فوق قال بودے کے شدے ✲ بندۂ اعیان بخارا خواجہ نساج ما ✲ ۱۲ منہ

دنیاوی کاموں سے تمہارے اِس خیال کی پختگی بھی ثابت نہیں ہوتی۔ وہی مثل ہوئی۔ (میٹھا میٹھا ہڑپ کڑوا کڑوا تھو) قدرت نے تمہیں مجبور محض بنایا۔ قدرت نے تمہیں عقل وتمیز کا بے بہا جوہر عطا فرمایا ہے جسے تم اپنے اور مطلبی کاموں میں کام میں لاتے ہو اور اُن میں قدرت طاقِ نسیاں پر دھری رہجاتی ہے) قدرت نے تمہیں اشرف المخلوقات کا خطاب دیا۔ بہائم سے ممتاز کیا۔ قدرت نے سمجھادیا کہ سنکھیا میں زہر ہے۔ کھاؤگے۔ مرجاؤگے۔ آگ کا کام جلانا ہے۔ اِس سے دور رہو۔ جل جاؤگے اب تم خود جلو یا مرو۔ قدرت پر کیوں مفت کاالزام ہے۔ یاد رکھو اِسکا بُرا انجام ہے دوستو! اخلاقی دنیا میں قدم رکھنے والے ایک منٹ کیا ایک سکنڈ کے لیئے بھی اِس ناپاک خیال دوراز وہم وخیال کو دلمیں جگہ نہ دیجئے۔ اِس خیال سے کچھ سمجھے بھی نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ ہاں وہ یہ ہے۔ جو چاہا کیا کسیکو جان سے لیا۔ کسیکا مال چھینا یہ کیا۔ وہ کیا۔ خدا جانے کیا کیا کیا۔ اور یہ سب کیا کِس نے۔ قدرت نے۔ قدرت ہی کے یہ سارے کرشمے ہیں۔ اور قدرت ہی کے یہ سب کھیل۔ چلیئے فرصت ہوئی یا یوں کہیں کہ دنیا کا سب کھیل ہی ہمنڈ ہوا۔ عاقبت کی خبر خدا جانے۔ اچھی فراغت ہوئی

؎ بار قیباں جدل فزوں میشد　　یار رکشتہ انجدل رستیم

خوب یاد رکھو کہ انسانی سرشت میں بدی کا مادّہ غالب ہے۔ جبتک قوت ارادی سے کام نہ لوگے۔ کام نہ چلیگا۔ جبتک روحانی مشق (SPIRITUAL PRACTICE) سے واسطہ نہوگا۔ انسان کہے جانیکے مستحق نہوگے۔ جب تک قول وفعل (WORD & DEED) میں مطابقت نہوگی اخلاص نہوگا اور جب اخلاص نہوگا تو تم صاف دل (Spirituous) نہ کہلاؤگے۔ اور جب دل ہی صاف نہوا تو اخلاقی قابلیت (Moral ability) کہاں سے آئے گی جو اصل جوہر خاص تمغائے انسانی ہے۔ تمام پاک وناپاک اچھے اور بُرے خیالات کا اصل منبع ومخرج

قلب انسانی ہے۔ جبتک تصفیۂ قلبی (Purifying.) سے
واسطہ نہ رکھوگے۔ خیالی ایذا، نفسی کشمکشی سے رہائی نہوگی۔ اور جب رہائی نہوئی تو جمعیت
دلی۔ سکون قلبی (Peace of Mind. Collection) ناممکن
بلکہ محال ہے۔ اور جب یہی نہیں تو گویا جینا وبال ہے ؎

بشتاب ایجواں کہ بطاعت کنی قیام　　　زاں پیش کافتاب جوانی کند غروب
پیرانہ سر زان درطاعت کہ اسپ پیر　　　درعرصۂ وغا نبود لائق رکوب

بعض متعصبین کا یہ خیال کہ اسلام نے ظاہر داری پر بہت زور دیا۔ قرآنی تعلیم اخلاقی تعلیم
نہیں۔ اُسکی تعلیم کی انتہا یہی ہے کہ آدمیوں کو صرف ظاہر پرست بنادے اور کچھ نہیں
(To make men formalists and nothing more)
نہ اسلام میں یہ قوت کہ وہ انسان کو اونچے درجے پر (Higher level.
پہنچا سکے (خلاصہ یہ کہ قرآن اخلاقی تعلیم سے معرا۔ باطن سے کورا۔ بالکل پاک و صاف
ہے) ہم نہیں سمجھتے کہ یہ خیال کہاں تک درست و ٹھیک ہے۔ افسوس کہ تعصب و عناد
کے دُھواں دھار خیالات۔ حق پوشی کے تاریک تخیلات نے متعصبین کو ایسا مجبور کردیا
ہے کہ وہ اسلام کے چمکدار روشن مصفّٰی چہرے کی طرف رُخ کرنیسے بھی مجبور بالکل مجبور
محض ناچار ہیں۔ خیر ہم بھی المجبورُ معذورٌ کہکر اُنہیں اُنکے حال پر چھوڑتے اور
منصفین کے سامنے چند قرآنی آیتیں تلاوت کرتے اور پوچھتے ہیں کہ کیا قرآن عظیم
سے بڑھکر یا کم ازکم اُسکے برابر ہی کسی اور کتاب نے انسانی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا۔ اور اُٹھایا تو
کیا کامیابی بھی ہوئی۔ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ بالکل ناممکن قطعی محال ہے۔ دوستو اصلاح
باطن کا یہ پہلا مرحلہ اخلاق سے متعلق ہے۔ اخلاق رذیلہ یہ ہیں بخل (Stinginess.
حسد (Envy.) کبر غرور (Pride.) خودپسندی خودرائی
(Self - Conceit.) غصہ غضب (Wrath.) جھوٹ

دنیاوی کاموں سے تمہارے
(میٹھا میٹھا ہڑپ کڑوا کڑوا تھو) صبر (Patience.) شکرگزاری (Gratitude
عقل و تمیز کا بے بہا (Forbeara) رحم کرم (Mercy) توکل
ہو اور اُن میں قدر (Trust) تواضع (Civility)
المخلوقات کا (Tranquili) راضی برضا (Resigned, to
the will of G) سخاوت (Liberality)

وغیرہ وغیرہ

اب کلام ربانی کے ارشادات سنو۔ اور دیکھو کہ متعصبین نے کس درجہ تک تعصب و عناد سے کام لیا ہے جیتی مکھی نگلنا اسیکا نام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید والفرقان الحمید * واللہ لا یحب کل مختال فخورا ۝ الذین یبخلون ویامرون الناس بالبخل ط اور اللہ نہیں دوست رکھتا کسی تکبر کرنے والے فخر کرنیوالے کو وہ جو بخل کرتے اور حکم دیتے ہیں دوسروں کو بھی بخل کا۔

ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون اور جو اپنی جان کو بخیلی سے بچائے پس وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

واما من بخل واستغنیٰ ۝ وکذب بالحسنیٰ ۝ فسنیسرہ للعسریٰ ۝ اور جس نے بخیلی کی اور بے پروائی کی اور جھوٹا کیا اچھی بات کو۔ اُسے ہم دھیرے دھیرے سختی میں پہنچائیں گے۔

ام یحسدون الناس علیٰ ما اتٰھم اللہ من فضلہ ۔ کیا حسد کرتے ہیں لوگوں کا اس چیز پر کہ دیا ہے اُن کو اللہ نے اپنے فضل سے۔

انہ لا یحب المستکبرین ۝ بیشک وہ (اللہ) نہیں دوست رکھتا تکبر کرنیوالوں کو

فلا تزکوا انفسکم ط ھو اعلم بمن اتقیٰ ۝ پس مت پاک کہو اپنی جانوں کو۔ وہ خوب

بانتاب اُس شخص کو کہ جو پرہیزگاری کرتا ہو (یہ خود پسندی کی مذمت ہو)۔

٧ وَالکاظمین الغیظ والعافین عن الناس و اللہ یحب المحسنین ۰ اور ضبط کرنے والے ہیں غصے کے (باوجود قدرت کے) اور معاف کر دینے والے ہیں آدمیوں کے اور اللہ دوست رکھتا ہو احسان کرنے والوں کو ٭

٨ وَاجتنبوا قول الزور ۰ اور جھوٹ کے بولنے سے بچتے رہو ٭

٩ فلا تطع المکذبین ۔ پس مت کہا مان مکذبین (جھٹلانیوالوں) کا ٭

١٠ و لا تسبوا ۔ اور مت بُرا کہو (منع دشنام دہی) ٭

١١ وَلا تقف مالیس لک بہ علم ۔ ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا ۰ اور جس چیز کا تجھے علم نہیں اُسکے پیچھے مت چل (مت پڑ) بیشک کان اور آنکھ اور دل سب سے سوال کیا جائے گا ۔ (یہ افترا، کذب اور قول زور کی مذمت ہے)

١٢ وَاشکروا للہ ۔ اور شکر کرو واسطے اللہ کے ٭

١٣ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون ۔ اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم فلاح پاؤ ٭

١٤ یا ایہا الذین امنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون ۰ اے ایمان والو صبر کرو اور تھام رکھو دوسرے کو ۔ اور دل لگائے رکھو (عبادت ۔ ذکر و شغل میں) اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم فلاح پاؤ ٭

١٥ وتوکل علی اللہ وکفی باللہ وکیلا ۔ اور اللہ پر بھروسا کر اور کافی ہو اللہ کام بنانیوالا ۔

١٦ واتقوا اللہ ان اللہ علیم بذات الصدور ۰ اور ڈرو اللہ سے بیشک اللہ جاننے والا ہے سینوں کی بات کو ٭

١٧ یسئلونک ماذا ینفقون ۰ قل العفو ۔ اور سوال کرتے ہیں تجھ سے کیا خرچ کریں ۔ کہہ معافی (یہ عفو کی تعریف ہو ۔ اور سخاوت بھی کیا خوب ہو)

١٨ خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاہلین ۰ درگزر اختیار کر اور حکم کر

ساتھ بہتری کے اور منہ پھیرے جاہلوں سے ❊

19 یاایھاالذین امنوا اوفوا بالعقود ❊ اے ایمان والو عہدوں کو پورا کرو ❊

20 قل امر ربی بالقسط ❊ کہہ حکم کرتا ہے پروردگار میرا ساتھ انصاف کے ❊

21 ان اللہ یامر بالعدل والاحسان ❊ بیشک اللہ حکم کرتا ہو ساتھ عدل اور احسان کے۔

22 انہ لایفلح الظلمون ٭ پس نہیں فلاح پاتے ظالم ❊

اب ہم اِن قرآنی آیتوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا پر ختم کرتے ہیں۔ فاطر السموٰت والارض انت ولیّ فی الدنیا والاٰخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصّٰلحین ٭ اے زمین اور آسمانوں کے پیدا کرنے والے تو ہی ہے میرا دوست یعنی کارساز دنیا اور آخرت میں۔ موت دے مجکو اسلام پر اور ملا مجکو نیک بختوں میں۔

ہاں اب اُسی پہلے زینے پر پھر آجاؤ کہ تصحیح خیال سب کی جڑ۔ اصل الاصول ہو۔ دوستو۔ تصفیۂ قلب کے لیے جس مشق (Practice) کی ضرورت لازمی ہے۔ اُسکا تحریر میں آنا اول تو دقت سے خالی نہیں۔ دوسرے اگر لائے بھی (جیسے کہ تصوف کی تمام کتابیں بھری پڑی ہیں) تو تصوف علم حسّی نہیں کہ کتابوں سے حاصل ہو جائے۔ جب ظاہری علم معلم کا محتاج ہو تو باطنی علم اِس قید سے کیوں آزاد سمجھا جائے مگر نہیں کچھ نہ کچھ تسکین ہونی ضروری ہے۔ اسلامی تصوف فری میسن کا راز نہیں۔ اِسکا راز و نیاز شوق و محبت کی دلیل ہو۔ اِسکی برقی کشش قوت جاذبہ (Electricity) دماغ انسانی سے نہیں دل سے تعلق رکھتی ہو۔ اِسکی برقی لہر دل سے اُٹھتی دل ہی میں تاثیر (Effect) پیدا کرتی ہے۔ اِسکی آگاہی عقل جزئی کے احاطۂ ادراک سے باہر ہے۔ اِسمیں باطنی دانش (Intuition) کی ضرورت۔ اصل قابلیت یا عطیۂ روحی (An original faculty or endowment of the soul) کی حاجت ہو اِسکا تصور یا مراقبہ (Contemplation)

خیالی نہیں بدیہی ہے۔ (Self - evident) ہاں یہاں نہ علت ہے نہ معلول نہ عامل ہے نہ معمول۔ یہاں ہے کیا۔ جذب قلبی کا ظہور۔ کشش روحی کا سرور۔ قیل و قال سے آزادی۔ جسم فانی کی بربادی۔ عشق و محبت کی باتیں۔ ناز و نیاز کی گھاتیں۔ سوز و گداز سے رغبت۔ آہ و نالہ سے الفت۔ بیخودی کے فسانے۔ درد دل کے ترانے۔

ساقیا خون جگر در جام کن | گر نداری درد از ما وام کن
عشق را دردے بباید پردہ سوز | گاہ جاں را پردہ در گہہ پردہ دوز
ذرۂ عشق از ہمہ آفاق بہ | ذرۂ درد از ہمہ آفاق بہ
عشق مغز کائنات آمد مدام | لیک عشق آمد نہ بے دردے تمام
قدسیاں را عشق ہست و درد نیست | درد را جز آدمی در خورد نیست
کفر کافر را و دیں دیندار را | ذرۂ درد دل عطار را

خیر یہ بیخودانہ بڑ تو دم کے ساتھ ہے۔ اس سے چشم پوشی ہو۔ اور مطلب کی باتیں سنو۔ سب سے پہلے انسان ضعیف البنیان کو اپنی ہستی پر غور کرنا اور سمجھنا چاہیئے کہ کتم عدم میں تھا۔ وجود میں آیا۔ ایک قطرہ آب سے پیدایش ہوئی۔ خون کا دودھ بنا وہ ابتدائی غذا ٹھیری۔ نہ حس و حرکت کی طاقت تھی۔ نہ گویائی کی قوت۔ نہ یہ لفاظی تھی نہ یہ ترانے نہ یہ لکچر نہ یہ فسانے۔ قدم قدم پر مجبوری کا نام۔ بات بات میں رونے سے کام۔ کبھی ماں کی آغوش رحمت تھی۔ اور کبھی باپ کی کنار عاطفت۔ کبھی اپنوں کی شفقت کبھی غیروں کی محبت۔ اور سچ پوچھو تو یہ سب عارضی نسبتیں۔ برائے نام اضافتیں ہیں۔ حقیقۃً اسی ایک کی شفقت کا ظہور۔ اسی ایک کی محبت کا وفور۔ کہ جو ماں باپ سے بڑھکر شفیق و رفیق۔ بندہ پرور۔ بندہ نواز۔ رؤف و رحیم غفور و حلیم ہے۔ وہی کتم عدم سے وجود میں لایا۔ انسانی جامہ پہنایا۔ اُسنے عقل کا چراغ رہنمائی کو دیا۔ دولت علمی سے مالامال کیا۔ غرض وہ کونسی رحمتیں ہیں جو نازل نہ ہوئیں۔ وہ کونسی نعمتیں ہیں جو حاصل نہ ہوئیں

ناشکروں۔ ناحق شناسوں کا نام نہیں۔ احسان فراموشوں سے کام نہیں۔ ورنہ وہ کون سلیم القلب انسان ہے کہ ان انواع اقسام انعامات طرح طرح کے احسانات پر بھی اُس منعم حقیقی سے روگردان اور اُسکی بارگاہ سے گریزاں رہے۔ اور پھر بھاگ کر جائے گا کہاں۔ نہیں نہیں۔ اچھے نیک بندے نعمتوں پر شکر۔ بلاؤں پر صبر کرتے اور راضی برضا رہتے ہیں۔ یہی ہیں جو صدیقین میں شمار ہوتے اُنہیں کے ساتھ اُٹھائے جاتے ہیں۔ من اسلم بقضائی ویصبر علی بلائی ویشکر علی نعمائی کتبتہ بعثتہ مع الصدیقین یقینا ومن لم یرض بقضائی ولم یصبر علی بلائی ولم یشکر علی نعمائی فلیطلب ربا سوائی ویخرج من تحت سمائی + یعنی جو شخص راضی برضا ہے۔ بلاؤں پر صبر اور نعمتوں پر شکر کرے۔ وہ یقینی صدیقوں میں لکھا جائے گا اور اُنہیں کے ساتھ اٹھایا بھی جائے گا۔ اور جو راضی برضا نہ رہے نہ صبر و شکر سے واسطہ رکھے تو اُسے یہ چاہیئے کہ وہ میرے سوا کوئی دوسرا پروردگار تلاش کرے اور اس آسمان کے نیچے سے کہیں اور جا کر رہے۔ خیر یہ بھی نہ سہی۔ احسانات کا شکر ہو یا نہو۔ راضی برضا رہے یا نہ رہے۔ مگر کیا یہ بھی ممکن ہے کہ اس مشت خاک کو اپنی مجبوریاں۔ ناچاریاں نظر نہ آئیں۔ اپنے فانی ہونے کا یقین نہو۔ خواہ کتنی ہی غفلت کے پردے کیوں نہ پڑے ہوں۔ پھر بھی اس حیات مستعار میں ایک دو نہیں سیکڑوں ہزاروں ایسے ایسے واقعات۔ حادثات پیش آتے ہیں کہ جن سے بدن تھرا اُٹھتا۔ دل پاش پاش ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی موقعوں پر انسانی فطرت کا حال کھلجاتا۔ اپنے عجز کا اعتراف اُسکی قادریت کا اقرار ہوتا اور بے ساختہ منہ سے نکلجاتا ہے۔ اٰمنا باللّٰہ وحدہ وکفرنا بما کنا بہ مشرکین فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیٔ والیہ ترجعون ہ پاک ہے وہ ذات جسکے ہاتھ میں ہے حکومت ہر چیز کی۔ اور اُسیکی طرف پھر جاؤ گے + پھر جانے کا خیال ہی تصحیح خیال کا باعث

ہوگا۔ قلب میں گدازگی پیدا ہوگی۔ نفس کو مغلوبیت روح کو غلبہ ہوگا۔ اور جیسی جیسی پختگی آتی جائے گی۔ قلبی تاریکی کافور۔ تجلیات کا ظہور ہوگا۔ تمہارے سینہ میں ایک صاف دل (Sincere heart.) ہوگا۔ اور دل میں راستبازی (Rightousness.) تمام برائیاں (Iniquities) ناپاک خیالات (Impure thoughts) خود بخود دور ہوتے جائینگے تمام ناچیز ظاہرداری کے عملوں (Trivial ceremonial obser-vances.) سے کنارہ کشی ہوگی۔ (ظاہرداری کے عمل یعنی نفاقی حالت دل میں کچھ ظاہر کچھ) تمہارے زبان و دل میں موافقت ہوگی۔ باطن صاف ہوگا۔ اور طینت پاک تمہاری کایا پلٹ ہوجائے گی۔ دل کی تبدیلی چال چلن کی تبدیلی ہے (Convertion) اب تم سمجھوگے کہ ایمانی قاعدہ (Formula of belief.) کیا ہے (کیونکہ اب تمہارا ایمان محض استدلالی نہ رہے گا۔ مشاہدی ہوجائے گا گویا اس حدیث کے مصداق ہوجاؤگے (اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ) اور ایمان و حکمت (Faith and science) کسے کہتے ہیں۔ ابھی تک تمہاری حکمتی علمی (Scientific.) دلائل محض حواس ظاہری مادہ و اسباب خارجی سے وابستہ ہیں۔ جب قلبی ادراک (Conception) ہوگا۔ اور مکاشفۂ عینی کی نوبت آئے گی۔ اسوقت تم پر خود بخود اپنے فلسفہ (Philosophy) منطق (Logic.) اور علم بیان (Rhetoric.) کی حقیقت کھل جائے گی۔ اور تم بے اختیار چلا اٹھوگے سے

ما ز یاران چشم یاری داشتیم ۔۔۔ خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

گفتگو آئین درویشی نہ بود ۔۔۔ ورنہ با تو ماجرا ہا داشتیم

یہ خیال یا اس خیالی مشق یا پختگی تمہارے دنیاوی تعلقات میں حارج نہ ہوگی۔

ـــــ سعدی ، بشوی لوح دل از نقش غیر دوست + علمے کہ راہ بہ حق ننماید جہالت است ۱۲ منہ ۳۷۱

خیر مقدم نہ سہی مؤخر ہی سمجھکر آدھ گھنٹہ اپنے ٹائیم ٹیبل میں اسکے لیئے بھی نکالو شب کا اخیر حصہ رکھو کہ اسوقت حواس میں سکون۔ یکسوئی ہوتی اور عالم مع عالمیان سناٹے میں ہوتاہے (اسی سے تہجد کی تاکید ہے) پہلے فکر و تفکر سے کام لو تفکروا فی خلق اللہ ولا تفکروا فی ذات اللہ۔ فکر مصنوعات میں ہو نہ صانع میں۔ قرآن مجید اس آیت پر عملدرآمد ہو۔ قال اللہ تعالےٰ ویتفکرون فی خلق السموٰت والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا۔ یعنی وہ زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں فکر کرتے سوچتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں) کہ اسے رب ہمارے تونے یہ (سب کے سب) بیکار نہیں بنائے۔ وقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ الف سنۃ۔ اور حضور اقدس کا ارشاد ہے کہ ایک ساعت کی فکر (کھانے کمانے کی فکر نہ سمجھ لینا) ہزار سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (وجہ یہ کہ اس فکر و تفکر میں بتدریج ایقانی و عرفانی حالت پیدا ہوجاتی ہے) اس تفکر کا مآل کار یہ ہے کہ مصنوعات سے صانع کی شناخت۔ انسانی کمزوریوں سے اُس قادر و قوی کی عظمت قادریت کا خیال قلب میں راسخ ہوگا۔ کبھی اُسکی رحمت یاد آئے گی۔ اور اپنی معصیت۔ اُسکا لطف و احسان۔ اپنا فسق و عصیان۔ اُسکی بندہ پروری بندہ نوازی۔ اپنی ناشکری نافرمانی اُسکا رحم و کرم جود و عطا۔ اپنا ظلم و ستم جور و جفا۔ اُسکی وہ شفقت وہ محبت۔ اپنا یہ نقشہ یہ حالت۔ ہاں تو اس حالت میں ہوگا کیا۔ دل میں درد ہوگا اور آنکھوں میں آنسو۔ استغراقی کیفیت ہوگی اور سوز و گداز سے رغبت۔ اس حالت شکستگی میں ان رباعیات کا ورد کیفیت سے خالی نہیں ؎

یارب زگناہِ زشتِ خود منفعلم وز فعلِ بد و خوے بدِ خود خجلم
فیضے بدلم ز عالمِ قدس رساں تا محو شود خیالِ باطل ز دلم

لہ شب کے وقت حواس صوری کے تصرفات عالم محسوس میں باقی نہیں رہجاتے۔ عالم محسوس کے سکون پر حواس کا

 رجحان باطن کی طرف ہوجاتا ہے ؎ چو فارغ گشت مرد از کار محسوس ۔ شدہ در باطنِ اسرار جاسوس

ے اللہ بفریاد من بے کس رس لطف و کرمت یار من بیکس بس
ہر کس بہ کسے و حضرتے مینازد جز حضرت تو ندارد این بیکس کس

ے افعال بدم زخلق پنہاں میکن دشوار جہاں بردلم آسان میکن
امروز خوشم بدار و فردا با من آنچہ از کرم تو مے سزد آن میکن

اب ایک طرح کا لگاؤ پیدا ہوجائے گا۔ ساتھ ہی ساتھ محاسبۂ نفسی سے بھی کام رہے۔ حاسبوا قبل ان تحاسبوا۔ اپنے نفس سے محاسبہ کرو قبل اسکے کہ خداوند تعالےٰ تم سے محاسبہ کرے۔ روز حساب لیا کرو۔ اور تنبیہ کرتے رہو کہ اس دشمن دوست نما کے مکروفریب عجیب و غریب ہیں۔ اسکے حالات سے ہر شخص کا آگاہ ہونا دشوار ہے۔ اسکا زیر کرنا جہاد اکبر کہلاتا ہے رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر ے

نفس بد را دہ ریاضت گوشمال تا نہ اندازد ترا اندر وبال

بعض نے فرمایا کہ نفس کو ریاضت سے صاحب ادب کرنا چاہیئے کہ اساس الکفر قیامك علی مراد نفسك۔ قرآن مجید نفس کو تین صفت کے ساتھ یاد کیا ہے۔ حقیقةً نفس ایک ہی ہے۔ باعتبار صفات جداگانہ ہے۔ ایک صفت مطمئنہ ہے جو مخلصین کے لیئے مختص ہے۔ دوسری لوامہ۔ جیسا ارشاد ہوا لآ اقسم بیوم القیٰمة ولا اقسم بالنفس اللوامة۔ حدیث شریف میں ہے۔ قیامت کے دن ہر نفس لوامہ ہوگا۔ یعنی آپ کو ملامت کرنے والا۔ صالح کہیں گے کہ ہم نے صلاح کیوں نہ زیادہ کی۔ فاسق کہیں گے کہ ہم نے فسق کیوں کیا۔ تیسری صفت امارہ ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ ان النفس لامارۃ بالسوٓء یہ صفت جبلی اور پیدائشی اور سب کے ساتھ مختص ہے۔ اسی سے انسان فطرتاً بدی کیطرف مائل ہے، مگر یہ کہ صفت مطمئنہ سے بدل جائے۔ خلاصہ یہ کہ خطرات کا دور کرنا ضروریات سے ہے۔ اور اسمیں بڑا حصہ نفس کا ہے۔ اسکے مکروکید سے بچتے رہو۔ نہ کر بیٹھے کچھ نہ کچھ کرنا بہتر ہے۔ کچھ نہ کچھ کرتے رہو (Something is better than nothing)

طلب ہو گی اور **صحبت نیک** کے جویاں رہو گے تو ایک نہ ایک دن بیڑا پار ہے
ورنہ محض قیل و قال مفت کا آزار ہے۔

خاک شو مردانِ حق را زیرِ پا | خاک کن بر سرِ ہوایت ہمچو ما
از بہاران کے شود سرسبز سنگ | خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ
زہرِ ایشاں خور مخور شہدِ خساں | تا کسے گردی باقبالِ شہاں
مر ترا دشنام و سیلیٔ شہاں | بہتر است آں از ثنائے دیگراں
ہیچ نکشد نفس را جز ظلِ پیر | دامنِ آں نفس کش را سخت گیر

انا اللہ ثم انا اللہ

صورت از بے صورتی آمد بروں | باز شد انا الیہ راجعون

محمد نذیر الحسن فتح اللّٰہی - ایرانی

جناب فتح اللّٰہی شاہ صاحب کے فاضلانہ اور عارفانہ مضامین ہمیشہ پسند کیے جاتے ہیں مگر یہ مضمون جو اِس پرچہ میں ناظرین ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ اپنی طرز کا بے مثل و لاثانی مضمون ہے۔ تصوف پر اُردو زبان میں آجتک ایسی کوئی تحریر شائع نہیں ہوئی جس میں ہر دعوے کی دلیل آیاتِ قرآنی سے ہو۔ جدید تعلیم یافتہ جماعت جسکی ایک کثیر تعداد نظام المشائخ کو پڑھتی ہے۔ آج تصوف کی حقیقت کو سمجھے گی۔ کیونکہ باتیں اُنکے مذاق اور سمجھ کے موافق کی گئی ہیں۔ اور انگریزی الفاظ کو اسی انداز سے شریک کیا ہے جو آجکل کے نوجوانوں روزمرہ ہے۔ ہم اپنے عیسائی ناظرین خاصکر **پادری اینڈروس** صاحب سے (جو ہندوستان میں مشرقی مذاہب کے بڑے واقفکار مانے جاتے ہیں اور جو نظام المشائخ کو مسلسل لیتے اور پڑھتے ہیں) درخواست کرتے ہیں کہ وہ فتح اللّٰہی شاہ صاحب کی اِس تحریر کو پڑھکر انصاف سے رائے دیں کہ شاہ صاحب اپنے دعوے میں کامیاب ہوئے یا نہیں؟ اور اُنہوں نے اسلام اور تصوف اسلام کی اصل اور صحیح صورت پیش کرکے دکھا دی یا نہیں؟

(اڈیٹر)

دست غیب

کہتے ہیں اب ایمان بالغیب کا زمانہ نہیں رہا یقین اسپر آتا ہے جسکو جسم کی آنکھ مشاہدہ کرے۔ یا جو عقل کے دائرے میں ٹھیک طور سے سما سکے۔ لیکن پہلے غیب کی تعریف سمجھنی چاہیے کہ غیب کہتے کسکو ہیں۔ اسکے بعد مشاہدہ حاضر اور ایمان بالغیب کا مسئلہ طے ہوگا۔

عرف عام میں جو چیز نظروں سے پوشیدہ ہو یا اُسکا وجود عقل و ادراک سے باہر ہو غیب کہلاتی ہے تو معلوم ہوا کہ خود وہ چیز بذاتہ غائب نہیں ہے۔ بلکہ ہماری نگاہ اور عقل کی کمی کا نام غیب ہے۔

مثلاً ہندوستان کا ایک دیہاتی گراموفون کی حقیقت و ہستی سے واقف نہیں ہے۔ اُسکے نزدیک مسالہ کے ریکارڈ کا۔ آواز جذب کرلینا اور پھر بعینہ بولنا عقل اور سمجھ کے خلاف ہے۔ اور اسکی نگاہ نے کبھی اسکا مشاہدہ نہیں کیا تو اسکے عقیدے میں گراموفون ایک غیبی چیز ہے۔ جسکا ذکر ایک معتبر شہر والے کی زبان سے سنکر اگر وہ اسپر یقین کرے تو ایمان بالغیب کہلائیگا۔ حالانکہ شہر والے کے سامنے گراموفون جسکو وہ روزانہ بازاروں میں دیکھتا اور سنتا ہے غیب نہیں ہے۔ پھر اسی پر دنیا کی چیز کا قیاس ہوسکتا ہے کہ وہ غائب بھی ہے اور حاضر بھی۔ جسنے اسکو پالیا۔ اُسکے نزدیک حاضر ورنہ غائب +

دست غیب جسپر آج ہم گفتگو کرنی چاہتے ہیں اور جو کیمیا کی طرح بے شمار آدمیوں کی دلچسپی اور مذاق کی چیز ہے۔ ہماری تمہید کے تحت میں بالکل صحیح طریق سے آتی ہے +

یعنی ایک گروہ جسکی رسائی اسکے وجود تک نہیں ہوسکی وہ اسکو دست غیب کہتا ہی اور دوسری جماعت جسنے اسکو حاصل کرلیا ہی۔ اسکے خیال میں یہ ایک یقینی اور عینی بات ہے جسپر غیب کا لفظ بولنا کجا کبھی اسکے ذہن میں بھی نہیں آتا +

آجکل تین فرقے ہیں۔ ایک وہ جو دست غیب پر ایمان بالغیب رکھتا ہی یعنی اسکا عقیدہ ہی کہ واقعی دست غیب کوئی چیز ہے جسکی ہستی موجود ہی۔ دوسرا فریق وہ ہے جسکو دست غیب حاصل ہی۔ اور تیسرا جس کی تعداد دن بدن بڑہتی جاتی ہی دست غیب کے وجود کا منکر ہی اور اسکو جہالت اور توہمات کے ذیل میں شمار کرتا ہی۔ ہم بحیثیت ایک چوتھے بے تعلق شخص سے اس مسئلہ پر بحث کرنی چاہتے ہیں۔ تاکہ فیصلہ اور نتیجہ جانب داری سے پاک رہے +

پہلے۔ فریق اول کو دیکھنا چاہیئے کہ وہ دست غیب جسکو اسنے دیکھا نہیں اور نہ کبھی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ کیوں ایمان رکھتا ہی۔ اسکی کئی وجہ ہیں +

ایک تو خاندانی۔ اور قومی روایتوں کا بار بار سننا آدمی کے دل میں ایسی صدہا باتیں جما دیتا ہی۔ جو دوسرے شخص کو ناممکن و محال معلوم ہوتی ہیں۔ اسکے علاوہ جو لوگ خدا اور اسکی غیبی قدرتوں اور طاقتوں پر ایمان رکھتے ہیں انکے عقیدہ میں ہر وہ چیز جو عقل و قیاس سے علٰحدہ نظر آئے۔ ممکن ہی۔ یعنی وہ بعید از عقل باتوں کا وجود اسی طرح تسلیم کرتے ہیں جس طرح خدا کو بن دیکھے مان لیا +

ان کا بیان ہی کہ انسان کی عقل ناقص ہی۔ خداتعالی کی قدرت کاملہ تک اسکی رسائی ناممکن ہی۔ سیکڑوں چیزیں انسان کے علم و عقل میں آگئی ہیں۔ اور ہزاروں ابھی ایسی باقی ہیں۔ جن کی حقیقت سمجھنا کجا۔ ابھی تک ان کے وجود و عدم وجود کی بھی آدمی کو خبر نہیں۔ بھاپ اور بجلی جسکے بل پر آج نئی دنیا کے سب ساز و سامان چل رہے ہیں۔ رڈیم شعاع کے سامنے جسکی ہستی ابھی حال میں دریافت ہوئی ہے۔ محض ہیچ ہیں جس دن

ریڈیم کی کافی مقدار مہیا ہو گئی تو بھاپ اور بجلی کو سب انسان بھول جائینگے۔ پس جیسے ہم ریڈیم کے وجود سے بیخبر تھے ایسی ہی اور صدہا اشیاء قدرت نے پیدا کی ہیں جنکی حقیقت کا عرفان ہم کو میسر نہیں ہے۔ پس ہم کیونکر ان چیزوں کا انکار کرسکتے ہیں جو اب تک ہماری عقل و بصارت میں نہیں آئیں +

دوسرا طبقہ۔ دست غیب کے عاملوں کا ہے۔ یعنی جن کو دست غیب کی نعمت حاصل ہے اس جماعت کی نسبت تو کوئی بات توضیح طلب نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ایک ایسا گروہ ہے جو اپنے عینی مشاہدہ پر یقین رکھتا ہے۔ پس ہمکو انکے یقین واثق پر چہ میگوئی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے +

البتہ تیسرے فرقے منکرین دست غیب کے بیانات سُننے ضروری ہیں جنپر مقدمہ زیر تنقیح کا بہت کچھ دارومدار ہے۔ اور جنسے گفتگو کیے بغیر فیصلہ اور تصفیہ دشوار ہے +

یہ لوگ نئی روشنی والے کہلاتے ہیں۔ جنکے دماغ ابتدا سے یورپی ہوا میں پرورش کیئے جاتے ہیں۔ اور جن کی صحبت و تعلیم کا اصل اصول اپنی ذات پر بھروسہ کرنا اور اپنی عقل کے بل پر راستہ چلنا ہے۔ یہ گروہ باوجود ایشیائی اور ہندوستانی ہونیکے جہاں غیبی امور پر یقین و ایمان رکھنے کا عام دستور ہے یورپی خیالات کا دلدادہ ہے اور اسکی دلدادگی دیوانگی کی حد تک پہونچ گئی ہے۔ یعنی وہ ہر اُس صدا کو جو یورپ کیطرف سے بلند ہو عقل و قیاس کی کسوٹی پر پرکھے بغیر مرحبا و لبیک کہتا ہے۔ اور اپنے بھروسہ عقل کے کلیہ کو فراموش کر جاتا ہے۔ کیونکہ اسکو حق الیقین ہے کہ عقل و قیاس لڑانے کی ضرورت ایشیائی اور ہندی تخیلات میں ہے جہاں مبالغہ اور توہمات کا زور و شور ہے۔ یورپ جیسے پختہ خیال خطہ پر غور و قیاس کی حاجت ہی نہیں +

اسکا عقیدہ ہے کہ جذب باطن کوئی چیز نہیں۔ کسی درویش کی نسبت یہ کہنا کہ وہ اپنی غیبی کشش سے اتنے آدمی اتنے فاصلہ سے بلا سکتا ہے۔ بھاپ کی طاقت سے

بڑھ کر نہیں ہی۔ جو ہزاروں آدمیوں کو ریل کے ذریعہ سے اِدہر سے اُدہر کرتی رہتی ہے یا مکاشفات غیب کے سلسلہ میں ہزار کوس کی خبر آنًا فانًا میں معلوم کر لینا تچھ آنے کے تار سے زیادہ شاندار نہیں ہی جو دم کے دم ہزاروں کوس کی خبر برقی رو میں لاسکتا ہی +

الغرض اس قسم کے مشاہدات غیبی اور بے ظہور طاقتوں کے عقیدہ سے اُنکو بیزار کر دیتے ہیں۔ اور یورپی عادات و علوم کی ترقی کے ساتھ انکی تعداد بھی بڑہتی جاتی ہے اور کچھ عجب نہیں کہ ایک دن ان منکروں کا شمار ماننے والوں سے بہت زیادہ ہوجائے۔ کیونکہ اقرار کرنے والے انکار کرنے والوں کے شبہات کو دور کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اور نہ ہی کوشش کو ضروری کارآمد سمجھتے ہیں +

قبل اسکے کہ ہم منکرین و معترضین کے بیانات پر تنقید کریں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ

دست غیب کسکو کہتے ہیں!

عوام کے خیال میں دست غیب اسکا نام ہے کہ عامل کو خزانۂ غیب سے روزانہ ایک خاص رقم ملجاتی ہے۔ اور اسکی سبیل یہ ہوتی ہی۔ کہ یا تو جسوقت عامل بیدار ہوتا ہی تو تکیہ کے نیچے سے رقم رکھی ہوئی ملتی ہے اور یا کسی دوسرے مخصوص مقام پر رقم ملجاتی ہے۔ پانچ روپیہ کی دست غیب ہے تو یومیہ پانچ ہی آتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ دوسرے دن تک وہ پانچوں خرچ کر دینے چاہئیں۔ ورنہ عطائے غیبی کو نقصان پہنچتا ہے +

دست غیب کا لفظ مسلمانوں کی روزمرہ میں اتنا پیوست اور جذب ہوا ہے کہ جب کسی ایسے شخص کو دیکھتے ہیں جسکا وسیلہ آمد کچھ نہو۔ مگر خرچ بہت کرتا ہو تو کہتے ہیں کہ اسکو دست غیب ہے۔ یا طعن و تشنیع کے موقع پر اس لفظ کو استعمال کرتے ہیں۔ کہ اگر اسکی کچھ معاش نہیں ہی تو کیا گزارہ دست غیب پر ہی۔ گویا دست غیب ہر شخص کے نزدیک مسلم چیز ہے۔ مسلمانوں کا بچہ بچہ دست غیب کے نام کو جانتا ہی اور تقریبًا اسکی حقیقت سے بھی خبردار ہوتا ہے۔ گو آجکل کے بچے جن کو سکول کی مصروفیت

کے سبب خاندانی و قومی روایات کجا دین و دنیا کی کسی بات کا ہوش نہیں رہتا دست غیب کے نام سے آگاہ ہوں ۔

عوام جس چیز کو دست غیب سمجھتے ہیں حقیقت میں وہ بھی ایک شئے ہے اور غیب کے خزانہ سے یقیناً روزانہ عطیہ ہوتا ہے ۔ مگر یہ امر بالکل شاذ اور نادر ہے اسکے سچے عامل بہت کم دیکھے اور پائے جاتے ہیں ۔ ذہنی ڈھکوسلا باز زیادہ ہوتے ہیں ۔ مگر دست غیب کا صرف اسی ایک بات پر حصر رکھنا غلطی ہے ۔ کیونکہ غیبی ہاتھ کی شرکت ہمارے ہر کام میں پائی جاتی ہے ۔ ہم میں سے ہر شخص کو تجربہ ہوا ہوگا کہ وہ اپنی عقل اور سمجھ کے موافق ایک مطلب کے حصول کے لیے سر توڑ کوشش کرتا ہے مگر حاصل ناکامی کے سوا کچھ نہیں ہوتا ۔ اور جب قدرت غیب کو منظور ہوتا ہے تو بے سان و گمان ایسے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں کہ آن کی آن میں وہ مشکل آسان ہو جاتی ہے ۔ اسیکا نام دست غیب ہے ۔ ہر آدمی کو اس سے سابقہ پڑتا ہے مگر کسیکو اسکا احساس ہے اور کوئی بے حس ہے ۔

ہمارے ایک دوست انگریز سوداگر نے دست غیب کے متعلق ایک عجیب و غریب

آپ بیتی

سنائی تھی ۔ جسکا یہاں ذکر کرنا دلچسپی کا موجب ہوگا ۔ وہ کہتے تھے کہ میرے والد کا مدراس کے علاقہ میں معقول تجارتی کاروبار تھا ۔ انکے انتقال کے بعد کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ کام خراب ہوگیا ۔ اور قرض خواہوں کی یورش سے گھبرا کر میں برہما چلا گیا ۔ برہما جانے سے پہلے میں اپنے ایک دوست سے ملنے حیدرآباد بھی گیا ۔ یہ دوست مسلمان تھے جو والد کے وقت سے ہم سے ملتے تھے ۔ جب انہوں نے میری پریشان حالت دیکھی تو بہت دلاسا دیا ۔ اور کوشش کرنے کی تاکید کی ۔ میں نے کہا جناب میں نے مقدور اور بساط کے موافق کوشش میں کسر نہیں رکھی ۔ مگر عجیب بات ہے کہ کام

بن بن کر بگڑ جاتے ہیں۔ والد کے وقت میں دس روپیہ آتے تھے اور پندرہ روپیہ کا لُٹنے کام نکلتا تھا۔ میرے زمانہ میں پندرہ کی آمدنی اور دس کے خرچ میں کفایت نہیں حیران ہوں کہ یہ کیا بلا ہے۔ پیسہ آتا معلوم ہوتا ہے۔ جانے کی خبر نہیں ہوتی۔ آن کی آن میں غائب ہو جاتا ہے۔ میرے دوست یہ سنکر مسکرائے۔ اور کہا یہی بات ہے کہ جسکو ہمارے برکت اور بے برکتی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جب خدا تعالیٰ کسی کام کو چلانا چاہتا ہے تو اپنے غیبی ہاتھ سے اُسمیں برکت دیدیتا ہے۔ پھر وہ کام نامعلوم طریق سے دن بدن بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ اور جب کسی کا زوال منظور ہوتا ہے تو برکت سلب کرلیجاتی ہے۔ پھر سَو کی جگہ ہزار خرچ کرو مگر نتیجہ کچھ نہیں نکلتا۔

مجھپر اپنے سچے اور مخلص دوست کی اس عجیب و غریب گفتگو نے جسکو میں نے آجتک کبھی نہیں سُنا تھا۔ بڑا اثر ڈالا۔ اور دل میں یقین آگیا کہ بیشک غیبی طاقت کو ہمارے کام میں ضرور دخل ہے۔ اُسپر میں نے اُنسے کہا کہ برلئے خدا آپ مجھکو کوئی ایسی تجویز بتائیں جس سے غیب کی برکت مجھ سے راضی ہو جائے۔ میرے دوست کو اس فقرے پر ہنسی آگئی اور اُنہوں نے کہا۔ میں تم کو ایک درویش کے پاس لیچلونگا خدا نے چاہا تو اُن کی دعا سے تمہارے ایام کی نحوست جاتی رہے گی۔ اور برکت نازل ہو گی۔

دوسرے دن مجھکو وہ ایک بزرگ صورت فقیر کے پاس لے گئے۔ اور مجھ سے کہا کہ انکے ہاتھ کو بوسہ دو اور ایک اشرفی نذر پیش کرو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ ان بزرگ نے میرا حال نہایت اخلاق سے دریافت کیا۔ اور ایک دعا پڑھنے کو بتائی جو میرے دوست نے بڑی محنت سے دو روز کی کوشش میں مجھکو یاد کرادی۔ میں یہ دعا روز صبح اُٹھکر پڑھ لیتا تھا۔ یہاں تک میں برسا گیا۔ اور جو کام شروع کیا اُسی میں ترقی ہوئی مجھے اب تک معلوم نہیں ہوا کہ اُس فقیر کے لفظوں میں کیا تاثیر تھی۔ جس نے میری

حالت میں زمین آسمان کا فرق ڈالدیا"

اسی پر ہم سب آدمیوں کی حالت کو قیاس کرسکتے ہیں۔ ایک آدمی نوکری کرتا ہے معقول تنخواہ پاتا ہے۔ مگر گزارہ نہیں ہوتا۔ دوسرا آدمی اس سے کم تنخواہ پاتا ہے اور خرچ اس سے زیادہ کرتا ہے۔ اسکا کیا سبب ہے۔ یہی کہ اول الذکر کے ہاں غیبی ہاتھ کی برکت نہیں ہے۔ اور دوسرے کے ہاں ہے۔ اس غیبی برکت ہی کو دست غیب کہتے ہیں یا مثلاً ایک کاشتکار نے سو من غلہ بویا۔ اور دوسرے نے پچاس من مگر پچاس من والے کو سو من والے پر فروغ معلوم ہوتا ہے تو سمجھ لو کہ دست غیب دست غیب نے برکت عطا فرمائی۔ علی ہذا القیاس دنیا کی ہر چیز میں دست غیب موجود ہے بشرطیکہ ہم غور کریں۔

دست غیب کیونکر حاصل ہوتا ہے

اب ایک بہت بڑا سوال باقی رہتا ہے کہ دست غیب کے حصول کی کیا ترکیب ہے مگر اس سوال کا جواب بہت مشکل ہے۔ دست غیب کے اعمال تو سیکڑوں کتابوں میں بھی ہیں۔ اور بیسیوں عامل بھی جانتے ہیں۔ مگر ہماری رائے میں دست غیب کا حصول انہی اعمال پر منحصر نہیں ہے۔ جو عاملوں کے ہاں مروج ہیں بلکہ وہ اور طریقوں سے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ اور ہم انکو یہاں بیان کرنا بہت ہی ضروری سمجھتے ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ یہ مضمون بہت بڑھ گیا ہے۔ اگر حصولی تشریحات کو لکھا گیا تو رسالہ کا بہت بڑا حصہ اسمیں خرچ ہوجائے گا اور ہمکو یہ منظور نہیں کہ دیگر مضمون نگار حضرات کی جگہ غصب کرلیں۔ اسلیئے اس بحث کو آئندہ پرچہ کے لیئے ملتوی کرتے ہیں۔ جن کو اس معاملہ میں دلچسپی ہوگی وہ اگلے پرچہ تک انتظار کرلیں گے"

حسن نظامی

خونی تارہ

شاہ ایڈورڈ کا قاتل تسخیر کی زنجیر میں

دُم دار تارے کی دھوم۔ اُسکی نحوست کے افسانے۔ شاہ ایڈورڈ کی وفات کی طرح آجکل ہر شخص کی زبان پر ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس منحوس تارے نے بادشاہ کو کھا لیا۔ دیکھئے اب اور کیا کیا بلائیں باقی ہیں۔ کیونکہ راجا اور پرجا دونوں کے لیئے اس کا وجود نامبارک ہوتا ہے۔ بادشاہ کی موت نے توہم پرست لوگوں کو اور بھی زیادہ خوف زدہ بنا دیا ہے جس سے تمام ملک میں فکر اور خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ اور ایک سنسناہٹ پھیل گئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسلامی عقائد کی بنا پر اس گیسو دار تارے کے متعلق کچھ لکھوں۔ ممکن ہے کہ مذہبی تشریح سے مسلمانوں کو موجودہ گھبراہٹ میں تسلی ملے۔

دمدار ستارہ دنیا میں بارہا نکلا ہے۔ پُرانے زمانہ کے ہیئت دانوں نے اس کی نسبت جسقدر رائے زنی کی ہے وہ سب قیاسی اور رجماً بالغیب ہے آج کل کی تحقیقات عجیب و غریب قدرت کے آلات کے سبب قدیمی معلومات سے بہت آگے بڑھ گئی ہے۔ نئے زمانہ کے ہیئت دانوں نے تارے کی تصویر اُتار لی۔ جسامت ناپ لی۔ دوڑ کی مقدار کو معلوم کر لیا۔ اور حساب کر کے بتا دیا کہ فلاں دن فلاں وقت یہ تارہ زمین کے پاس سے گزریگا۔ لیکن بیچارے باوجود اس عقل و دانش کے کہ نظام شمسی کی خبروں سے رتی رتی خبردار ہیں۔ خدا کی بے مثل زبردست قدرت کے کرشمے مشاہدہ کرتے ہیں۔ جاہلوں کی طرح ایک وہم میں مبتلا ہیں

اور کہتے ہیں کہ زمین کو اس تارے سے بڑی جوکھوں ہی۔ اگر یہ تارا زمین سے ٹکرا گیا تو زمین کی خیر نہیں[1]۔ سمندر ابلکر بادلوں سے جا ملیگا پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھرینگے۔ ساری زمین شدت حرارت سے پگھل کر راکھ ہوجائے گی اور خود بھی مریخ اور مشتری کے رہنے والے لوگوں کی نگاہ میں ایک دمدار تارہ دکھائی دینے لگے گی۔ اس محققانہ تشریح کو سنکر اچھے اچھے دل گردے والوں کا زہرہ آب ہو رہا ہے۔ اور پڑھے لکھے سمجھدار لوگ بھی آنیوالے خطرے سے سہمے جاتے ہیں۔ اسکو کہتے ہیں علمی زنانہ پن ؛

اسلام مردی - اس کی سب تعلیم مردانہ وار ہے۔ وہ کہتا ہی سورج سب طاقتوں سمیت تمہارا غلام۔ چاند تمہارا حکم بردار۔ موجودات کی سب طاقتیں تمہاری حکمرانی میں دیدی گئیں۔ تم سوائے خدا کے اور کسی سے نہ ڈرو۔ مسلمان مانتے ہیں کہ سورج کو اہل زمین کی زندگی میں بہت کچھ دخل ہی۔ اسکی تاثیرات سے دنیا والے پرورش و نشو و نما پاتے ہیں۔ مگر وہ اس یقین کے سبب سورج کے آگے سر نہیں جھکاتے۔ اور اسکو اپنی طرح خدا کی ایک مخلوق سمجھتے ہیں ؛

اگر چاند۔ سورج۔ بھاپ۔ بجلی ہمارے کام نکالتے ہیں تو ہم انکا کچھ احسان نہیں مانتے۔ اور نہ ہمکو انکے احسان ماننے کی مذہبًا اجازت ہی۔ ہماری شکرگزاری تو بس اُس ذات اعلیٰ صفات کے لیئے مخصوص ہی جس نے قرآن شریف میں ہمیں بتایا کہ "میں نے چاند۔ سورج اور دنیا کی سب طاقتدار چیزیں۔ اے انسان تیرے لیئے مسخر کردی ہیں"۔ تو جس نے قوت والی اشیا کو پیدا کرکے ہمارا تابعدار بنایا۔ اُس کی حمد و ثنا کریں۔ یا خود ان مخلوق اور بے قابو اشیا کی جو ہماری طرح اپنی ذات سے بے اختیار محض ہیں ؛

[1] خطرے کا دن ۱۹ مئی کا مشہور تھا۔ سو وہ خدا کے فضل و کرم سے گزر گیا اور کسی قسم کا حادثہ نہوا ۱۲

اسی طرح ہمکو حوادثِ ایام سے بے فکر رہنا چاہیئے۔ خدانے ہماری حفاظت کا وعدہ کیا ہو۔ کبھی نہیں ہوسکتا کہ کوئی دوسری طاقت اُسکے حکم کے بغیر ہمارا بال بھی بیکا کرسکے۔ ایک دمدار تارہ کیا ہزار ایسے تارے زمین سے ٹکرائیں۔ مگر جبتک وہ ساعت نہ آئے۔ جس کی ہولناک تصویریں منجموں سے بڑھکر قرآن شریف نے کھینچی ہیں۔ جس میں زمین کی آخری گت کو لرزے میں ڈالنے والے الفاظ سے بیان کیاہے جسکو مسلمان یوم القیمہ کہتے ہیں۔ اس وقت تک بقائے ارضی کو کوئی فنا نہیں کرسکتا۔

کواکب کی تاثیر

البتہ اس امر کے تسلیم کرنے میں ہمیں کچھہ عذر نہیں ہے کہ نجوم وکواکب میں اللہ تعالیٰ نے تاثیرات رکھی ہیں جنکا ظہور زمین اور اہل زمین پر ہوتا ہو۔ چاند کی روشنی کو سمندر سے خاص تعلق ہے۔ سمندر کا اُتار چڑھاو جسکو جوار بھاٹا یا جزر و مد کہتے ہیں چاند کی کمی بیشی پر منحصر ہے۔ چاند کی شعاعیں غلہ اور نباتات میں عنصر حیات پیدا کرتی ہیں۔ مادی تعلقات کے علاوہ روحانیت میں بھی چاند کو دخل ہو۔ بعض اوراد و وظائف۔ اشغال و اعمال چاند کے گھٹاو بڑھاو کے موافق کیے جاتے ہیں۔ بعض روزے پورے چاند کے ایام میں رکھے جاتے ہیں جن کو ایام بیض کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور صرف چاند پر کیا حصر ہے۔ ہر ستارے کی علیحدہ خاصیت ہو۔ جسکا اثر بلا گنجایش انکار و تامل ہم نمایاں طور پر محسوس کرتے ہیں۔ بعض ستاروں کی یہ خاصیت ہو کہ جب وہ طلوع ہوتے ہیں تو ایک خاص چیز پر اثر ڈالتے ہیں۔ مثلاً ایک تارہ جب طلوع ہوتا ہو تو جس چمڑے پر اسکی شعاع پڑے وہ خوشبودار ہوجاتا ہو۔ لوگ اس تارے کی ساعتِ طلوع کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اور جب وقت آتا ہے تو چمڑے چھتوں اور کھلے میدانوں میں پھیلادیتے

ہیں۔ ایک ستارے کی نسبت مشہور ہے کہ اُس کا پرتو کسی مخصوص علاقہ پر پڑتا ہے اور پرتوہ بھی بہت سریع السیر ہوتا ہے۔ جوں ہی اُسکی روشنی زمین کی طرف متوجہ ہوتی ہے فوراً ہر چیز جو اُسکے مقابل میں ہو موم کی طرح نرم ہوجاتی ہے۔ یہاں تک کہ پہاڑ بھی موم ہوجاتے ہیں۔ یہ اثر آناً فاناً میں جاتا رہتا ہے۔ اگر کچھ دیر تک رہے تو غضب آجائے ✦

اب یہاں یہ معلوم کرنا نہایت ضروری ہے کہ کواکب کی تاثیر دو قسم کی ہے ایک تو وہ جو خود بخود ہم پر ظاہر ہوتی اور اثر ڈالتی ہے۔ دوسری وہ جو ہماری طلب اور کوشش کی محتاج ہے۔ سیاروں میں بذاتہ طاقت موجود ہے۔ مگر جب تک ہم اُسکے حصول کی سعی نہ کریں۔ ہمیں اس طاقت سے کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ سورج کو دیکھو۔ اسمیں خدا تعالیٰ نے لاکھوں قوتیں رکھی ہیں۔ جن میں بعض تو ہر خاص و عام پر بلا طلب نثار ہوتی ہیں۔ اور بعض خواہش کرنے اور کسب کے طریقوں پر عمل درآمد کرنیسے حاصل ہوتی ہیں۔ مثلاً دھوپ جو انسان حیوان۔ نباتات وغیرہ کی زندگی کے لیئے لازمی چیز ہے۔ بلا امتیاز تقسیم ہوتی ہے۔ مگر مادۂ غذائی جو سورج کی روشنی میں قدرتی طور سے موجود ہے۔ اُس پھل کو ملتا ہے جس میں غذائیت قبول کرنے کا مادہ بھی ہو۔ یا وہی پودا اُسکو حاصل کرسکتا ہے جس کی تخم ریزی محض غذائی جوہر لینے کی خاطر ہوئی تھی۔ اور جذبی طاقت اُسی شخص کو میسر آسکتی ہے جو ضابطہ اور قاعدے کے موافق عمل اور شغل کرے۔ ہر کس و ناکس آفتاب کی اس مخفی طاقت پر قابو نہیں پاسکتا۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف کی سورۂ نحل میں فرماتا ہے "ہم نے انسان کے واسطے۔ ہاتھی۔ گھوڑے۔ اونٹ۔ گدھے بیل۔ خچر مسخر کر دیئے ہیں۔ چاند سورج اور سب تاروں کو بھی اُس کا تابع بنادیا ہے" لیکن ارشاد الٰہی پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان جانوروں میں تسخیر قبول کرنے کی خاصیت رکھی گئی ہے

لیکن وہ خود بخود آدمی کے تابعدار نہیں ہوتے۔ سکھانے اور سدھانے سے مانوس و مسخر ہوتے ہیں۔ اِسی پر چاند۔ سورج اور ستاروں کو قیاس کرنا چاہیئے۔ یہ بھی اِن طریقوں پر عمل کرنے سے جو استادوں نے تسخیر کواکب کے لیے مقرر کیے ہیں قابو میں آتے ہیں۔ اور اِس سے کوئی مسلمان جس کا قرآن شریف پر ایمان ہے۔ انکار نہیں کرسکتا کہ نجوم کا آدمی کے بس میں آجانا بالکل یقینی بات ہے۔ کیا دنیا والے یہ نہیں دیکھتے کہ قدرت کی مخفی طاقتیں بجلی وغیرہ انسان کے ہاتھ کس بیکسی سے مسخر ہوگئی ہیں اور آدم زاد اُنسے کیسی کیسی خدمتیں لیتا ہے ؎

اب تک کواکب کے مسخر کرنے والوں کے سامنے صرف ایک مقصد رہتا تھا یعنی وہ تسخیرِ نجوم سے صرف غیبی کرشموں کا کام لیتے تھے۔ مادی امور عام ضروریات زندگی میں اِس تسخیر سے کچھ سروکار نہ رکھا جاتا تھا۔ مگر برقی خدمتگزاریوں کو دیکھکر اگر چودہویں صدی کے عامل اور نجومی اپنے طرز عمل میں کچھ ترمیم کریں تو تعجب نہیں۔ کیونکہ ستاروں کی تاثیرات سے انسانی زندگی کی ضروریات میں بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔ اہل امریکہ و یورپ آفتابی شعاعوں سے کام لینے لگے ہیں۔ مگر شعاع تو ایک عام چیز ہے۔ آفتاب کی خاص قوتیں انسان کے عام فوائد کے لیے قابو میں لائی جاسکتی ہیں ؎

مشتری و عطارد کی تسخیر سے علمی اور ذہنی ترقیوں کے غیر معمولی فوائد حاصل ہوسکتے ہیں۔ مریخ و شمس کی تسخیر انسان کی مردانگی میں حیرت انگیز جذبہ پیدا کرسکتی ہے۔ اِسیطرح دوسرے سیارے ہیں جن کی تشریح ممکن ہوا تو کسی دوسری تحریر میں فرداً فرداً کردی جائے گی ؎

پُرانے زمانے کا انسان

ہماری طرح ستاروں کی تاثیرات سے واقف تھا۔ بڑی بڑی قوموں کی یادگاروں سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے ہاں ستارہ پرستی رائج تھی۔ اور یہ ثبوت ہے اِس امر کا کہ وہ ستاروں

کی قوت سے واقف تھے مگر عقل وہدایت کی کمی کے سبب طریق حصول میں غلطی کرتے تھے یعنی بجائے اس کے کہ ان کواکب کو مخلوق سمجھکر کام نکالنے کی کوشش کرتے۔ اُنھوں نے خدا کی ذات وصفات میں انکو بھی شامل کر لیا۔ اور عبادت کرنے لگے۔ جیسے اب تک ہندو سورج وغیرہ کی پوجا کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے بزرگ سورج کی طاقتوں کو سمجھ گئے تھے اور چاہتے تھے کہ انکو حاصل کریں۔ مگر حصول کے طریقوں میں کامیابی نہوئی۔ مریخ کا برزخ ہندو منجموں نے خونخوار بندر کی صورت میں قائم کیا تھا۔ جسکو وہ ہنومان کہتے ہیں۔ اور منگل کے دن جو یوم المریخ ہے ہنومان کی پوجا ہوتی ہے ❖

راجہ رامچندر جی جن کو ہندو بہت بڑا برگزیدہ اوتار مانتے ہیں۔ مریخ کے عامل تھے اور مریخ اپنی تمام طاقتوں سمیت اُنکا مسخر تھا۔ راون سے جنگ کا موقع آیا تو مریخی برزخ نے بشکل ہنومان اپنی دیگر طاقتوں کے ساتھ راون پر حملہ کیا۔ اور راون اس ہولناک حملہ کی تاب نہ لاسکا اور مارا گیا ❖

مسلمانوں نے بھی تسخیر کواکب میں بڑے بڑے کمال پیدا کیے تھے۔ اور اب بھی ان میں صدہا آدمی ایسے موجود ہیں۔ جو تاثیرات نجوم پر قابو یافتہ ہیں۔ دمدار تارے کے طلوع سے ملک میں گھبراہٹ پھیلی ہوتی ہے۔ مگر میں نے چند مسلمان عاملوں کو دیکھا کہ وہ نہایت بشاش ہیں اور کہتے ہیں کہ مدت کے بعد ہمکو یہ موقع ملا ہے۔ اب ہم اپنا عمل پورا کرلیں گے۔ چنانچہ وہ لوگ پچھلی راتوں کو بخورات لیکر دریا پر جاتے ہیں اور تسخیری اعمال پڑھتے ہیں۔ اس شہرت میں کچھ مبالغہ نہیں کہ دمدار تارے کی نحوست اور شاہ ایڈورڈ کی موت کو بہت کچھ تعلق ہے۔ اور اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا۔ کہ اس تارے کی نحوست شاہ اور رعایا دونوں پر پڑتی ہے۔ جیسا کہ محققین نے دریافت کرکے بتلایا ہے کہ سوائے ایک ۶۱۱ء کے جو ہمارے رسول عربی ؐ کے بعثت کا سال ہے اور جسمیں

اُس نے طلوع ہوکر اچھا اثر دکھلایا یعنی وہ قوم جو قعرِ جہالت وضلالت میں پڑی ہوئی تھی۔ راہ راست پر آگئی۔ یہ شاذ ہی مفید ثابت ہوا ہے۔ مثلاً قبل ولادت مسیح یہ چار دفعہ طلوع ہوا۔ اور چاروں دفعہ بڑی بڑی خونریزیوں کا باعث ہوا۔ قومیں کی قومیں اسکے اثر سے تاراج ہوگئیں۔ سنہ ۶۶ء میں یہ تلوار کی صورت میں نمودار ہوا۔ اور بیت المقدس کو برباد کرکے غائب ہوگیا۔ سنہ ۱۳۵ء میں نکلکر اس نے ایران میں موت کا بازار گرم کیا کہ ایک کی ایک لاش اُٹھانے والا نہ رہا۔ علیٰ ہذا کچھ تعجب نہیں کہ اسدفعہ بھی اِس زمین پر حوادث ظاہر ہوں اور ہمکو بلاؤں کا سامنا کرنا پڑے۔ لیکن گھبرانے اور پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ جس خدا نے اِسمیں نحوست کا اثر دیا ہے وہی ہمکو اس سے محفوظ بھی کرسکتا ہے ٭

پس ہر شخص کو چاہیئے کہ نہایت صفائی دل سے خدا تعالیٰ کے آگے سر جھکا کر اپنے گناہوں کی توبہ کرے۔ اور اس تارے کی نحوست سے حفاظت مانگے۔ نیز پچھلی رات کو دریا یا کسی پانی کے کنارے ۹۳ دفعہ سورہ نجم تلاوت کرے اور ایک ظرف میں پانی بھر کر اُسپر سورہ دم کرے۔ پھر وہ پانی اپنے گھر۔ قصبہ۔ شہر میں چھڑکوادے۔ خدا نے چاہا تو جہاں وہ پانی پڑے گا تارے کی نحوست جاتی رہے گی۔ اِس عمل کے علاوہ ۹۳ بھوکوں اور یتیموں کو کھانا کھلانا چاہیئے۔ اور جس کنوئیں سے آبادی پانی پیتی ہو اُسمیں سے ۹۳ ڈول پانی نکالکر پھینکدینا چاہیئے۔ پھر خدا نے چاہا تو تمام آفات سے امن رہیگا۔

ممکن ہے کہ ہمارے اِس طریق عمل پر نئے تعلیم یافتہ اور وہ سب لوگ جو اعمال کے حقائق واسرار سے آگاہ نہیں ہیں خندہ زنی کریں۔ مگر ہمکو کسی کے مضحکہ کی پروا نہیں۔ اپنے عقیدے کے موافق جس چیز کو نسلِ انسانی کے لیے مفید سمجھتے ہیں۔ بلا اندیشۂ ملامت دنکتہ چینی لکھتے ہیں ٭ اور اب تو اس قادرِ قیوم کے فضل وکرم سے مدار ستارہ بہت دور نکل گیا۔ پہلے صبح چار بجے نظر آیا کرتا تھا۔ اب شام کو آٹھ بجے معلوم

ہوتا ہے ہیئت والوں کا اندیشہ تصادم تو جاتا رہا۔ لیکن اثر نحوست کا خدشہ ہنوز باقی ہے۔ اور ایک عرصے تک رہیگا جسکی تدبیر یہی ہے کہ ہم سب خلوص کامل کیساتھ اپنے اور سیاروں کے پیدا کنندہ کی طرف رجوع ہوں +

نجوم کی نسبت صوفیانہ فلسفہ

اس بیرونی بات چیت کے بعد فراخ اق گفتگو بھی ہونی چاہیئے۔ جو اس رسالہ کی بنیاد ہے یعنی یہ کہ نجوم وکواکب کے بارے میں درویشی بیانات کیا ہیں۔ اسکا معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہوگا۔ لہذا تھوڑا سا لکھا جاتا ہے۔ **صوفیوں** کے نزدیک وجود انسان عالم صغیر ہے۔ یعنی جو کچھ عالم میں ہمکو نظر آتا ہے۔ وہ سب اس پیکر خاک میں موجود ہے۔ گویا انسان کو آجکل کی اصطلاح کے موافق عالم کبیر کا سیمپل (نمونہ) کہنا چاہیئے جس طرح اہل یورپ کپڑوں کے نمونے بھیجتے ہیں۔ وہ نمونے تھان کے مقابلے میں بہت ہی چھوٹے گویا دہجیاں ہوتے ہیں۔ لیکن تھان کی شان۔ آن بان سب اس نمونے میں ضم ہوتی ہے۔ اور نمونے دیکھنے والے بآسانی تھان کی حقیقت کو اس سے پہچان جاتے ہیں۔ اسیطرح درویشوں کا عقیدہ ہے کہ انسان حضرت ایزدی کی دوکان عجائبات گوناگون کے کل مال اسباب کا ایک مکمل نمونہ ہے۔ اسمیں ہر چیز کا نمونہ رکھدیا گیا ہے۔ سب اشیاء کی تفصیل تو مشکل ہے۔ امر زیر بحث یعنی نجوم کو دیکھنا چاہیئے۔ کہ ان کا نمونہ بھی جسم انسانی میں موجود ہے۔ مثلاً آسمان پر چاند سورج نظر آتے ہیں۔ جن کو زمین کی زندگی میں بڑا دخل ہے۔ سورج رطوبات ارضی کو خشک کرتا ہے اگر رطوبات خشک نہوتیں تو زمین والے طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہوکر مرجاتے مگر خدا کی شان دیکھو کہ اس نے سورج کو حرارت اندازی میں مختار کل نہیں بنایا۔ اگر سورج برابر گرمی ڈالتا رہتا تو زمین سوکھکر کھنگر ہو جاتی۔ تروتازگی اور شادابی کا نام نہ رہتا۔ اسلیئے اللہ تعالی نے اعتدال رکھنے کے لیئے چاند کو بنایا۔ جو دن کی

گرمی کے بعد رات کو اپنی خنکی اور نمی برساتا ہے۔ اور سورج کی گرمی معتدل ہو جاتی ہے تو بس معلوم ہوا کہ سورج اور چاند کو حیات عالم میں بہت بڑا دخل ہے۔ صوفی کہتے ہیں کہ انسان کے جسم میں دونوں سانس چاند سورج ہیں کہ انہیں کے بل پر اس مورت کا کارخانہ چل رہا ہے۔ ایک سانس بدن میں گرمی پیدا کرتا ہے تو دوسرا خنکی اور ٹھنڈک الغرض آسمانی چاند سورج کی طرح یہ دونوں سانس بدن میں کام دے رہے ہیں عالم کبیر کا سورج دن بھر میں دور ختم کرتا ہے۔ اور چاند ایک رات میں۔ اور عالم صغیر کے چاند سورج دم کے دم میں اپنا دورہ پورا کر لیتے ہیں۔ اسیطرح دیگر کواکب آسمانی کا نمونہ جسم آدم میں موجود ہے۔ مگر اسکا آسانی سے سمجھہ میں آنا دشوار ہے۔ اسکے لئے خواص نجوم سے واقفیت کی ضرورت ہے۔ مثلاً صوفی کہتے ہیں کہ زحل و مشتری اپنے خواص کے اشتراک کے سبب انسان کی آنکھیں ہیں۔ یعنی جس طرح بعض خواص وعادات میں زحل و مشتری شریک ہیں اسیطرح آدمی کی آنکھیں بھی باہم مشترک ہیں۔ مثلاً مریخ و زہرہ آدمی کے کان ہیں۔ دہن مثل عطارد ہے وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال اسرار انسانی اور کمال آدمیت کو مشاہدہ کر کے حضرت انسان کامل فخر موجودات رسالت مآب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ جسنے اپنے وجود کو پہچان لیا اُسنے خدا کو پہچان لیا" یہ خونی یا غیر خونی تارے اور کائنات کے سب بیرونی تماشے ہیچ اور سب بے وجود و فانی ہیں۔ اصل جو کچھ ہے وہ سب اپنے ہی وجود میں ہے و فی انفسکم افلا تبصرون۔ اپنے نفسوں کو تم کیوں نہیں دیکھتے"۔ دیکھو تو پھر تاروں کے تار ٹوٹ جائینگے۔ نہ تارہ رہیگا نہ اُسکی دُم نہ ہم رہیں گے نہ تم۔ نہ ڈر نہ خوف۔ خوشی نہ غم۔ باقی فقط وہی ہستی رہے گی جو اپنی شان میں خود کہتی ہے کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ؕ

محمد الواحدی

سلسلوں کی تحقیقات

طریق سہروردی کی تحقیق پر بہت دمشائخ کے مضامین موصول ہوئے ہیں۔
جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مشائخ کا علمی مذاق ہنوز زندہ ہے،

خلیفہ غلام حیدر صاحب چشتی نظامی کا مضمون سب سے پہلے آیا تھا اسلئے اِس پرچہ میں درج کیا جاتا ہے۔ باقی مضامین کا شائع کرنا ایک ہی بات کو دُہرانا کر اندازِ میں سے اب کسی مضمون کے اندراج کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

البتہ ایک زبردست تحریر جو آج ہی پھلواری شریف کی خانقاہ سے پہنچی ہے۔ اگلے پرچے میں شائع کیجائیگی۔ کیونکہ وہ تحریر بہت طولانی ہے۔ جسکی ہر سطر معلومات و دلائل مستحکم سے مملو ہے۔ ٹکڑے ٹکڑے کرکے چھاپنے میں لطف جاتا رہیگا آئندہ ماہ ایک ہی پرچے میں تمام وکمال درج ہوگی +

جناب میر ناصر علی صاحب قابل مبارکباد ہیں کہ انکے خط نے مشائخ میں محققانہ سرگرمی پیدا کردی اور خاص تحقیقات کے طفیل بہت سی عام باتیں بھی حل ہوگئیں

ایک مضمون جسکی سرخی طریقہ سہروردیہ کی تحقیق ہے۔ میں نے آپکے رسالہ میں دیکھا یہ مضمون جناب مولانا میر ناصر علی صاحب چشتی نظامی کی طرفسے درج ہوا ہے۔ میں میر صاحب موصوف کے تمام آداب کو ملحوظ رکھکر افسوس سے عرض کرتا ہوں کہ اِس تحقیق میں میرے خیالات اُنکے خیالات سے متفق نہیں ہیں اپنی معلومات کا نتیجہ خاندان سہروردیہ و شطاریہ۔ قادریہ نقشبندیہ کے متعلق ذیل میں عرض کرتا ہوں +

خاندان علیہ سہروردیہ کے امام الطریقہ شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب ہیں۔ نہ کہ ابوالنجیب عبدالقادر۔ اور نہ آپکے شیوخ میں شیخ نساج رحمۃ اللہ علیہ کا نام درج ہے،

شیخ ابو نجیب رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت ہے شیخ وجیہ الدین ابو حفص سے اور شیخ وجیہ الدین ابو حفص چہارم واسطہ سے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتے ہیں ۔

نیز شیخ ابو نجیب صاحبؒ کو شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی خلافت ہے اور شیخ احمد غزالی بھی پنجم واسطہ سے حضرت سید الطائفہ سے ملتے ہیں۔ ہر دو صورت صحیح ہیں۔ لاکن جناب شیخ ابو نجیب رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت غوث پاک سے خلافت پانا کسی جگہ درج نہیں شجرہ شریف خاندان سہروردیہ شیخ وجیہ الدین رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچتا ہے ۔

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ تیسرے واسطہ سے سر حلقہ سہروردیہ حضرت خواجہ ابو نجیبؒ سے ملتے ہیں۔ اسطرح پر کہ شیخ شہاب الدین رح خلیفہ ہیں شیخ رکن الدین کے اور شیخ رکن الدین خلیفہ ہیں شیخ قطب الدین ابہری کے۔ اور شیخ قطب الدین ابہری اعظم خلفاء ابو نجیبؒ سہروردی سے ہیں ۔

خاندان سہروردیہ کبرویہ کوئی طریق نہیں۔ شیخ نجم الدین کبرےؒ دراصل خلیفہ ہیں شیخ اسمٰعیل قیصری کے شیخ صاحب قدس سرہ اصحاب شیخ نجیب سہروردی ہیں۔ اور شیخ اسمٰعیل صاحبؒ کا سلسلہ ایک واسطہ سے بذریعہ شیخ ابو یعقوب سوسی خواجہ عبد الواحد بن زید رضی پر منتہی ہوتا ہے۔ اور شیخ نجم الدین کبرے کو باشارہ حضرت شیخ وجیہ الدین ابو حفص شیخ ابو نجیب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی خلافت ملی اور لقب فردوس کا پایا۔ آپ اکابر فردوس ہیں ۔

شیخ عمار یاسر جن کو اکثر کتب ملفوظات میں عمار یامیر بھی لکھا ہے اجس سے جناب مخدومی میر ناصر علی صاحبؒ منیریہ مراد لی ہے ا اعظم اصحاب شیخ ابو نجیب سہروردی سے ہیں۔ انکو ارادت تھی شیخ نجم الدین کبرے سے چنانچہ آپنے حضرت شیخ نجم الدین

کبراے سے خلافت حاصل کی۔ اور خطاب نور علی نور حاصل کیا۔ جب کہ خود نجم الدین کبرے کو بھی لقب فردوس ملا تو کبرویہ فرقہ کہاں رہا۔ اور انہیں کے خلیفہ شیخ عمار یاسر نور علی نور ہوئے۔ اب بھی ایک فرقہ ہے خواہ اسے فردوسیہ کہیں یا کبرویہ یا نوربخشیہ مگر کتب معتبرہ میں یہ فرقہ فردوسیہ کے نام سے مشہور ہے کبرویہ اور نوربخشیہ کوئی فرقہ نہیں ؞

فرقہ نوربخشیہ تو نہیں البتہ فرقہ نوریہ ضرور ہے جو حضرت شیخ ابوالحسن نوری سے معروف ہے۔ آپ کا نام احمد ابن محمد تھا اور ابن البغوی کے نام سے مشہور تھے۔ آپ خلیفہ ہیں خواجہ سری سقطی کے۔ اور خواجہ سری سقطی کو خلافت ہے خواجہ معروف کرخی سے۔ اور خواجہ معروف کرخی خلیفہ ہیں امام موسیٰ رضا کے۔ سو یہ فرقہ سہروردیہ نہیں بلکہ قادریہ ہے ؞

البتہ سہروردیہ کا ایک فرقہ صفویہ ضرور ہے۔ جو شیخ صفی الدین اسحاق اردبیلی سے جاری ہوا ہے آپ خلیفہ و داماد ہیں شیخ زاہد ابراہیم سیلانی کے اور شیخ ابراہیم خلیفہ ہیں سید جمال الدین تبریزی کے۔ سید جمال الدین تبریزی خلیفہ ہیں شیخ شہاب الدین سہروردی کے ؞

اب رہا یہ امر کہ فرقہ سہروردیہ کم مروج ہے۔ بلکہ حضرات سہروردیہ نے اپنے آپ کو قادریہ مشہور کر رکھا ہے البتہ قابل غور ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ واقعہ یہ ہے جو مخدومی میر ناصر علی صاحب نے تحریر فرمایا ہے یا اس کے خلاف ؞

حضرت غوث الثقلین محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کا رتبہ اور شان تو اظہر من الشمس ہے۔ اور آپ کا فرمان قدمی ھذہ علی رقبۃ کل اولیاء اللہ بھی پوشیدہ نہیں نہ کسی کو اس سے انکار ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں کل اولیا رعظام جو ہر ہر اطراف وجوانب سے جناب اقدس کی خدمت میں حصول فیض کے لیے حاضر ہوتے

تھے علی ہذا سرحلقہ سلسلہ چشتیہ قطب الاقطاب فرد الاحباب حضرت خواجہ معین الحق والدین حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ پانچ ماہ سات یوم تک خدمت باعظمت جناب غوث پاک میں حاضر رہے اور فیضیاب ہوکر والی ولایت ہند ہوئے[1]۔

اسی طرح حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی بھی خدمت غوثیت مآب میں حاضر رہے۔ فیضان صحبت کرکے والی ملک عراق بنے۔ اس موقع پر مجھے یہ بھی گزارش کردینا ضروری ہے کہ مخدومی مولانا انصر علی صاحب نے شیخ شہاب الدین سہروردی کا صغر سنی میں بذریعہ چچا نجیب الدین خدمت غوث پاک میں حاضر ہونا لکھا ہے لیکن مولٰنا محمد اکرم صاحب نے اپنی کتاب میں بحوالہ تحفۃ الراغبین حضرت موصوف کا خود تشریف لیجانا اور نعمت حاصل کرکے والی عراق ہونا لکھا ہے۔

نیز شیخ نجم الدین کبرٰے سرحلقہ فردوسیہ۔ خواجہ یوسف ہمدانی سرسلسلہ نقشبندیہ بھی خدمت اقدس جناب غوث الثقلین میں حاضر ہوکر فیضیاب ہوئے وغیرہ لیکن اس سے یہ قیاس کرلینا کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا کہ ان حضرات نے خرقۂ خلافت بھی غوث پاک سے حاصل کیا ہے۔ حضرت محبوب سبحانی سید ابو محمد عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ سے دو سلسلے جاری ہیں۔ قادریہ غوثیہ۔ حضرت غوث پاک خلیفہ ہیں حضرت ابو سعید مغزولی کے۔ اور شیخ ابو سعید خلیفہ ہیں شیخ ابو الحسن قریشی کے اور شیخ ابو الحسن کو خرقۂ خلافت شیخ ابو الفرح ترتوسی سے ملا۔ اور شیخ ابو الفرح خلیفہ ہیں شیخ ابو الفضل یمنی کے اور شیخ ابو الفضل خلیفہ ہیں شیخ ابو بکر شبلی کے اور شیخ شبلی خلیفہ ہیں سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے۔

دوسرا سلسلہ قادریہ جاری ہے جو حضرت امام رضا رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

[1] بعض چشتیوں خصوصًا حیدرآباد کے ایک گروہ عظیم کو اسکے تسلیم کرنے سے انکار ہے ۱۲ اڈیٹر

اب ذکر رہا فرقہ شطاریہ کا - میر صاحب مخدومی میر افضر علیصاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ شطاریہ سلسلہ کو شیخ قاذن رحمۃ اللہ علیہ سے رواج ہوا ہے - میں نے مرشید رسکی تلاش کی مگر کسی جگہ شیخ قاذن صاحب کا نام نہیں ملا - دراصل یہ سلسلہ جاری ہوا ہے شیخ عبداللہ شطاری سے - اس فرقہ کا نام شطاریہ عشقیہ ہے - شیخ عبداللہ خلیفہ ہیں شیخ عارف کے جو ساتویں واسطے سے بذریعہ سلطان العارفین حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ملتا ہے واقعی طریق قادریہ ہے ؛

شیخ عبداللہ شطاری سلسلہ شطاریہ ہیں - آپ اپنے مرشد کامل شیخ عارف سے اجازت لیکر ہندوستان میں تشریف لائے - آپکا عام آوازہ تھا کہ جس شخص کو معرفت حاصل کرنی ہو میرے پاس چلا آئے - اور نقارے کے آواز سے آپ یہ منادی کراتے تھے - چنانچہ کڑہ مانک پور میں آپ سے مخدوم حسام الدین مانکپوری و راجی سید حامد شیر شاہ و سید قدہ بنیوتی صاحب ملے جو باتیں راز و نیاز کی ہوئی انکے لئے کتب سیر کی طرف رجوع لانا چاہیئے - یہاں لکھنے میں طول ہوتا ہے شیخ محمد غوث گوالیری آپکے اکمل خلفاسے ہیں ؛

مخدومی مولانا میر افضر علیصاحب نے اپنے آخری مضمون میں تحریر فرمایا ہے کہ کہ مشائخین و سجادہ نشینان جاہل اور بے علم ہیں - اگر یہی صورت ہی تو غلطیوں کی صلاح ناممکن ہی - اور یہ بھی لکھا ہے کہ یا تو فرقہ شطاریہ مفقود ہوگیا یا قادریہ کی ایک شاخ بن گئی - الی آخرہ ؛

مجبوراً مجھے حضرت قبلہ مولانا صاحب موصوف کے ان الفاظ کی تردید کی ضرورت ہوئی کیونکہ اگر یہی مضمون صحیح اور درست خیال کرلیا گیا جو صاحب موصوف نے تحریر فرمایا تو بھی غلط فہمی پھیلنے کا سخت اندیشہ ہے ؛

اسمیں شک نہیں کہ طریقہ ہائے سہروردیہ۔ شطاریہ۔ فردوسیہ۔ نوریہ صفویہ وغیرہ سب قادریہ ہیں۔ اور شطاریہ خاندان کے سلاسل اسوقت قصبہ سامانہ قصبہ سرہند۔ قصبہ سنام میں موجود ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب موصوف کے خیال میں خاندان قادریہ وہ ہے جو غوث پاک سے جاری ہی۔ نہیں بلکہ غوث پاک کا سلسلہ قادریہ غوثیہ ہے۔ دیگر سلاسل قادریہ علٰحدہ ہیں۔ قادریہ کے نو فرقے تو اوپر ہیں نیچے آکر اور بھی شاخیں ہوگئی ہیں جیسا کہ پانچ چشت میں اور نیچے آکر اور شاخ نکلتی چلی گئیں۔ اگر جناب مولانا صاحب کے خیال مبارک میں سہروردیہ۔ شطاریہ۔ فردوسیہ نے اپنے آپکو قادریہ مشہور کر لیا ہے تو بالکل بجا اور درست ہی۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ یہ قادریہ ہیں۔ اور دعا سیف الرحمان بھی انہیں فرقوں میں پڑھی جاتی ہی یہ اظہر ہے کہ یہ دعا شریف سوائے سلسلہ قادریہ اور نظامیہ کے اور کسی سلسلہ میں نہیں +

لہذا اودب التماس ہے کہ آپ اس میرے مضمون کو اپنے رسالہ نظام المشائخ کے کسی گوشہ میں جگہ دیں۔ سید جلال صاحب تبریزی کے متعلق پھر لکھونگا +

آپکا خادم خلیفہ غلام حیدر چشتی نظامی

سفر نامہ کشمیر۔ منشی محمد الدین صاحب فوق اڈیٹر کشمیری میگزین لاہور کا اردو زبان میں کشمیر کا سب پہلا سفرنامہ ہے جو سفر کشمیر کے لیئے نہایت ضروری معلومات کا مخزن ہے۔ فقرائے کشمیر کے حالات بھی اسمیں درج ہیں۔ گھر بیٹھے شیل فردوس کی سیر آٹھ آنے قیمت دیکر کیجئے +

آئیڈیل۔ لالہ چند و لال صاحب چاول والے دہلی نے سوامی رام کرشن پرم ہنس جی کے جو بنگال کے نہایت زبردست بزرگ گزرے ہیں۔ حالات و اقوال جمع کیے ہیں۔ ہندو فقرا کے اعلے خیالات معلوم کرنے ہوں تو اس کتاب کو ضرور منگا یئے۔ ہر اعتبار سے قابل دید ہے۔ خواجہ حسن نظامی صاحب کے نام نامی پر اسکا ڈیڈیکیشن ہے۔ اور راجہ صاحب نے بھی اس کے متعلق ایک خط میں اپنی قیمتی رائے ظاہر فرمائی ہے جو کتاب میں شامل ہے۔ قیمت صرف ۲ر۔ لالہ صاحب موصوف سے یا معرفت رسالہ زبان دہلی طلب کرنے پر مل سکتی ہے + (اڈیٹر)

صابریہ سلسلے میں حلقہ کا اثر

۳۰ مئی سنہ ۱۹۱۹ء کے اخبار دبدبہ سکندری رام پور میں مرشدی مولائی حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب کی نسبت جناب شاہ محمد فضل حسن صاحب چشتی صابری خلف جناب مولانا شاہ محمد فاروق حسن صاحب چشتی صابری ایڈیٹر اخبار موصوف کا ایک نہایت زبردست مضمون شائع ہوا ہے جسکے حرف حرف سے سچا خلوص اور حقیقی جوش مترشح ہوتا ہے چونکہ اسمیں حضرت خواجہ صاحب کی خدمات قومی کی تعریف کی گئی ہے اسلیئے حضرت اس مضمون کا رسالہ میں نقل کرنا منظور نہ فرماتے تھے مگر دہلی کے تمام ارکین وخدام حلقہ نے زور دیا اور خود میرے دل نے خواہش کی کہ اس معاملہ میں خواجہ صاحب کی مرضی کے خلاف کرنا اور مضمون نقل کرنا زیادہ گناہ کی بات نہیں ہے۔ لہٰذا اس مضمون کا اقتباس نظام المشائخ میں درج کیا جاتا ہے۔ ربیع الاول کے رسالہ کے بعض مضامین کا اس تحریر میں حوالہ ہے۔ ناظرین وہ پرچہ سامنے رکھکر یہ مضمون پڑہیں۔ عدم گنجائش کے سبب ہم نے وہ عبارتیں قلم انداز کردی ہیں ۔

اخبار دبدبہ سکندری کے اڈیٹر اور انکے لائق صاحبزادے سے مجکو ذاتی تعارف حاصل نہیں ہے۔ لیکن ایک مرتبہ حلقہ کے جلسے میں صوفیانہ اخبارات ورسائل پر گفتگو تھی۔ کسی نے نقشبندیہ سلسلے کے رسالوں اور اخبارات کی تعریف کی۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا "صوفیوں میں کسی سلسلے کا اخبار بھی ہو موجودہ زمانہ میں غنیمت ہے۔ چشتیوں میں رسالہ الاحسان بہت اچھا پرچہ تھا۔ افسوس بند ہوگیا۔ اب ریاست رامپور کا اخبار دبدبہ سکندری چشتیہ سلسلے کا آرگن ہے۔ اسمیں جدید وقدیم مذاق کو نہایت قابلیت سے نباہا جاتا ہے۔ چشتیوں اور دیگر سلسلوں میں

اسکی مانگ ہی- میں نے رامپور میں اسکا کارخانہ دیکھا ہے۔ وہ درویشوں کی ایک چھوٹی سی خانقاہ ہے۔ جہاں نئی روشنی کا سامان تو یہ ہے کہ ملک کے اخبارات و نئی کتب کا انبار رہتا ہی- اور پرانی روشنی کا اثر یہ ہے کہ درویشوں کو لنگر دیا جاتا ہے- بزرگوں کی نیازیں دہوم دہام سے ہوتی ہیں- قوالی کی محفلیں آراستہ ہوتی ہیں- اخبار کا تمام عملہ خرقہ پوش ہے- یعنی عموماً وہاں کام کرنے والے صابری رنگ کے لباس میں نظر آتے ہیں- شاہ فاروق حسن صاحب چشتی صابری بزرگ صورت اور درویش خصائل آدمی ہیں- میں نے انکو سب سے پہلی مرتبہ پیران کلیر شریف میں دیکھا تہا- اور اُن کا رنگین کرتہ دیکھنے کے بعد یہ سنکر کہ اخبار کے اڈیٹر ہیں- بہت خوشی ہوئی تھی- خدا نے چاہا اور ہمارا حلقہ ترقی پکڑ گیا تو دبدبہ سکندری کو زمانہ کی ضرورتوں کے مواقف مجموعی کوشش سے مستحکم کیا جائیگا۔" حضرت خواجہ صاحب کا یہ بیان رسالہ نظام المشائخ جاری ہونیسے بہت پہلے کا ہی- جو میرے روزنامچہ میں درج ہے +

اسکے بعد جب حلقہ کی مخالفت شروع ہوئی- اور اسکے پیران کلیر شریف کے عرس میں ایک صاحب دہلی سے وہاں گئے جنہوں نے اکثر مشائخ صابریہ کو بہکا لیا تو حلقہ کے خدام یہ خبریں لائے کہ تمام مشائخین سلسلہ صابریہ نے حلقہ کے خلاف دستخط کردیئے- کوشش کرنے والوں میں اڈیٹر رسالہ مجدد- محرم علی صاحب چشتی- اور اڈیٹر صاحب دبدبہ سکندری کا نام بھی لیا گیا کہ انہوں نے مخالفت میں بہت مدد دی- خواجہ صاحب نے جواب میں فرمایا "حسبنا الله ونعم الوکیل- اڈیٹر صاحب مجدد کی مخالفت سے تعجب نہیں- محرم علی صاحب چشتی کو ممکن ہے- تعلق مسلم لیگ کے سبب دہوکا ہوا ہو- کیونکہ آنریبل میاں محمد شفیع صاحب بیرسٹر لاہور سے جو پنجاب پراونشل مسلم لیگ کے سکرٹری ہیں- اور حلقہ کے خادم ہیں چشتی صاحب کو

اتفاق نہیں ہے۔ اُن کے سبب انھوں نے مخالفت کی ہوگی۔ لیکن دبدبہ سکندری سے اڈیٹر صاحب کی نسبت میں کبھی یقین نہیں کرونگا کہ انھوں نے مخالفت میں حصہ لیا۔ اِسلئے تو مجھکو سلسلہ صابریہ میں تحریک پیدا کرنے کی بہت امیدیں ہیں۔ وہی ایک شخص ہیں جو ضرورت زمانہ سے آگاہ بھی ہیں اور مشائخ کو آگاہ کر بھی سکتے ہیں'' آج اِس مضمون سے جو دبدبہ سکندری سے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے حضرت خواجہ صاحب کے ارشاد کی کماحقہ تائید ہوگئی۔ ناظرین مضمون کا لطف ملاحظہ سے حاصل کرینگے۔

واحدی

مندرجہ ذیل خط برخوردار محمد فضل حسن خاں صابری کا درج اخبار کیا جاتا ہے جو انہوں نے اپریل کے نظام المشائخ سے متاثر ہوکر احقر کے نام لکھا ہے۔ اِس احقر العباد ڈیٹر اخبار دبدبہ سکندری کو اِس تحریر سے بالکل اتفاق ہے۔ ناظرین توجہ سے ملاحظہ فرمائیں۔ اور وہ یہ ہے:-

جناب قبلہ کونین وکعبہ دارین مدظلم الاقدس۔

رسالہ نظام المشائخ دہلی جسکے اعلےٰ ایڈیٹر طبقہ صوفیا کے ایک لائق و سرگرم ممبر مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب ہیں۔ بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۰ء ناچیز کی نظر سے گزرا۔ یہ رسالہ جس حیثیت سے نکلتا ہے اور جس شان کا ہے۔ اِسکے متعلق تو اسوقت میں کچھ عرض کرنا نہیں چاہتا کیونکہ حضرت نے جب اِس رسالہ کا ریویو فرمایا تھا میں جب ہی سے اسکے ایک ایک لفظ کو نہایت ہی غور اور توجہ سے پڑھا کرتا ہوں۔ رسالہ مذکور دیکھتے دیکھتے دفعتہً میری نظر **حلقہ کی کارگزاری اور قتلگاہ کی پکار** سرخی پر جا پڑی۔ میں نے سرخی دیکھتے ہی خیال کر لیا تھا کہ ضرور کچھ معرکہ آرائی ہوگی نہایت اضطراب اور دلی شوق کیساتھ ہر فقرہ کو پڑھنا شروع کیا۔ تمام مضمون رسالہ مذا کے دس صفحات پر مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب نے لکھا ہے۔ اور ایک نہایت ہی پولٹیکل قصہ کو

بیان کیا ہے - اس مضمون کے پڑھنے کے بعد ناچیز طبیعت نے مجبور کیا کہ چند سطریں بعنوان "میری گزارش" آپ کی خدمت بابرکت میں لکھکر عرض کروں کہ دبدبہ سکندری کی کسی اشاعت میں براہ فقرانوازی درج فرمادی جائیں ۔

میری گزارش

ذرا خود کو روکے ہوئے اے فغاں کسیکا کلیجہ دہل جائے گا

ناظرین اخبار! میں آپ کا اور مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب کا تعارف کراتا برمحل نہیں تصور کرتا - کیونکہ بارہا دبدبہ سکندری کے کالموں میں آپ اس نام کو پڑھ چکے ہیں میری اور مولانا کی ذاتی ملاقات ہی میں اپنے وسیع تجربے کی بنیاد پر نہایت زور کے ساتھ مولانا کی تمام خوبیوں سے واقف ہوں - حضرت سلطان نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خانقاہ میں مولانا کو میں نے ایسا پایا جو اپنی خوبیوں کے باعث ملک میں نہایت قابلیت کے ساتھ مشہور ہیں - یہی قابلیت جو خدا کا ایک خاص عطیہ ہے باعث حسد اور رنج و ملال واقع ہوتی ہے - جس کی تشریحات میں میں ناظرین کا زیادہ بیکار وقت صرف کرانا نہیں چاہتا - لیکن میں یہ کہنے پر قدرتی طور سے مجبور ہوں کہ جب اُس ہونہار و لائق نوجوان نے میدان ترقی میں قدم بڑہایا تو درگاہ کے پیرزادوں کی ایک خاص پارٹی کو از حد رنج و ملال ہوا اور اپنے اپنے خیالات کی بنیاد پر منصوبے شروع ہوگئے - اور نہایت شد و مد کے ساتھ انتظامات کیے گئے کہ اس قابل فخر شخص کی شاہراہ ترقی میں کانٹے بچھائے جائیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ ؎

فانوس بن کے آپ حفاظت ہو اگر وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

خداوند عالم جل جلالہ کے بھروسہ اور افضال و کرم کی امید پر انسان اگر کوئی کام کرے تو ممکن

نہیں کہ کامیاب ہو۔ عجب طرفہ تھا کہ مخالف پارٹی کے کینہ وحسد کی آگ روز بروز زیادتی کے ساتھ مشتعل ہوتی جاتی تھی۔ مگر یہی ایک امر ایسا ہوا کہ جو مولانا کے حق میں مفید ثابت ہوا۔ حسب حال مصرع ہی ؎

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

بالآخر اسی سلسلہ ترقی میں مولانا نے طبقہ صوفیا کے حالات اور انکی موجودہ ضروریات سے متاثر ہو کر "حلقۂ نظام المشائخ" کی بنیاد ہندوستان کے نامی پیرزادوں اور بزرگ زادوں کے صلاح ومشورے سے دہلی میں قائم کی جس پر تمام نامی سجادہ نشین حضرات اور بزرگان مذہب نے اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا۔ اب حلقہ کے کامیاب بنانے کے اہم امورات نے اس جانب توجہ دلائی کہ اسے اعلیٰ طریقہ پر ترقی دیجائے چنانچہ کوششوں کا آغاز نہایت بہتر صورت میں ہوا۔ اور جو جو مساعی جمیلہ اسے ایک کار آمد شئے بنانے میں مولانا کو درپیش آئیں ہیں ان سے بے خبر نہیں ہوں۔ یہی ایک مسئلہ ایسا تھا کہ جس میں مخالف پارٹی کے اصحاب نے دل کھول کھول کر حملے اور ارمان پورے کئے۔ اور مولانا اور حلقہ کو جہاں تک ممکن ہو سکا نہایت ناموزوں ذرائع سے مطعون کیا۔ مگر صاحبدل مولانا اسکی کوشش میں جیسی سرگرمی کے ساتھ مصروف تھے مصروف رہے۔ الحمد للہ کہ وہ کوششیں جنکے حاصل ہونے میں یہ امورات سد راہ رہے۔ اب نہایت شاندار صورت میں کامیاب ہو چلے ہیں۔ یہ ایک ایسا لطیفہ ہے کہ جس سے معاندین کی اس قابل پارٹی میں اور آتشگیر مادہ داخل ہو گیا۔ میرا فہم ناقص اس امر کے سمجھ لینے میں قاصر ہے کہ آخر یہ للٰہی بغض کس وجہ سے ہی؟ اور کیوں ہی؟ اگر یہ امر ناگوار ہے کہ مولانا میدان ترقی میں تمہارے گروہ میں سب سے اوّل ہیں تو اسکی شکایت میں خدا کے پاس چلے جاؤ۔ اور وہاں جاکر استغاثہ پیش کرو۔ یہ تو دنیا کا مانا ہوا مسئلہ اور اہل سنت کا خصوصیت کے ساتھ عقیدہ ہے کہ وہ خداوند کریم

اپنے ایک بندہ کو تاج وتخت عطا فرماتا ہے اور ایک سے جاروب کشی کا کام لیتا ہے یا تو اسکو ماننا چاہیئے۔ اور جو اگر مانتے ہو تو پھر سب قصے طے ہیں اور شکایت ہی کا ہیکی ہے۔ اور جو اگر (نعوذ باللہ) نہیں مانتے تو کہو تاکہ اسکا جواب دوسری صورت نیں پیش کیا جائے۔

مخالف پارٹی کے بعض باا ثر ممبروں سے مجھے بہی ذاتی تجربہ حاصل ہے میں ہی وہ شخص ہوں کہ ابتدا میں خود اس حلقہ کے وجود کا مخالف رہا تھا۔ مگر جب میں نے اسکے مقاصد اور اسکی عملی کارروائیاں مفید ملک صورت میں دیکھیں تو اُس مخالفت کو جو محض کمی معلومات پر ایک حد تک محدود تھی بالکل اپنے قلب سے دور کردیا۔ اور بفضلہ تعالی اس امر کا جب سے کامل تہیہ کرلیا کہ جہاں تک مجھسے ہوسکیگا حلقہ کی خدمت کیئے جاؤں گا (خدا سے توفیق رفیق کی درخواست ہے) میں نے جہاں تک سُنا ہے اور جسقدر میری عملی معلومات ہے۔ میں نے اندازہ کرلیا ہے کہ ہماری مخالف پارٹی حلقہ کے وجود کو پسند نہیں کرتی ہے اور نہ اُسکا یہ منشاء ہے کہ مولانا اُسکے مُدیر اعلیٰ رہیں۔ میں افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ ایسا خیال کیوں پسند کیا جاتا ہے اور کیوں اسپر ناگواری کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اگر یہی خیال ہے تو شوق سے مگر اس کا جواب دینے والا کوئی بھی نہیں کہ اگر پارٹی کے نزدیک مولانا کا وجود حلقہ کے لیئے غیر مفید ہے تو کیا مولانا جیسا قابل اور معاملہ داں خانقاہ شریف میں کوئی دوسرا بھی ہے۔ اگر ہے تو پیش کرنا چاہیئے۔ اس سے تو کوئی کام نہیں نکلتا کہ مقامی خیلا سے مل ملا کر کسی کو مورد سب وشتم کرایا جائے۔ میں مولانا کی طرف سے نہایت زور کے ساتھ یہ کہدینے کا مجاز ہوں کہ اگر حسن نظامی جیسا قابل موجودہ ضروریات سے باخبر۔ ذی اثر صاحب دل خانقاہ شریف میں کوئی گنایا جائے گا تو حلقہ اُس کے سپرد کردیا جائے گا۔ مگر اس مرض کی دوا تو غالباً لقمان کے پاس بہی نہوگی کہ ایک

صدا ہے کہ "ہم تو مخالف ہیں" چلی آرہی ہے۔ ایسی باتیں عقلائے نزدیک ہرگز قابل وثوق نہیں ہوسکتیں۔ جب کہا گیا کہ براہین سے ثابت کردیجئے کہ مخالفت کے وجوہات کیا ہیں۔ تو جواب ایسے دیئے گئے کہ جن کو ظاہر کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ جب جواب کافی بھی پالیا۔ تب بھی یہی کہا کہ "چاہے قائل بھی کردیجئے تب بھی یہی کہا جائے گا۔ تو اب ناظرین اندازہ کرلیں کہ اسکا کیا علاج ہو۔ اگر کچھ بھی ہمت ہے تو مرد میدان بننا چاہیئے۔ اور کافی طور سے ثبوت بنا رعدم قابلیت پیش کرنا چاہیئے۔ میں مولانا کی تیزفہمی اور تجربہ کاری اور معاملہ دانی کی دل سے داد دیتا ہوں کہ آپنے صاف طور سے رسالہ میں لکھدیا ہے کہ "۔ اگر حسن نظامی کی ذات میں خرابیاں ہیں تو اسکو عہدہ دبیری سے علیحدہ کردو اور اجماع سے کسی دوسرے کو مقرر کرلو۔ مگر حلقہ کو تو نقصان نہ پہنچاؤ"۔

اب ناظرین پر اسکا فیصلہ ہے۔ بیچارے مولانا نے ملک اور قوم کے لیئے اپنے سر حلقہ کا بار کیا لیا کہ گویا ایک جنجال میں پڑگئے۔ طرح طرح کی بندشیں اور معاندانہ سازشیں کی گئیں۔ اور اخبارات میں کہہ سنکر گالی نامے شائع کرائے۔ مگر واہ رے حلم۔ ایک لفظ بھی زبان سے نہ کہا۔ اور نہ لکھا۔ اور اس معاملہ کو خدا کے سپرد کردیا۔

مخالفین حلقہ کو صلاح نیک دیجاتی ہے کہ وہ اپنے ناقص خیالات کی اصلاح کریں اور اسلام متقدمین پر بدنما دھبہ نہ لگائیں۔ اور اپنی سیرتوں کو صورت کے موافق بنائیں۔ ورذرا دل میں شرمائیں اور حیا کریں کہ جن کے مزار کی خادمی و غلامی کا شرف اُنہیں حاصل ہے۔ ان امورات سے وہ خوش ہوتے ہونگے۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ ایک مولانا کو دیکھیں کہ وہ فلاح اور بہبودی کے ہمیشہ میدان میں لانے کی اور انہیں آدمی بنانے کی کوشش کررہے ہیں۔ اور ایک وہ ہیں کہ قعر مذلت سے نکلنا ہی پسند نہیں کرتے۔ اسکا تو کچھہ خوف نہیں کہ مولانا کو قتل کی تدبیر سے دھمکایا جائے۔

مولانا خود ماشاء اللہ ایک فہمیدہ اور قابل دل و دماغ کے آدمی ہیں۔ وہ سمجھ لینگے کہ کہاں تک اس مجہول قصہ کی وقعت ہوسکتی ہے۔ میں مولانا کی روشن خیالی اور فہم و فراست کی بہی کئی مرتبہ داد دونگا۔ کہ آپنے کیسی خوبی سے "**قتلگاہ کی پکار**" کا جواب دیا کہ اسکے ہر فقرہ کو ناظرین رسالہ نظام المشائخ بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ میں غور سے پڑہیں جن سے ایک سچے جوش کی بو آتی ہے۔

یہ امر ثابت ہوگیا کہ یہ سب خیالات باطلہ محض اغراض نفسانی اور حسد کے باعث ہیں۔ میں نہایت خوشی کے ساتھ پبلک کو توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ حلقہ نظام المشائخ سے خاص دلچسپی اختیار کیجائے۔ اور مخالفین کے (جنکو کم سمجھ اور نادان جیسے الفاظ سے یاد کیا جانا بیجا نہیں ہے) بہکانے کی پروانہ کریں۔ اور مشائخ کرام کے اس دینی کام کو پامال نہونے دیں۔ میری یہ التجا غالباً نہایت توجہ سے سُنی جائیگی کہ اب مخالف پارٹی نے بہت کچہ گل کہیل لیے۔ اور اپنی آرزوؤں کو خوب ناکامیاب شکل میں دیکہ لیا۔ اب اگر کوئی حسرت ہی تو آخر انجام میں مرنا ہی۔ موت سر پر کہڑی ہی۔ حضرت ملک الموت تیسرے آسمان پر ہیں اب عنقریب تشریف لانے والے ہیں۔ لہذا اس کدورت کو جو طبقہ صوفیا کے ایک مقدس اور نامور معبد کے گروہ میں بیحد ناگوار صورت میں درپیش ہے صاف کرلیا جائے۔ میں مولانا کی ذات سے کامل امید کرتا ہوں کہ آپسے جب عفو تقصیر کی درخواست کیجائے گی تو آپ ممکن نہیں کہ اسپر توجہ نہ کریں۔ دیکھئے اگر آپ اتفاق سے کام لیں گے تو یقین جانئیے کہ آج آپ بہترین پیرزادگان میں ہوجائیں گے۔ اور وہ اعتراض پبلک کا جو آپ پر (بایں ریش و فش و بمعنے بزرگی) عائد ہے رفع ہوجائیگا۔ پس پہر صلاح دوستانہ یہی دی جاتی ہے کہ اب گلے مل لو اور اتفاق کرلو۔ اور ایک جان دو قالب ہوکر رہو۔ پہر لطف زندگی کا اندازہ کرکے خود ہی بول اٹہنا۔ اور یہ خوب سمجہ لو کہ اگر تمہاری کامیابی کا کوئی اصول ہو تو اتفاق ہی۔ اور اگر کوئی فلاح ہی تو اسی میں ہی۔

راقم خاکسار بہی خواہ ملک و قوم محمد فضل حسن صابری

شانِ رسالتمآب صلعم

از جناب مولوی محمد محی الدین صاحب تمنا عمادی پھلواروی

زہے شانِ نشانِ او کہ سالم بگزرد از پل / ز آدم تا بنی آدم ہمہ زیرِ لوائے او
وجودِ عترتِ او کشتیٔ نوحؑ است مستحکم / چنیں پُر بار زورق را خدائے ناخدائے او
شرارِ آتشِ نمرود گل شد بر خلیل اللہ / کند نارِ جہنم سرد نورِ حق نمائے او
رواں شد آفتابِ طیبہ از بطحا سوئے اقصٰے / بچشمِ پیرِ کنعانؑ ماہ مصر آمد شہائے او
کلیمؑ برکشد نعلینِ پا در وادیِ ایمن / حبیبؐ تاجِ عرش آمد ادیمِ کفشِ پائے او
خضرؑ را خطِ سبزش رہنمائے چشمۂ حیواں / مسیحا کامیاب از آبِ لعلِ جانفزائے او
چہ مقدار است تسخیرِ جہانے با سلیمانؑ / جہاں یک وزنِ مور است در چشمِ گدائے او
قلم میخواست حکمِ امت مذنب رقم سازد / تادّب یا قلم آمد عتابے بر خطائے او
ولائے عترتِ والائے او دین است ایمانم / کدورت سم بود از اہلِ بیتِ باصفائے او
نجومِ مقتدائے صدیقؓ و فاروقؓ اند و ذوالنورینؓ / علیؓ و ہم امامینؑ دو لعلِ بے بہائے او
کسے کو میکند قرباں بریں اصحاب نقدِ جاں / نداند کس بجز یزداں ثواب او جزائے او
خدایا جرمِ بیحد را شفیع آرد محمدؐ را / کمیں بارگاہِ او تمنائے گدائے او
ہزاراں معصیت دارد فراواں عذرے آرد / بدرگاہِ رسول اللہ این است التجائے او
بمحشر زشت خوئے من نریزد آبروئے من / برآرد آرزوئے من بآمرزش دعائے او

تمنا گر رضائے حق ہمیخواہی بکن دل را
نثارِ روضۂ والائے ختمِ انبیائے او

اللھم صل علی محمد و بارک علیہ

مذہب اور سائنس

از جناب مولانا حسن مرتضےٰ صاحب شفق حبیبی قادری عمادپوری

نہ پوچھو تم کہ مذہب کی ہے پابندی کی حاجت کیا؟
مسلماں ہوکے اسکے پوچھنے ہی کی ضرورت کیا؟

جو بندے ہو تو ناحق دخل دیتے ہو خدائی میں
خدا کو مان کر فرماں میں لے سکتے یہ حجت کیا؟

پڑھو تم فلسفہ سائنس لیکن رہکے لا مذہب
ہے مشکل آدمی بننا۔ پھر ایسی قابلیت کیا؟

نہیں بچ سکتے بے مذہب کے شر نفس و شیطاں سے
بھلا اخلاق کے قانون سے ہوگی حفاظت کیا؟

مطابق کسقدر قانون فطرت کے یہ مذہب ہے
بتاتی ہے تمہیں اسلام کی دیکھو شریعت کیا؟

نہ رہبانیت اسمیں ہے نہ چوپایوں سی آزادی
بھلا انسان ہوکر اور ملتی ہم کو نعمت کیا؟

مضر ہیں جتنی چیزیں جسم کے یا روح کے حق میں
حرام آئی ہیں مذہب میں تو بیجا ہے یہ حرمت کیا؟

کہو گے تم کہ قیدیں ایک پر ہیں ایک مذہب میں
شریعت تو ہوئی پھر دوسری ہے یہ طریقت کیا؟

سمجھنے کا طریقہ سہل سا یوں ہے اگر سمجھو
کہ ہر ظاہر کو باطن سے نہیں ہوتی ہے نسبت کیا؟

تصوف اصطلاحی نام ہے اصلاح باطن کا
نہ ہو صوفی تو پھر اصلاح باطن کی ہے صورت کیا؟

حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ سے یہ صاف ظاہر ہے
عمل کوئی ہو دیکھی جائیگی یہ ہے اسکی نیت کیا

حقیقت کو سمجھ لو حال وہ کیا قال میں آئے
یہاں مُلّا کی ہے قَالَ اَقُوْلُ کی حقیقت کیا

جہاں اُٹھ جائینگے غفلت کے پردے چشم خودبیں سے
تو آنکھیں ہونگی دیکھو گے کہ ہے کثرت میں وحدت کیا

شفق از خود پرستی جلوہ عرفاں کجا بینی
بُت پندار بشکن کے زخود بینی خدا بینی

شفق عمادپوری

ماجرائے قلب

از جناب پنڈت جواہرناتھ صاحب ساقی۔ دہلوی

کس رنگ میں بیان کریں ماجرائے قلب
دیکھا جو ہم نے جلوۂ حیرت فزائے قلب

وہ جانتا ہے وسعتِ مشرب کے راز کو
دیکھا ہے جسنے عالم بے انتہائے قلب

یارب یہ قلب ہیئت قلبی عجیب ہی
نیرنگ دیکھتے ہیں یہ کیا ای خدائے قلب

یہ زمزمہ طیورِ خوش آہنگ کا نہیں
ہی نغمہ سنج بلبلِ رنگیں نوائے قلب

مشتاق جو تصورِ برزخ کے ہو گئے
آتی ہے دمبدم یہ اُنہیں کو صدائے قلب

قلب شہید میں ہے تجلی حسن یار
مشتاق جلوہ کیوں نہوں لسے فدائے قلب

ہم کو کیا لطائفِ قلبی نے حق شناس
دمساز قلب ہو کے بنے آشنائے قلب

سالک لقائے عشق اُسے کب نصیب ہو
جسکی سلوک میں نہوئی موفنائے قلب

صاحبدلوں کو حق نے دیا ہی حضورِ قلب
مقبول کس طرح سے نہیں ہو دعائے قلب

یہ شوق و رَم کی بھول بھلیاں بھی ہیں عجیب
نیرنگ رنگ ہی حرمِ دلکشائے قلب

جسپر پڑی جہاں میں ابو الوقت کی نگاہ
اُسکو ملا ہے آئینہ گیتی نمائے قلب

تاباں ہے دلمیں مہرِ درخشان معرفت
نور القلوب ہے یہ ہماری ضیائے قلب

روشن ضمیر ہیں یہ ترے خاکسار عشق
رکھتے ہیں فیض عشق سے نور و صفائے قلب

ہیں آفتاب نارِ محبت کے سوختہ
صحبت میں اُنکی ہوتی ہی ساقی جلائے قلب

عریاں خرابات

جواہر ناتھ ساقی۔ دہلوی

صوفیانہ خبریں

ہم سب خدامان اہل تصوف کے لیے مقام مسرت ہے کہ بزرگان دین میں حمایت دین کا احساس پیدا ہوتا چلا ہے۔ اور جن طریقوں سے آجکل کے زمانہ میں دینی یا دنیاوی کام انجام پاتے ہیں اُنکے حصول کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ چنانچہ **۶ جون** کے روزانہ پیسہ اخبار میں حضرت اقدس واقف اسرار حقانی مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب چشتی قادری پھلواروی کے حالات سفر ضلع پورنیہ شائع ہوئے ہیں۔ جہاں حضرت شاہ صاحب علماء و مشائخ کی ایک جماعت ہمراہ لیکر تشریف لے گئے تھے۔ لکھا ہے کہ اس علاقہ میں مسلمانوں کی آبادی سب سے زیادہ ہے مگر عموماً سب برکاتِ دین سے ناآشنا ہیں۔ اس بابرکت گروہ نے اپنے مواعظ حسنہ اور توجہات باطنی سے کل علاقہ میں اسلامی نور چمکا دیا۔ حضرت شاہ صاحب اور آپکی جماعت کو اس سفر میں وہ دشواریاں پیش آئیں۔ جو اگلے وقت میں بزرگوں کو پیش آیا کرتی تھیں۔ یعنی دو دو روز تک پانی میسر نہ آیا۔ مگر ان مردان خدا نے دین حق کی خاطر تمام دیہات کا سفر کیا۔ اور جگہ جگہ مدرسے قائم کر دیئے۔ اور باشندوں میں ضرورت وقت کا ادراک پیدا کر دیا اگرچہ حضرت شاہ صاحب تو اب وہاں سے تشریف لے آئے ہیں مگر اُن کی جماعت ہنوز خدمت اسلام میں وہاں مصروف ہے۔

پاکپٹن شریف ضلع منٹگمری میں ایک انجمن فریدیہ قائم ہوئی ہے جس کے صدر حضرت شیخ الشیوخ دیوان سید محمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ پاک حضرت بابا صاحب غریب نواز ہیں۔ اس انجمن نے **قیصر ہند** کی وفات پر

ابھی حال میں ایک شاندار جلسہ کیا تھا +

قیصر ہند کی وفات پر اظہار تعزیت کے لیئے آستانہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ علیہ دہلی میں جناب سید مظفر علی صاحب چشتی نقشبندی سجادہ نشین نے شاہ کے دفن کے دن بصدارت شفاء الملک حکیم رضی الدین احمد خاں صاحب فریدی مسلمانوں کا بہت بڑا جلسہ کیا جس میں شاہ مرحوم اور موجودہ تاجدار کے لیئے دعائیں کی گئیں +

تمام پیرزادگان درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح نے بھی شاہ کی تعزیت میں ایک بہت بڑا جلسہ خاص درگاہ شریف میں کیا +

سہروردیہ سلسلے کے ہندی پیشوا جناب خان بہادر مخدوم حسن بخش صاحب سجادہ نشین خانقاہ حضرت غوث بہاء الدین زکریا ملتانی رح نے بھی ملتان کے مسلمانوں اور صوفیہ گروہ کو جمع کرکے ایک عظیم الشان جلسہ شاہ کی وفات کے غم میں کیا تھا +

گنگوہ شریف۔ سہارنپور کے ضلع میں ایک مشہور مقام ہے۔ جہاں صابریہ سلسلہ کے متعدد بزرگوں کے مزارات اور خانقاہیں ہیں۔ خاصکر حضرت شیخ عبدالقدوس صاحب رح کے مزار پاک کے سبب اس قصبہ کو خاص شہرت ہی۔ اب آخر وقت میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث رح کے باعث اس دیار کو اور بھی شہرت حاصل ہوگئی تھی یہاں کے باشندوں میں اسلامی حمیت پیدا ہوئی ہے۔ اور ان سب نے ملکر ایک انجمن قائم کی ہے جسکا نام معین الاسلام رکھا گیا ہے۔ اس انجمن کے ذریعہ سے مسلمان بچوں کی دینی و دنیادی تعلیم کی مفید کوششیں ہورہی ہیں[1]۔ اِسکے صدر جناب حافظ محمد ابراہیم صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ پنشنر ہیں +

حضرت سید جلال الدین صاحب رح تبریزی کے (جنکا مزار درگاہ حضرت قطب صاحب رح دہلی میں عیدگاہ کہنہ کی پشت پر بیان کیا جاتا ہے) مزار مبارک کے پتھر ہندو

[1] اوڈیٹر نظام المشائخ نے اس انجمن کو سال بھر تک رسالہ مفت دینا منظور کیا ہی +

جاٹوں نے توڑ لیے تھے۔ درگاہ حضرت قطب صاحب کے پیرزادوں نے عدالت میں دعویٰ کیا۔ جس میں خواجہ حسن نظامی صاحب کی شہادت بھی ہوئی جن کے بیان پر مقدمہ کا حصر تھا۔ مگر ہندو افسر نے پیرزادوں کا دعوےٰ خارج کر دیا۔ اب اپیل کیا گیا ہے جن لوگوں کے دل میں اپنے بزرگوں کی محبت ہے۔ وہ اس موقع پر متوکل پیرزادوں کی مدد کریں۔ اپیل میں یقیناً پیرزادے کامیاب ہوں گے کیونکہ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے علمی اور تاریخی دلائل سے اپنی شہادت میں ثبوت کا کوئی پہلو باقی نہیں رکھا۔ انگریزی عدالت ہندو افسر کی طرح قومی پاسداری نہیں کرے گی ✦

جناب محمد انوار صاحب لال کرتی میرٹھ علمائے و صوفیائے ہند کا تذکرہ مرتب کرنا چاہتے ہیں۔ انکی درخواست ہے کہ مسلمان اپنے اپنے علاقہ کے ذی اثر علما و مشائخ کے حالات اُنکو عنایت کریں ✦

ریاست میسور کے ایک درویش بادشاہ میاں دس برس سے بدرگاہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی رح میں مقیم ہیں۔ اب وہ اپنے گھر جانا چاہتے ہیں۔ چونکہ ایک مرد متوکل ہیں۔ مصارف سفر اُنکے پاس نہیں۔ اگر ناظرین اس بے وطن اور مستحق مسافر کی مدد کریں تو دارین کا اجر حاصل کرینگے[۱]۔ اعانت براہ راست اُنہیں کے نام ہو۔ اُنکا پتہ یہ ہے:۔ بادشاہ میاں درویش۔ دروازہ کلاں خانقاہ حضرت محبوب الٰہی رح دہلی۔ ڈاک خانہ عرب سرائے ✦

۲۹۔ جمادی الاولی کو حضرت بی بی زلیخا والدہ ماجدہ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی رح کا سالانہ عرس بہت دہوم سے ہوا ✦

راقم خادم حلقہ ضیاء الدین احمد خاں برنی دہلوی متعلم بی اے کلاس

---

[۱] میں نامہ نگار کی اس تحریک کی تائید کرتا ہوں۔ اور اپنی توفیق کے موافق خدمت کو بھی حاضر ہوں ✦ حسن نظامی

رسالہ کا سال تمام

الحمد للہ علی احسانہ۔ آج رسالہ نظام المشائخ کا سال پورا ہوا۔ ماہ جمادی الآخرے سنہ ۱۳۲۶ ہجری میں اسکا پہلا پرچہ نکلا تہا۔ اور یہ بارھواں رسالہ ہے جو آپکے سامنے حاضر ہے۔ رسالہ جاری کرنیکے وقت جو خطرناک میدان ہمارے سدراہ نظر آتے تھے خدا کے فضل اور محض اسکی توفیق سے اُنکو ہم نے بڑی آسانی سے طے کرلیا۔ اب دوسرے سال میں قدم رکھتے وقت نہایت شکر کے ساتھ چاروں طرف کامیابی اور خوشی کے آثار محسوس کرتے ہیں۔ یہ ہرگز امید نہ تھی کہ مشائخ میں پرچہ کو اتنی جلدی فروغ ہوجائے گا۔ کیونکہ مشائخ اس قسم کی تحریکوں سے ابھی ناآشنا اور اجنبی ہیں۔ مگر خلاف امید ایک ہی سال کے اندر بڑی سرعت سے اسکی اشاعت فقرا ومشائخ میں پہیل گئی۔ اور نظام المشائخ اُردو کے اُن نامور رسالوں سے ٹکر کھانے لگا جو برسوں سے جاری ہیں اور ترقی واشاعت کی رات دن کوشش کررہے ہیں۔ ہم نے اشاعت بڑہانے کی اپنی طرف سے مطلق کوشش نہیں کی۔ ورنہ ممکن تہا کہ موجودہ حالت سے کئی حصے زیادہ ترقی ہوجاتی۔ نہ ناظرین کو توجہ دلائی کہ ترقی کی کوشش کریں۔ نہ اشتہار دیئے نہ رعایتی اور انعامی اعلان شائع کئے۔ لیکن بزرگوں کی برکت سے اللہ تعالے نے خود بخود ناظرین کے دلمیں اسکی جگہ پیدا کی اور اُنہوں نے اپنے احباب کو اسکی خریداری پر مائل کیا۔

خیال تہا کہ چونکہ حضرت اقدس خواجہ حسن نظامی صاحب کا نام رسالہ کی سرپرستی اور اعلے ایڈیٹری میں ہے۔ اسلیئے اُنکے احباب ومعتقدین میں اسکی بہت اشاعت ہوگی۔ مگر خواجہ صاحب نے اپنے کسی دوست ومعتقد کو اسکی خریداری پر توجہ نہیں دلائی

کیونکہ وہ اسکو اپنی وضع اور طریق کے خلاف سمجھتے ہیں تاہم جہاں جہاں ان کے احباب و متوسلین کو رسالہ کی خبر ہوئی۔ انہوں نے تائید و اعانت میں خاص حصہ لیا۔

یہ سال ترتیب اور مضامین کے اعتبار سے ہمارے حسب منشاء نہوا۔ گو لوگوں نے غیر معمولی پسندیدگی مضامین کی نسبت ظاہر کی۔ اسکی وجہ دو تھیں ایک تو یہ کہ حضرت مدیر اعلے علی التواتر حوادثات و مصائب میں مبتد۔۔۔ سے اُن کو کامل طور پر نگرانی کا موقع نہ ملا۔ دوسرے ہمارا واسطہ اس کوچہ سے نیا نیا تھا اور ان معاملات میں تجربے کی بڑی ضرورت ہے۔ آیندہ سال انشاء اللہ یہ دونوں باتیں نہ ہونگی۔ کیونکہ حضرت مدیر اعلے کے خانگی تعلقات باقی نہیں رہے۔ اب وہ پوری یکسوئی سے نظام المشائخ کی نگرانی اور ترتیب کا وعدہ فرماتے ہیں۔ اور ہم کو بھی سال بھر میں اس کام سے اتنی آگاہی ہو گئی ہے کہ آیندہ سال ایک حد تک نقائص سے رسالہ محفوظ رہے گا۔

اس سال ہم نے ایک خاص رقم اس نیت سے رکھ لی تھی کہ اسکو مشائخ کی خدمت گزاری میں صرف کرنا ہے۔ لہذا ایک معقول تعداد میں رسالہ مفت جاری رہا۔ آیندہ سال بھی کوشش کیجائے گی کہ یہ نیک کام ہم سے ادا ہوتا رہے۔ مگر ملک مفت لینے پر اسقدر آمادہ اور تیار ہے کہ قارون کے خزانے بھی اسکو مکتفی نہیں ہو سکتے اسلیئے آیندہ ذرا احتیاط سے صرف انہیں مشائخ کو پرچہ مفت دیا جائے گا جو مفت لینے کے مستحق ہیں۔

حساب کرنے سے معلوم ہوا کہ سال کا آمد خرچ برابر ہے۔ نہ نفع ہوا نہ نقصان۔ اگر اس کثرت سے بلا معاوضہ پرچے نہ جاتے تو نفع یقینی تھا۔ پر اب بھی ہم خوش ہیں کہ دنیاوی مفاد نہ سہی۔ دینی فائدہ تو ہوا اور سیکڑوں مشائخ اپنی ضرورتوں اور فرائض سے خبردار ہو گئے جس سے خبردار کرنا ہمارا فرض تھا۔

اس سال بعض صاحب ہمت حضرات نے اپنے پاس سے چندہ ادا کر کے رسالے جاری کرائے۔ مگر یہ سلسلہ دو چار اصحاب تک محدود رہا جن میں سے مقدم مولوی حبیب الرحمٰن خانصاحب شیروانی رئیس بھیکم پور ہیں۔ اُمید ہے کہ آیندہ سال محب الفقرا حضرات اس کار خیر میں زیادہ حصہ لیں گے ٭

اس سال جن حضرات نے ترقی اشاعت میں کوشش فرمائی۔ اور متعدد خریدار دیئے۔ اُنکے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں ٭

(۱) جناب لاڈلا حسن میاں صاحب پھلواروی
(۲) جناب منشی کریم الدین صاحب نظامی قصور
(۳) جناب شیخ محمد اکرم صاحب رئیس محمد آباد
(۴) جناب مولوی عبداللہ شاہ صاحب ہاشمی شورکوٹ
(۵) جناب خلیفہ غلام حیدر صاحب چشتی نظامی راجپورہ
(۶) جناب حافظ فیاض احمد صاحب پانی پتی
(۷) جناب غلام غوث الصمدانی صاحب علیگڈھ
(۸) جناب غلام نظام الدین صاحب قریشی پریمی شاہ صاحب احمد آباد گجرات۔
(۹) جناب منشی وزیر احمد خانصاحب ڈپٹی انسپکٹر پولس ڈگ
(۱۰) جناب مولوی محمد اشرف صاحب وکیل کوہاٹ۔
(۱۱) جناب مولوی سید فضل الرحمٰن صاحب وکیل کانپور
(۱۲) جناب منشی حبیب اللہ خانصاحب کیمپ جالندھر
(۱۳) جناب حاجی فتح محمد صاحب جالی نظامی کیمپ جالندھر
(۱۴) جناب قاضی باقی شاہ صاحب قریشی وزیرآباد
(۱۵) جناب بابو احمد الدین صاحب فاضلکا۔

(۱۶) جناب پیر گلاب شاہ صاحب چشتی نظامی تحصیلدار وہلی
(۱۷) جناب مولوی فضل احمد صاحب نظامی امروہہ
(۱۸) جناب شہزادہ مرزا محمد اشرف صاحب گورگانی ڈپٹی کمشنر منچن آباد
(۱۹) جناب حکیم فرید احمد صاحب نقشبندی۔ بھیکم پور
(۲۰) جناب مولوی عبدالرحیم صاحب باندا
(۲۱) جناب مولوی حکیم محمد عمر صاحب فصیح الدہلوی۔ الور
(۲۲) جناب منشی محمد سعید صاحب حال مقیم لکھنؤ
(۲۳) جناب مولوی نصیر الدین احمد صاحب چشتی صابری شنکر گڑھ
(۲۴) جناب منشی دوست محمد خاں صاحب انسپکٹر پولیس پنشنر جھجر
(۲۵) جناب مولوی الف دین بی اے وکیل کیمبل پور
(۲۶) جناب مولوی ظل الرحیم صاحب بی اے کلکتہ
(۲۷) جناب بابو نبی بخش صاحب سپینا فیسورہ
(۲۸) جناب مولوی محمد نصیر الدین صاحب فریدی نظامی مدراس (آپنے بیمثل خدمت کی)
(۲۹) جناب منشی محمد اسمٰعیل صاحب کوکب ناسک
(۳۰) جناب اڈیٹر صاحب رسالہ صوفی۔ پنڈی بہار الدین
(۳۱) جناب مولانا شاہ فتح اللٰہی صاحب ایرانی۔
(۳۲) جناب صوبیدار پیر داد خانصاحب نظامی۔
(۳۳) جناب مولوی محمد فتح اللہ صاحب لائل پوری
(۳۴) جناب حکیم حبیب الرحمٰن صاحب ڈھاکہ
(۳۵) جناب شیخ غلام حیدر صاحب حسینا خرد

علاوہ ان حضرات کے اکثر صاحب ہیں جنہوں نے اشاعت نظام المشائخ میں بڑی سعی فرمائی۔

اخبار کی بیحد ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ اشتہار شائع ہوتے ہی بکثرت درخواستیں آنے لگیں۔ قبلہ وکعبہ حضرت مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب چشتی قادری پھلواروی درویش کا بڑے زور سے خیر مقدم فرماتے ہیں اور علاوہ قلمی علمی امداد کے سنو خریدار دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔ نیز اگر حصص پر اخبار چلایا گیا تو انکی بھی ایک معقول تعداد خریدنے پر آمادہ ہیں۔ اسیطرح جناب پیرزادہ عظیم الدین صاحب چشتی سب رجسٹرار چھاتہ حصے مقرر کرنے کی تجویز کو پسند کرتے ہوئے اپنی شرکت کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں۔ متعدد درخواستیں دیگر اصحاب کی خریداری حصص کے متعلق موصول ہوئی ہیں۔ ایک ہندو صاحب جناب صوبیدار زور آور سنگھ تحریر فرماتے ہیں کہ درویش کو کسی گروہ یا فرقہ کا طرفدار نہ بنایا جائے۔ اسکے دو اڈیٹر ہوں ایک ہندو ایک مسلمان تو وہ مبلغ دو ہزار روپیہ اس کام میں شریک کرنے کو تیار ہیں۔

ہم صوبیدار صاحب کے جواب میں صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ درویش کسی قوم و ملت کا طرفدار نہیں ہوگا۔ جو دستور العمل فقراء اور درویشوں کا ہے کہ کسی سے تعصب نہیں رکھتے وہی مسلک انکے اخبار کا ہوگا۔ لیکن دو اڈیٹر رکھنے اور ان میں قومی امتیاز کا لحاظ کرنے سے دوئی کی بو آتی ہے جو فقیروں کے ہاں کفر ہے۔

حصص کی بابت ابھی ہم کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ جبتک کہ کل ناظرین ایک بات پر اجماع نہ کریں۔ کیونکہ حصص جسکو شرکتی تجارت کہنا چاہیئے۔ آسان کام نہیں ہے اور آج کل بعض فریبی لوگوں نے اسکی رہی سہی آبرو بھی برباد کر دی۔ اب کوئی شخص اس قسم کے کام پر بھروسا اور اعتماد نہیں کر سکتا۔ اسلیئے ہم خواہ مخواہ شک و شبہ کا ہدف بننا اور اپنی جان کو غیر معمولی تفکرات میں پھنسانا نہیں چاہتے۔ اور اپنے ذاتی سرمایہ سے اخبار نکالنے پر آمادہ ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ یا تو اخبار نکلے ہی نہیں اور نکلے تو ایسی شان کا نکلے جیسی ضرورت ہے۔ پہلے سال بھر کا سرمایہ پاس رکھ لیا جائے۔ اور آنکھیں بند کر کے خرچ کیا جائے

قاعدہ پیشگی قیمت وصول کرنے کا رکھا گیا تھا۔ چنانچہ ہمارے خریداروں میں کسی صاحب کے ذمہ قیمت باقی نہیں ہو۔ البتہ چند مشائخ اور رؤسا ایسے ہیں جنکے نام پرچہ بلا درخواست محض اِس نیت سے جاری ہے کہ انکو حالات مشائخ کا احساس ہو۔ آیندہ کسی کے نام بغیر درخواست کے اور بغیر پیشگی قیمت بھیجنے یا وی پی کی اجازت دینے کے رسالہ جاری نہیں ہوگا۔

ہم تہِ دل سے اُس ذات پاک کا شکرانہ بھیجتے ہیں جسنے نظام المشائخ میں برکت عنایت فرمائی۔ اور وہ ایک ہی سال کے اندر اپنے پیروں پر کھڑے ہونیکے قابل ہوگیا

دوسرا سال

بھی امیدوں اور کامیابیوں سے لبریز نظر آتا ہے۔ معاونین رسالہ نے ہماری طلب اور اطلاع کے بغیر پیشگی قیمتیں بھیجنی شروع کردی ہیں۔ سب سے پہلے اعانت میں جناب مولوی احسان الحق صاحب قادری رئیس میرٹھ نے حصہ لیا اور وہی اجرائے رسالہ کے وقت سب سے پہلے خریدار بنے تھے۔ چنانچہ انہوں نے دو رسالوں کی قیمت مبلغ دس روپیہ منی آرڈر کے ذریعہ سے بھیجدی۔ اسیطرح جناب حاجی فتح محمد خاں صاحب نظامی جمالی نے کیمپ جالندھر سے اپنی اور اپنے احباب کی پیشگی قیمتیں بصیغہ منی آرڈر بھیجدیں۔ ہم اِن اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں اگر سب حضرات اِسیطرح قیمتیں بھیجدیں تو وی پی کی زحمت اور تضییع اوقات نہو آیندہ سال ایک اَور اعتبار سے بھی خوشگوار معلوم ہوتا ہی اور وہ یہ ہو کہ اس میں یقیناً

اخبار درویش

جاری ہوجائے گا۔ اردو زبان میں درویشوں کا ہفتہ وار اخبار آجتک کوئی نہیں نکلا۔ گزشتہ رسالہ میں سرسری طور پر اسکا ذکر کیا گیا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ ملک میں ایسے

تب کہیں اسکے قدم جمینگے اور فائدہ کی صورت نکلیگی۔ پریس کے نئے قانون کے سبب ضمانت کا ایسا جھگڑا پیدا ہو گیا ہو کہ پانسو روپیہ نقد تو پیشگی عدالت میں جمع کرنے پڑتے ہیں۔ پھر اسکے بعد دیگر ضروریات ہیں جنکا بجٹ سامنے رکھا جائے تو پانچہزار روپیہ کی ضرورت معلوم ہوتی ہی۔ جب ایک اعلےٰ درجہ کا سولہ صفحہ ہفتہ وار اخبار نکل سکتا ہی ہم بفضلہ اپنی ذات سے یہ سرمایہ لگا سکتے ہیں مگر پہلے ملک کا عام میلان معلوم کرنا ہی +

یہ بالکل یقینی بات ہو کہ "درویش" ایکسال کے اندر پانچ چھہ ہزار کی تعداد تک شائع ہونے لگیگا۔ کیونکہ ملک میں درویشی اخبار کے لیئے میدان بالکل خالی ہو وہ بلا مقابلہ ترقی کرسکتا ہے۔ عرسوں میں جہاں دو دو لاکھ فقیر دوست لوگ جمع ہوتے ہیں سو دو سو خریداروں کا مہیا ہو جانا کوئی بات نہیں۔ پس جسوقت ہم اپنے درویش ایجنٹوں کے ذریعہ سے تمام ہندوستان کے عرسوں اور خانقاہوں میں اخبار درویش کی اشاعت کی کوشش کرینگے تو بہت سہولت سے پانچ چھہ ہزار گاہک سال میں پیدا ہو جائینگے +

ابھی تک تو ہماری رائے حصص کے خلاف ہو۔ لیکن ناظرین کا اجماع اگر اسی پر ہو گیا تو ہمیں اس تجویز کے منظور کرنے میں بھی تامل نہیں۔ بہرحال اخبار درویش کی خریداری اور حصص کے تقرر و عدم تقرر کی نسبت ہم چاہتے ہیں کہ جلدی لکھا جائے تاکہ عام رائے کا اندازہ کرکے کچھ فیصلہ ہوسکے +

تجویز ہے کہ بالفعل درویش سولہ صفحہ پر نکالا جائے اور قیمت صرف ۲ رکھی جائے۔ اس کے متعلق بھی ناظرین رائے دیں +

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

نائب مدیر

حلقہ کی کارگزاری

دورِ امن

رستہ صاف ہے اور اہل حلقہ امن و اطمینان سے منزل کیطرف سے دوڑے جا رہے ہیں۔ اس مہینے میں مخالفین خاموش رہے اور ہم کو خاطر جمعی سے کام کرنیکا موقع ملا۔ کارگزاری کی تفصیل آیندہ ماہ میں جو رسالہ کا شروع سال ہے درج ہوگی۔ کیونکہ اگلا رسالہ اجمیر شریف کے عرس میں تقسیم کرایا جائیگا۔ اور معمول سے کئی گنا زیادہ چھپے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس پرچہ میں دو ماہہ کارگزاری شائع ہو۔ اس ماہ میں متعدد حضرات حلقہ کی منزلگاہ میں تشریف لائے۔ اور حساب کتاب وغیرہ معائنہ کرکے دلی خوشنودی ظاہر کی۔ منجملہ حضرت گرامی صاحب فارسی کی مشہور شاعر جو حضور نظام کے مقبول شعرا میں ہیں۔ اور شہزادہ مرزا محمد شریف صاحب بی اے ڈپٹی کمشنر سنجن آباد اور ملک غلام حسن صاحب تاجر شال کلکتہ اور مولوی عمر دراز صاحب نظامی نظامیہ حجرہ ریاست ریواں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ جاپان سے حلقہ کے خادم مسٹر محمد شفیع صاحب نے اسلامی اخبار کی سو کاپیاں بھیجی ہیں جو انگریزی میں ہیں اور جن میں نہایت عمدہ مضامین ہیں۔ یہ وہی اخبار ہے جسکا ذکر پچھلے پرچہ میں آچکا ہے۔ خان بہادر سید اکبر حسین صاحب جج پنشنر الہ آباد نے اپنے کلیات کی ایک کاپی حلقہ کو بھیجی ہے۔ یہ انکے کلام کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ اس پر مفصل تقریظ آیندہ پرچہ میں واحدی لکھینگے۔

گذشتہ پرچہ کے مضمون قتلگاہ کی پکار سے متاثر ہوکر صدہا احباب نے ہمدردی کے خطوط بھیجے ہیں۔ اور تائیدی مضامین لکھے ہیں۔ میں اُن سب کی محبت کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آمدنی حسب ذیل ہے

از سید عبدالرحمن صاحب ای اے سی بابت دو ماہ ۔ از اڈیٹر صاحب صوفی بابت دو ماہ۔ از خواجہ عثمان علی شاہ صاحب سرگردہ چشتیہ ضلع گنجام بابت دو ماہ۔ بقایا سابقہ کل میزان

۴۱۸۱

دعاخانہ

جناب شاہ فضل حسن صاحب چشتی صابری خلف جناب شاہ فاروق حسن صاحب چشتی صابری اڈیٹر اخبار دبدبہ سکندری رام پور کے حق میں دعا خیر کیجائے وہ حصول مقصد کے بعد سو روپے حلقہ کے اغراض کی اشاعت کے لیئے دینگے اور سو روپیہ حضرت دبیر حلقہ کو دینگے تاکہ کتب تصوف کی تالیف و اشاعت کو وسعت دیجائے ۔

جناب اکرام حسین صاحب کیٹ گنج الہ آباد تندرستی کی دعا چاہتے ہیں۔ بعد از صحت پچاس روپے حلقہ کی نذر کرینگے ۔

جناب منشی حبیب اللہ صاحب قلندری و منشی محمد ابراہیم صاحب کمپ جالندہر کو خدا تعالی ایک مقدمہ سے نجات دے تو دس روپے نذر کرینگے ۔

جناب سید عبدالرحمن صاحب ای اے سی کی مشکلات کو اللہ تعالی آسان فرمائے پانچ روپیہ ماہوار حلقہ کو دیتے ہیں ۔

جناب مستری محمد رفیق صاحب ریاست ریواں کے لیئے ادائگی قرض کی دعا ہو پچیس روپے حلقہ کو دینگے ۔

جناب محمد عبداللہ صاحب گنپت سرائے سہارنپور کا ایک ریاست میں کام ہے وہ پورا ہوجائے تو پچیس روپے حلقہ کو دینگے ۔

جناب منشی وزیر احمد صاحب سب انسپکٹر پولس جو ایک ہندو ریاست میں مخالفوں کے نرغہ میں پہنس گئے تھے جن کا ذکر پچھلے پرچہ کے دعاخانہ میں تھا۔ خدا نے انپر فضل کیا اب وہ ایک دوسری ریاست میں کوتوالی کے عہدے پر جانیوالے ہیں۔ اور سب مشائخ سے دعا کے ملتجی ہیں، یہ صاحب حلقہ کے ابتدائی فدائیوں میں ہیں ۔

جناب سید عبدالقدوس صاحب محمد پور ضلع کانپور کی ترقی عہدہ کی دعا کیجائے

پہلی تنخواہ حلقہ کو دینگے ۔

جناب مولوی نصیر الدین صاحب فریدی نظامی تاجر مدراس فلاح دارین کی دعا اوقات خاص میں چاہتے ہیں ۔

جناب منشی عزیز اللہ صاحب سب اورسیر ریواں حصول مراد کے لیئے دعا چاہتے ہیں۔ پچاس روپے حلقہ کو پیش کرینگے ۔

جناب ٹھاکر رام سنگھ صاحب راجپوتانہ کی ایک ریاست سے لکھتے ہیں کہ اُن کے بعض دشمن اُن پر خون کا مقدمہ لگانا چاہتے ہیں۔ اگر وہ اس بلا سے محفوظ رہے تو مختلف نیک کاموں میں پانسو روپیہ خرچ کرینگے ۔ اور حصہ رسدی چالیس روپیہ حلقہ کے ذریعہ سے مسلمان درویشوں کے طعام کے لیئے دینگے ۔

جناب بابو محمد سلیم خاں صاحب محکمہ کسریٹ کوہ منصوری کے ذریعہ دو صاحب درخواست دیتے ہیں کہ اگر اُن کی نوکریاں مستقل ہوگئیں تو پہلی تنخواہیں خواجہ صاحب اور حلقہ کی نذر کرینگے ۔

خاکسار محمد الدین خوشنویس کاتب رسالہ ہذا ایک خاص مقصد کے حصول کے لیئے صدق ارادت سے تمام مشائخ عظام کیخدمت میں دعا کا ملتجی ہے۔ کامیابی کے بعد انشاء اللہ دس روپیہ حلقہ کو نذر کیئے جائینگے۔ دعا اوقات خاص میں فرمائی جائے" ۔

ہر چہار شنبہ کو حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر مذکورہ امور کے لیئے دعا کر دیجاتی ہے۔ ناظرین رسالہ سے بھی جن میں اکابرین صلحا و بزرگان شامل ہیں التجا کی جاتی ہے کہ وہ ان مراد مندوں کے لیئے دعا فرمائیں ۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین ۔

مرکب عشبہ کے اکتالیس (۴۱) فوائد

جس کی تصدیق حکیموں ڈاکٹروں اور ذی علم لوگوں نے کی ہے

جس کی تصدیق ایک سو دس مریضوں نے آپ استعمال کرکے سرٹیفکیٹ دئے ہیں

فائدہ (۱) وہ بیمار ہیں جب کبھی آتشک یا سوزاک ہو چکا ہو اور کچھ عرصہ کے بعد جلد پر سیاہی چھا جائے چہرہ اور جسم پر چکنا سیاہ داغ پڑ جائیں یا جوڑوں اور ہڈیوں میں درد ہو تو یہ مرکب استعمال کیجیے تاکہ درد دور ہو جاتے ہیں۔

فائدہ (۲) جسکی تصدیق ۴۵ مختلف ملک اور مختلف عمر کے لوگوں نے کی ہے وہ بوجہ خرابی معدہ و جگر بھوک بند ہو جانے سے ان بدن لاغر ہوتے جاتے تھے چہرے بے رونقی اور مردہ پن پیدا ہو جاتا تھا۔ اگر پانی پیتے تو معدے پہ بوجھ۔ کبھی دست کبھی قے کبھی قبض ہو جاتی تھی۔ وہ سب اسکے استعمال سے دور ہو گئے۔

فائدہ (۳) جسکی تصدیق دو سو مریض اکثر کرتے ہیں خون گندہ ہونے سے چہرہ پر چھائیاں جسم پر دانے۔ پھوڑے پھنسیاں کثرت سے مختلف جگہ پیدا ہو کر انسے لیسدار پانی بہکر جہاں وہ پانی لگتا تھا زخم ہو جاتے تھے۔

فائدہ (۴) جسکی تصدیق ۴۵ آدمی کرتے ہیں انکی زانوں کا جوڑ سیاہ اور موٹا ہو گیا تھا اور پسینہ آنے سے سخت خارش ہوتی تھی۔ ہر وقت چٹوں میں ہاتھ رہتا تھا۔ اور اسنے بدبو آتی تھی۔

فائدہ (۵) جس کی تصدیق ۱۱ مریض کرتے ہیں۔ خنازیر مختلف حصہ جسم میں بغل اور گردن میں ان بدن گلٹیاں بن جاتی تھیں اسکے استعمال سے بڑی گلٹیاں بیٹھ گئیں اور آگے پیدا ہونے سے بند ہو گئیں۔

فائدہ (۶) جسکی تصدیق تین سو مریض کرتے ہیں عرصہ سے ناسور اور بھگندر سے پتلی سی پیپ جاری رہتی تھی اسکے استعمال سے ناسور سوکھ گیا۔

فائدہ (۷) جسکی تصدیق ۵ مریض کرتے ہیں انکو چوٹ سے اکثر درد تمام رات اور پنڈلیوں میں رہا کرتا تھا جس سے ٹانگ اور بدن سوکھتی جاتی تھی۔ انکی ایک شیشی سے ریگن بالو اور درد جاتا رہا۔

فائدہ (۸) جسکی تصدیق ۴۰۰ عورتیں استعمال کے بعد کرتی ہیں کہ انکے کمروں میں درد اور رحم سے بدبودار پانی جاری رہتا تھا اور ایام میں سر میں درد سخت ہوا کرتا تھا اسکے استعمال سے ایام جاری اور باقاعدہ ہو گئے اور رحم کا فعل ٹھیک ہو گیا

الغرض یہ مرکب چوب چینی اور عشبہ وغیرہ کا سب سے بہتر مرکب ہے

جو مصفی خون کہ جہاں بہت سی انگریزی عشبے ناکارہ اور نقصان رساں ثابت ہو چکے ہیں کیونکہ وہ بالحاظ اس ملک کے شہر اور دیہات میں بکنے جاتے ہیں جس سے خون زیادہ غلیظ اور تیز ہو جاتا ہے ایسے سریع العمل فاسد کھلانے میں اس جوہر کا استعمال کرنے سے بہت اچھا اثر پڑتا ہے جس سے تمام چہرہ کی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔

مرکب عشبہ ۳۰ سال سے ملک کے مختلف حصوں میں تجربہ کیا گیا ہے اگر آپ کو کوئی شکایت ہو تو آپ تجربہ کرکے بیانات کی تصدیق کیجیے۔ **ثبوت** کے لیے اس جوہر کے استعمال سے پہلے خون نکال کر کے فکر کرو اور ایک ماہ بعد وہ نہ رہیگا اور جسم اور چہرہ کا رنگ (خون صاف ہونے سے) کندن کی طرح دمکنے لگیگا۔

قیمت شیشی کلاں ایک ماہ کے لیے تین روپیہ (۳ے) قیمت شیشی خورد ڈیڑہ روپیہ ۸/ ۱ر

پتہ

شفاخانہ حاجی الحرمین الشریفین زبدۃ الحکما حکیم ڈاکٹر غلام نبی اڈیٹر رسالہ حافظ الصحت

فہرست کتب سوانح عمریاں اولیاء اللہ کتب عملیات وظائف اوراد وغیرہ

دوکان غلام نظام الدین کتب فروش دہلی متصل فوارہ چاندنی چوک دہلی

ترجمہ اردو عوارف المعارف مصنفہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رح در دو جلد قیمت ۴/

ترجمہ اردو فصوص الحکم مصنفہ امام الصوفیہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ العزیز قیمت ۴/

مخزن الحقیقۃ ملفوظات و معمولات حضرت مرزا مظہر جانجاناں صاحب مظہر شہید رح قیمت ۱۲/

مقامات امام ربانی مجدد الف ثانی جس میں حالات و مقامات حضرت مجدد صاحب درج ہیں قیمت ۱۰/

بوستان غوثیہ یعنی سوانح عمری حضرت غوث بہاء الدین زکریا ملتانی رح قیمت ۴/

تحفہ مرسلہ عربی ترجمہ اردو یہ رسالہ حضرت غوث پاک شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی کے پیر و مرشد حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ حضرت غوث پاک کی تعلیم کیلئے لکھا تھا ۳/

شرح کلام ربانی اسمیں حضرت پیران پیر کے مشہور خرق عادات وغیرہ کی حالات لکھے ہیں قیمت ۳/

فضائل مکہ معظمہ تصنیف حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ ترجمہ اردو۔ ہر حاشیہ ہر صوفی کو پڑھنا چاہیئے ۱۲/

فضائل القرآن فی عجائب البیان مترجم اردو یہ رسالہ بھی بہت عمدہ ہے اور دیکھنے اور سننے کے لائق ہے ۲/

فیضان توکلیہ حضرت سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی کے حالات میں ہے جو ابھی ہی کے ایک مشہور شیخ تھے اور نیز انکے چند اعمال و اوراد بھی مع ترکیب درج ہیں قیمت ۱/

نکات الحق ترجمہ اردو لطائف الحق مصنفہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی اسمیں عجیب عجیب نکتہ شریعت طریقت کے درج ہیں قیمت ۶/

نفائس القصص جس میں عمدہ عمدہ حکایتیں منظوم تصوف کے متعلق عبرت انگیز درج ہیں قیمت ۴/

دوائے دل ترجمہ تقسیم الاوراد مصنفہ شیخ محمد صاحب چشتی یہ کتاب خاندان چشتیہ کے ایک بہت بزرگ کی تصنیف ہے۔ اوراد میں قیمت

سیرت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری قیمت ۴

نغمہ کبریٰ یعنی خلاصہ حالات حضرت صابر پیران کلیری رحمۃ اللہ ۴

سیرت عمر حضرت عمر فاروق کی سوانح عمری قیمت ۳

سوانح عمری حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ ۶

سیرت امام اعظم ابو حنیفہ رح کی سوانح عمری ۳

سیرت النبی سوانح عمری حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قیمت ۲

حیات امام ابو یوسف رح مامون الرشید کے عہد میں ملک اسلام کے سب سے پہلے قاضی القضاۃ۔ محدث اور ... کی جو امام اعظم رح کے شاگرد رشید تھے سوانح عمری ۲

ماہ کنعان سوانح عمری حضرت یوسف علیہ السلام ۲

حیات ابن جوزی یعنی شیخ سعدی رح کے استاد واعظ عبد الرحمٰن ابن جوزی کی سوانح عمری ۲

حیات ابن سیرین رح یہ خواب کی تعبیر بتانے میں کامل بزرگ تھے اور محدث اور فقیہ بھی تھے ۱

القول الجمیل ترجمہ اردو شفاء العلیل مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ۵

طب ایمانی تصنیف نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم قرآن کے مطابق اسمیں عملیات درج ہیں ۸

جمال رحمانی اسمیں خدا کے تمام ناموں کی نقش اور ہر قسم کے عمل درج ہیں ۲

مجربات دیربی اوراد اعمال وظائف ہیں ... مصر کے مشہور بزرگ حضرت شیخ احمد رح اعمال درج ہیں ۱۲

تعبیر الرؤیا اردو یعنی خوابنامہ حضرت محمد ابن سیرین رح تعبیر خواب میں نہایت معتبر کتاب ہے ۶

جمال انسانی آیہ لقد کرمنا بنی آدم کی تصوف پیرائے میں ایک عجیب تفسیر ہے انسان کی ... جامع کو خوب بیان کیا ہے قیمت ۳

دوکان غلام نظام الدین تاجر کتب [illegible] دہلی چاندنی چوک سے طلب کرو

فہرست کتب سوانح عمریاں اولیاء اللہ و کتب عملیات و وظائف و اوراد وغیرہ

دوکان غلام نظام الدین کتب فروش دہلی متصل فوارہ چاندنی چوک دہلی

ترجمہ اردو عوارف المعارف مصنفہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رح در دو جلد قیمت ۴

ترجمہ اردو فصوص الحکم مصنفہ امام الصوفیہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ العزیز قیمت ۴

مخزن الحقیقۃ ملفوظات و معمولات حضرت مرزا مظہر جانجاناں صاحب مظہر شہید رح قیمت ۱۲/

مقامات امام ربانی مجدد الف ثانی جس میں حالات و مقامات حضرت مجدد صاحب درج ہیں قیمت ۱۰/

بوستان غوثیہ یعنی سوانح عمری حضرت غوث بہاء الدین زکریا ملتانی رح قیمت ۴/

تحفہ رسالہ عربی ترجمہ اردو یہ رسالہ حضرت غوث پاک شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی کے پیر و مرشد حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ حضرت غوث پاک کی تعلیم کیلئے لکھا تھا ۳/

شرح کلام ربانی اسمیں حضرت پیران پیر کے مشہور خرق عادات وغیرہ کی حالات لکھے ہیں قیمت ۳/

فضائل مکہ معظمہ تصنیف حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ ترجمہ اردو۔ ہر حاشیہ ہر صوفی کو پڑھنا چاہیئے ۱۲/

فضائل القرآن فی عجائب البیان مترجم اردو یہ رسالہ بھی بہت عمدہ ہے اردو یکھنے اور سیکھنے کے لائق ہے ۲/

فیضان توکلیہ حضرت سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی کے حالات میں ہے جو اس دور کے ایک مشہور شیخ تھے اور نیز انکے چند اعمال و اوراد بھی مع ترکیب درج ہیں قیمت ۱/

نکات الحق ترجمہ اردو لطائف الحق مصنفہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی اسمیں عجیب عجیب نکتہ شریعت طریقت کے درج ہیں قیمت ۶/

نفائس القصص جس میں عمدہ عمدہ حکایتیں منظوم تصوف کے متعلق عبرت انگیز درج ہیں قیمت ۴/

دوائے دل ترجمہ تقسیم الاوراد مصنفہ شیخ محمد صاحب چشتی یہ کتاب خاندان چشتیہ کے ایک بہت بزرگ کی تصنیف ہے اوراد میں قیمت ۴

سیرت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری قیمت ۴/

نعمت کبریٰ یعنی خلاصہ حالات حضرت صابر صاحب پیران کلیری رحمۃ اللہ ۴/

سیرت عمر حضرت عمرؓ کی سوانحعمری قیمت ۳/

سوانح عمری حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ ۶/

سیرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کی سوانح عمری ۴/

سیرت النبی سوانح عمری حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قیمت ۲/

حیات امام ابو یوسف رح جو ہارون الرشید کے عہد میں اسلام کے سب سے پہلے قاضی القضاۃ۔ محدث اور فقیہ تھے امام اعظم رح کے شاگرد رشید تھے سوانحعمری ۳/

ماہ کنعان سوانح عمری حضرت یوسف علیہ السلام ۲/

حیات ابن جوزی یعنی شیخ سعدی رح کے استاد واعظ عبد الرحمن بن جوزی کی سوانحعمری ۲/

حیات ابن سیرین رح یہ خواب کی تعبیر بتانے میں کامل بزرگ تھے اور محدث اور فقیہ بھی تھے ۱/

القول الجمیل ترجمہ اردو شفاء العلیل مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ۵

طب ایمانی تصنیف نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم قرآن کے مطابق اسمیں عملیات درج ہیں ۸/

جمال حمانی اسمیں خدا کے تمام ناموں کے نقش اور ہر قسم کے عمل درج ہیں ۲/

تجربات دیری اوراد اعمال و وظائف میں سے اور مصر کے مشہور بزرگ حضرت شیخ احمد رح اعمال درج ہیں ۱۲

تعبیر الرؤیا اردو یعنی خوابنامہ حضرت محمد ابن سیرین رح تعبیر خواب میں نہایت معتبر کتاب ہے ۶

جمال انسانی آیہ لقد کرمنا بنی آدم کی تصوف کے پیرایہ میں ایک عجیب تفسیر ہے انسان کی حقیقۃ جامع کو خوب بیان کیا ہے قیمت ۳